افاداتِ غالب

مطبوعاتِ مجلسِ یادگارِ غالب
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۱۲

افاداتِ غالب

لطائفِ غیبی — سوالاتِ عبدالکریم

۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء — ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء

تیغِ تیز

۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء

از

میرزا اسداللہ خاں غالبؔ

بہ تصحیح و تحقیق

سیّد وزیر الحسن عابدی

۱۹۶۹

مجلسِ یادگارِ غالبؔ

★

صدرِ مجلس :

پروفیسر حمید احمد خان ستارۂ پاکستان ستارۂ امتیاز وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور

ارکان

جنابِ عبد الرحمٰن چغتائی لاہور

مولانا غلام رسول مہر لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ سابق صدر شعبۂ فلسفہ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

سید امتیاز علی تاج، سیکرٹری مجلسِ ترقیٔ ادب لاہور

مولانا حامد علی خان، مدیر مؤسّسہ مطبوعاتِ فرینکلن لاہور

کیپٹن عبد الواحد مؤسّسہ مطبوعاتِ فرینکلن لاہور

ڈاکٹر جسٹس ایس اے رحمٰن، سابق چیف جسٹس پاکستان لاہور

پروفیسر ڈاکٹر قاضی سعید الدین احمد، صدر شعبۂ امورِ طلبا پنجاب یونیورسٹی لاہور

گروپ کیپٹن سید فیاض محمود، ناظم شعبۂ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سید عبد اللہ، صدر دائرۃ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، ناظم ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر، پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج و صدر شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

سیّد وقار عظیم غالب پروفیسر اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

سیّد وزیر الحسن عابدی، ریڈر شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب احمد ندیم قاسمی، مدیر مجلّہ فنون لاہور

پروفیسر ڈاکٹر عبادت بریلوی، صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب صفدر میر، روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد اجمل، صدر شعبہ نفسیات گورنمنٹ کالج لاہور

پروفیسر اختر اقبال کمالی، شعبہ انگریزی اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

ڈاکٹر وحید قریشی، ریڈر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب انتظار حسین روزنامہ مشرق لاہور

جناب اقبال حسین، شعبہ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

معتمد

ڈاکٹر آفتاب احمد خان، جائنٹ سیکرٹری وزارت اطلاعات و نشریات حکومت پاکستان ڈھاکہ

ڈاکٹر عبدالشکور احسن، ریڈر شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

نائب معتمد

سیّد سجاد باقر رضوی، لیکچرر انگریزی یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

پیش لفظ

مجلسِ یادگارِ غالب کا قیام پنجاب یونیورسٹی کے ایک فیصلے کے مُطابق عمل میں آیا اور پروفیسر حمید احمد خاں صاحب اس کے صدر مُقرر ہُوئے۔ مجلس نے غالب کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے جو کتابیں شائع کرنے کا منصُوبہ بنایا تھا انھیں مَیں غالب شناسوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہُوں۔

یُونیورسٹی کے ایک اَور فیصلے کی رُو سے شعبۂ اردُو میں کُرسیٔ غالب قائم ہُوئی۔ مَیں مسرّت کے ساتھ اِعلان کر رہا ہُوں کہ اِس اسامی پر پروفیسر سیّد وقار عظیم کا تقرر کیا جا چُکا ہے۔

(پروفیسر) علاء الدّین صدّیقی
وائس چانسلر، جامعۂ پنجاب
لاہور

سینٹ ہال
مارچ ۱۹۶۹ء

تعارف

★

فروری ۱۹۶۹ء میں مرزا غالب کی وفات پر ایک سو برس پورے ہو رہے ہیں۔ اِس موقع کی مناسبت سے پنجاب یونیورسٹی نے شاعر کی عظمت کے اعتراف کے طور پر نہ صرف شعبۂ اُردو میں ایک پروفیسر کی نئی اسامی "(کرسئ غالب)" قائم کی ہے، بلکہ مجلسِ یادگارِ غالب کے تعاون سے ایک سلسلۂ مطبوعات شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ یہ کتاب اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مجلسِ یادگارِ غالب کے قیام کی تحریک جنوری ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر آفتاب احمد خان نے کی۔ وہ مجلس کے پہلے معتمد اور سیّد سجّاد باقر رضوی شریک معتمد مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد خان کے لاہور سے ڈھاکے منتقل ہو جانے پر ڈاکٹر عبدالشکور احسن مجلس کے دُوسرے معتمد قرار پائے۔

اواخر ۱۹۶۸ء میں جب ہمارا سلسلۂ کتب طباعت کے مرحلے میں داخل ہوا تو صدرِ مجلس کو ڈاکٹر محمد باقر کی مسلسل اعانت اور مشورہ بھی قدم قدم پر میسّر رہا۔ جن اربابِ فکر و نظر نے مجلس کی درخواست پر اِس سلسلۂ کتب کی ترتیب تالیف یا تصنیف میں حصّہ لیا اُن میں سے ہر ایک کا نام متعلقہ کتاب کے سرِورق

کی زینت ہے۔ مجلسِ یادگارِ غالب کے ارکان کے ناموں کی پوری فہرست اِس کتاب کے شروع میں الگ شائع کی جا رہی ہے۔

مجلس کے سلسلۂ مطبوعات میں سب سے پہلے مرزا غالب کی تصانیف آتی ہیں جو اُردو اور فارسی نظم و نثر پر مشتمل ہیں۔ یہ تصانیف نفسِ مضمون کی رعایت سے یا موزونی ضخامت کا لحاظ کر کے مختلف جلدوں میں تقسیم کر دی گئی ہیں اِن سب کتابوں پر مؤلفین نے دیباچے لکھے ہیں اور حسبِ ضرورت حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ نیز جہاں تک ممکن ہو سکا دستیاب وسائل کی مدد سے ہر متن کی تصحیح کی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مرزا غالب کی تصانیف میں سے کوئی کتاب رہ نہ جائے۔ چنانچہ اُن کی بعض نگارشات جو مرورِ زمانہ سے تقریباً ناپید ہو چکی تھیں، اب پھر اہلِ نظر کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہیں دیوانِ غالب کا نسخۂ حمیدیہ، جسے صدرِ مجلس نے مرتّب کیا ہے، ایک پہلے فیصلے کے مطابق مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔ غالب کی صرف یہی ایک کتاب مجلس یادگار غالب کی مطبوعات میں شامل نہیں۔

مرزا غالب کی تصانیف کے علاوہ مجلس کی مطبوعات میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جن میں اِس یگانۂ روزگار کے شخصی، فنّی اور فکری کمال کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو انگریزی دان لوگ اُردو نہیں جانتے یا نہیں

غالب کے فکروفن سے متعارف کرنے کے لئے ایک مفصل کتاب انگریزی زبان میں شائع کی جارہی ہے۔ ایک اور کتاب میں غالب پر شائع شدہ مواد کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ پھر اس سوال کا جواب کہ "میں نے غالب سے کیا پایا" ایک تیسری کتاب کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس میں متعدد غالب شناس حضرات کے ذاتی تاثرات جمع کئے گئے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مجموعے میں گذشتہ ایک سو برس کی تنقیدِ غالب کا خاکہ اقتباسات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتابیں فروری ۱۹۶۹ء میں شائع ہو رہی ہیں۔ گویا ان کی تاریخِ اشاعت سے مرزا غالب کی حیات بعدِ ممات کی دوسری صدی شروع ہوتی ہے۔ مجلس کو یقین ہے کہ اس دوسری صدی میں غالب کے قبولِ عام کی سرحدیں کچھ اور وسیع ہو جائیں گی۔ خدا کرے کہ دنیا کو ہند اسلامی تمدن کے آخری ترجمان سے روشناس کرانے میں مجلس کی یہ سعی رائگاں نہ جائے۔

حمید احمد خاں
صدر مجلس یادگارِ غالب
جامعۂ پنجاب، لاہور

سینیٹ ہال
فروری ۱۹۶۹ء

دیباچۂ مرتِّب

ان نیں رسائل پر جنھیں ، ہم اس مجموعے افادات غالب میں یکجا پیش کر رہے ہیں ، اب تک کافی کام ہو چکا ہے ۔

لطائفِ غیبی کے بارے میں فاضلِ بزرگوار جناب غلام رسول مہر نے اپنی مشہور کتاب غالب میں لکھا ہے ۔ ''میرے نزدیک یہ رسالہ یا تو شروع سے آخر تک غالب کی تصنیف ہے یا سیاح کی عبارت میں اتنا تصرف کیا گیا ہے کہ اُسے غالب ہی کی تصنیف سمجھنا چاہیے'' - موصوف کے دلائل حسبِ ذیل ہیں :

''عبارت کی روانی اور تعریضات کی شوخی میں غالب کا رنگ بہت نمایاں ہے ۔

سیاح کی نگارش کا ڈھنگ اور تھا جیسا کہ ان کی سیرِ سیاح سے جو غالباً ۱۸۷۲ء میں چھپی تھی ظاہر ہے''۔

پہلے اور دوسرے استدلال کے لئے مہر صاحب نے لطائفِ غیبی سے حسبِ ذیل اقتباسات تعارفی جملوں کے ساتھ درج کیے ہیں :

''سعادت علی صاحب ''جامعِ محرق'' کی نسبت ارشاد ہوتا ہے :
''کوئی شخص ہے رعایائے دہلی میں سے کہ کبھی کسی زمانے میں کسی محکمۂ انگریزی کا سر رشتہ دار ہو گیا تھا اور اب خانہ‌نشین ہے ، موسوم منشی سعادت علی ۔ نہ نثر سے واقف نہ نظم سے آگاہ نہ عقل کا سرمایہ نہ علم کی دستگاہ ۔ کسی گاؤں میں کسی بستی میں کسی گھاٹ پر کسی باٹ پر اس بزرگ کا نام کسی سے نہیں سنا ۔''
پھر ارشاد ہوتا ہے :

''اہلِ نظر 'قاطع و محرق' کو باہم دیکھیں گے تو ''قاطع'' کی عبارتیں موتی کی لڑیاں نظر آئیں گی اور ''محرق'' کی نثر میں ماش کی بڑیاں نظر آئیں گی ۔ ہمارے منشی صاحب از روئے علم و فن منشی نہیں ، از روئے پیشہ و حرفت منشی ہیں ، جیسے منشی بھیروں ناتھ اور منشی گینڈامل ۔''

لطیفۂ دوم میں فرماتے ہیں :

''اے صاحبانِ فہم و انصاف عبارتِ ''محرقِ قاطعِ برہان'' کو دیکھنا چاہیے ۔ خلطِ مبحث ، اطنابِ مملِ سوء ترکیب ، تباہی روزمرہ غلطیِ فہم ۔ اس سے مجھے کچھ کام نہیں ۔

بھلا عامیانِ معشوج الذہن کی نثر اور کیسی ہو گی ۔ خالصاً للہ یہ بتاؤ کہ مناظرہ ہے یا پھکڑ ؟ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہیجڑا تالیاں بجا کر گالیاں دیتا ہے یا ایک سڑی کو کسی نے چھیڑ دیا ہے ، وہ فحش بک رہا ہے ۔''

''منشی جی نے خفا ہو کر قلم کو سرمے کی مانند پیس ڈالا ہو گا ۔ میں نے کہا کہ 'من' کی خبر 'سود' بھلا اس کی کوئی وجہ اور تاویل کرو ؟ ''سودم'' کی جگہ 'سود' کے کیا معنی ؟ اس ظریف نے کہا کہ ''سودم'' میں ''دم'' کی صورت پائی جاتی ہے ۔ اور منشی جی بے دم ہیں'' 'سودم' میں ''میم'' جو حرف تکلّم کا ہے یہ دم کے ساتھ آتا ہے تو خدا نخواستہ منشی جی دمدار بن جاتے ۔''

اس کے بعد لطیفہ لکھتے ہیں ۔

''شاہ عباسِ ثانی بادشاہِ ایران کے عہد میں حکیم شفائی اصفہانی بڑا شیوہ بیان اور ہمہ دان شاعر تھا ۔ مومن خان یوزباشی میں اور اُس میں عداوت پیدا ہوئی ۔ حکیم شفائی نے اس کی ہجویں لکھیں ازانجملہ ایک ترکیب بند نے بڑی شہرت پائی اور قبولِ طبعِ خاص و عام ہوا ۔''

''اس ترکیب بند کے پہلے دو شعر درج کر کے لکھتے ہیں :
الواط و اوباش اصفہان بر رہگذر میں دف و چنگ کے ساتھ اس ترکیب بند کو گاتے پھرتے تھے ۔ مومن خان سن کر خفا ہوتا تھا ۔ مگر اس طایفہ سے تنگ ہے کیا کہہ سکتا تھا ۔ ناچار اپنے گھر بیٹھ رہا اور دروازہ بند کر لیا ۔ اس جماعت نے اس کے در دولت پر شد و مد سے گانا شروع کیا ۔ بالایان کار مومن خان اپنے پیٹ میں چھری مار کر مر گیا ۔ میں ڈرتا ہوں منشی جی بھی ان لطائف کو دیکھ کر کہیں اپنے کو ہلاک نہ کریں ۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ میاں داد خان یہ کام ہے غیرت والوں کا منشی جی کی طرف یہ احتمال بے جا ہے ۔''

اس بحث کے آخر میں مہر صاحب نے لطائف غیبی سے متعلق سیاح کے نام غالب کے ایک خط سے ایک اور اقتباس درج کیا ہے :

''لطائف غیبی کی پندرہ جلدیں سات روپے آٹھ آنے دام بھیج کر منگوائیں . . . یہ جو میں نے سیف الحق کا خطاب دیا ہے اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے ۔ تم میرے ہاتھ ہو ۔ میرے بازو ہو ، میرے نطق کی تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہے گی ۔ لطائف غیبی نے اعدا کی دھجیاں اڑا دیں ۔''

جناب ڈاکٹر شیخ محمد اکرام صاحب نے غالب نامے کے حصہ نثر میں جو تجدیدی اشاعت میں آثار غالب کے نام سے شائع ہوا ہے لطائف غیبی کے بارے میں لکھا ہے کہ ''فی الواقع یہ غالب کی تصنیف ہے اور شروع سے ہی سب کو معلوم تھا کہ یہ کتاب مرزا نے خود لکھی ہے ۔ مولانا حالی غالب کی اردو نثر کے متعلق لکھتے ہیں ''مرزا کی اردو نثر میں زیادہ تر خطوط و رقعات ہیں چند تقریظیں اور دیباچے ہیں اور تین مختصر رسالے ہیں جو برہان قاطع کے طرفداروں کے جواب میں لکھے گئے ، لطائف غیبی ، تیغ تیز اور نامہ غالب۔''،،

اس کے علاوہ موصوف نے اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے

کہ لطائف غیبی غالب کی اپنی تصنیف ہے، حسب ذیل دو استدلال قائم کیے ہیں :

(۱) "لیکن مرزا چاہتے تھے کہ اردو میں کوئی رسالہ شائع ہو جائے جس میں محرق کی غلطیاں اور جامع محرق کی کوتاہیاں پورے طور پر ظاہر ہوں ، چنانچہ انہوں نے غلام حسنین قدر بلگرامی پر ڈورے ڈالنے شروع کیے ۔ عام طور پر ان کے خط قدر کے نام رسمی ہوتے تھے اور "بندہ پرور" "سید صاحب" "مشفق میرے" اور اسی طرح کے دوسرے رسمی القاب سے شروع ہوتے تھے ۔ اب انھوں نے میر صاحب کو ایک بڑا دوستانہ خط لکھا اور اپنی ادبی جنگ میں مدد چاہی ۔ خط کا آغاز تھا "قرۃ العین میر غلام حسین سلمکم اللہ تعالٰی" اس میں یہ لکھ کر کہ مولوی نجف علی نے بغیر کسی ملاقات اور بغیر کسی حق کے میری حمایت کی ہے مرزا لکھتے ہیں "تم میرے یار ہو اور میری خدمت‌گزاری کے حقوق ہیں تم پر ۔ مجھ کو مدد دو اور اپنی قوت علمی صرف کرو ۔ محرق قاطع برہان میرے پاس موجود ہے ۔ مجھ سے منگاؤ میں ہر موقع پر خطا اور ذات مؤلف کا اشارہ کروں گا۰۰۰تمھارے پاس دو نسخے ایک دافع ہذیان ایک سوالات عبدالکریم مع استفتاو افتائے دستخطی علمائے دہلی موجود ہے اور اب اس کتاب کے ساتھ میرے اشارات سودمند پہنچیں گے ۔ تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا۰۰۰محرق اور صاحب محرق کا خاکہ اوڑ جائے گا (خطوط غالب ص ۹۷ - ۱۹۶)۔"
لیکن مرزا کی یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی اور قدر نے محرق کا جواب نہ لکھا ۔ چنانچہ مرزا نے دوسری سمت نظر دوڑائی اور بالآخر لطائف غیبی میاں اللہ داد خان کے نام سے شائع ہوئی ۔"

(۲) "مرزا کے خطوط پڑھنے سے خیال ہوتا ہے کہ نہ صرف انھوں نے لطائف غیبی خود لکھ کر سیاح کے نام سے چھپوائی بلکہ کبھی کبھی وہ سیاح کے نام سے اعتراضات اخباروں میں چھپواتے

تھی اور سیاح کو اس کی اطلاع اعتراض چھپ جانے کے بعد ہوتی تھی ۔ مرزا ایک خط میں سیاح کو لکھتے ہیں ''ایک نئی بات سنو ۔ مرزا محمد خان میرے سبی بھائی کا نواسا ہے ۔ اس نے ایک اخبار نکالا ہے ، اشرف الاخبار ۔ اس کا ایک لفافہ تم کو بھیجتا ہوں ۔ اس کو پڑھ کر معلوم کر لو گے کہ تمھارا ایک اعتراض قتیل کے کلام پر چھاپا گیا ہے ۔ اس ارسال و اعلام سے صرف اطلاع منظور ہے ۔''

جناب قاضی عبدالودود صاحب نے لکھا ہے کہ '' لطائفِ غیبی جس کا سال انطباع ۱۲۸۱ھ ہے میاں داد خان سیاح کی طرف منسوب ہے ، لیکن اس میں سک نہیں کہ اس کا لفظ لفظ غالب کے قلم سے نکلا ہے ۔'' ان کے دلائل حسب ذیل ہیں :

(۱) طرز تحریر (۲) عبدالصمد سے متعلق نئی باتیں (۳) کتاب میں یہ جملہ ''خانِ غالب یہاں کیا کرے مگر تم سے داد چاہے'' (۴) کتاب کے دیباچے میں حافظ کا یہ شعر :

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت بگو می گویم

(۵) لطائفِ غیبی کے علاوہ بھی ایک مثال اس طرح کے انتساب کی موجود ہے ''اشرف الاخبار میں قتیل پر اعتراض ان کی طرف سے چھاپ دیا گیا تھا اور یہ کافی سمجھا گیا تھا کہ اشاعت کے بعد انھیں اطلاع دی جائے ۔ سیاح کو اس میں مضائقہ نہ ہوا تو لطائف کو اپنی طرف منسوب کرانے میں کیا تأمل ہوتا ۔'' (مذکورہ واقعے کے لئے قاضی صاحب نے اردوئے معلّی کے ایک خط کا حوالہ دیا ہے جو سیّاح کے نام ہے) ۔ (۶) ''لطائف کی تصنیف میں غالب نے نیر سے مدد لی تھی اور علائی سے اعانت کی استدعا کی تھی (خطوطِ غالب مرتبہ مہیش پرشاد صفحہ ۳۵۸) جو غالباً ملی ہو گی ۔'' (۷) '' غالب پہلے قدر بلگرامی سے محرق کا رد

لکھوانا چاہتے تھے(خطوط غالب مرتبہ مہیش پرشاد صفحہ ۱۹۶)کسی وجہ سے اس کی کوئی صورت نہ نکلی ۔"

غالب نے لطائفِ غیبی کو خود اپنے نام سے کیوں نہ شائع کرایا ؟ اس بارے میں قاضی صاحب لکھے ہیں "...کئی مصلحتیں تھیں ۔ اول تو یہ کہ لطائف، محرق کے رد میں ہے اور اس کے مصنف کو غالب قابلِ خطاب نہ سمجھتے تھے ۔ دوسرے یہ کہ سیّاح دلی میں اجنبی تھے ۔ ان کی طرف سے مصنفِ محرق کو دلیاں دینے میں آسانی تھی ۔ تیسری یہ کہ اس صورت میں خودستائی کے زیادہ مواقع مل سکتے تھے ۔"

مالک رام صاحب نے ذکرِ غالب میں لکھا ہے کہ "یہ کتاب غالب کی اپنی تصنیف ہے"۔ اس کے لیے مالک رام صاحب نے چار داخلی اور خارجی دلیلیں قائم کی ہیں ، جن میں سے پہلی دلیل حسبِ ذیل ہے "میرزا ایک خط میں میاں داد خان سیاح کو لکھتے ہیں : "تمھیں جو میں نے سیف الحق خطاب دیا ہے ، اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے ، تم میرے ہاتھ ہو ، تم میرے بازو ہو، میرے نطق کی تلوار تمھارے ہاتھ سے چلتی ہے ۔ لطائف غیبی نے اعداء کی دھجّیاں اڑا دیں ۔" اس خط میں دراصل اشارہ ہے لطائفِ غیبی کی طرف ، جسے میرزا اس سے پہلے شائع کر چکے تھے ۔ اس کتاب کے آغاز ہی میں یہ عبارت ہے "سیاح بحروبر ہیچمدانِ بے ہنر سیف الحق میاں داد خان حق شناسوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔" اگر کتاب سیّاح کی لکھی ہوتی تو وہ سیف الحق کیسے لکھتے ، جب کہ غالب نے انھیں یہ خطاب بعد میں دیا تھا ۔ فی الحقیقت غالب نے کتاب لکھ کر ان سے منسوب کی اور لکھا کہ میں نے سیف الحق تمھیں خطاب دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے ۔ میرزا کے خط کے اقتباس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ کلام میرا ہوگا ، مگر وہ تمھارے ہاتھ سے لکھا اور

شائع کیا جائے گا۔ یعنی میں اپنی تحریر اپنے نام سے شائع نہیں کروں گا۔''

دوسری دلیل وہی ہے جو قاضی صاحب کے مذکورۂ بالا دلائل میں پانچویں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ذکرِ غالب صفحہ ۱۵۲ (طبع ششم)۔

سالک رام صاحب کی تیسری دلیل یہ ہے: ''لطائفِ غیبی میں کتابت کی بہت غلطیاں رہ گئی تھیں۔ اگر یہ تصنیف خود سیّاح کی تھی تو جو نسخے سیّاح کے پاس بھیجے گئے تھے وہ ان کو خود درست کر سکتے تھے۔ غالب کو یا کسی اور شخص کو انھیں اغلاط بتانے کی ضرورت جب ہی پیش آ سکتی تھی کہ یہ کتاب کسی اور کی لکھی ہوتی۔ میرزا ایک خط میں انھیں لکھتے ہیں۔ ''یہ ایک پارسل جو بعد ان دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے اس میں وہی لطائفِ غیبی ہے جس کو میں نے اپنے مطالعے میں رکھ کر صحیح کیا ہے۔ اس کے بھیجنے سے مدعا یہ ہے کہ تم تیس رسالوں کو اس کے مطابق درست کر لو۔'' اس سے عیاں ہے کہ کتاب میرزا نے لکھی تھی اور اب اس کی غلطیاں درست کر کے سیّاح کو بھیج رہے ہیں۔''

چوتھا استدلال وہی ہے جو قاضی صاحب کے ہاں تیسرا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ذکرِ غالب، صفحہ ۱۵۳۔

مولوی مہیش پرشاد آنجہانی نے اپنے مقالے 'برہان قاطع اور قاطعِ برہان کا قضیہ' میں جو علی گڑھ میگزین 'غالب نمبر' بابت ۴۹ - ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا تھا، لطائفِ غیبی کے بارے میں یہ رائے دی ہے ''اس کو مرزا کی فکر کا نتیجہ سمجھنا چاہیے، کیونکہ اس کی تیاری میں مرزا کا زبردست ہاتھ ضرور رہا ہے۔''

عبدالمجید سالک مرحوم نے اپنے مقالے ''رسالۂ لطائف غیبی اور مرزا غالب'' میں اس رائے کی تائید میں کہ لطائفِ غیبی غالب کی تصنیف ہے نئے استدلال کا اضافہ کیا ہے:'' مرزا غالب نے

شعبان ۱۲۸۱ھ میں سیاح کے نام ایک خط لکھا جس میں فرماتے ہیں ”یہ ایک پارسل جو بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے اس میں وہی لطائفِ غیبی ہے جس کو میں نے اپنے مطالعے میں رکھ کر صحیح کیا ہے۔ اس کے بھیجنے سے مدعا یہ کہ تم ان تیس رسالوں کو اس کے مطابق صحیح کر لو۔“ (اردوئے معلیٰ)

مصنف کو اس کی کتاب درست کر کے دینے کے کیا معنی ؟

پھر اس خط میں لکھتے ہیں۔ ”صاحب میں نے اپنے صرفِ زر سے لطائفِ غیبی کی جلدیں نہیں چھپوائیں۔ مالکِ مطبع نے اپنی بکری کو چھاپیں۔““ مالک مرحوم نے اپنے استدلال کو اس دلچسپ نکتے پر ختم کیا ہے کہ ”آخرِ کتاب میں چار اشخاص نے لطائفِ غیبی کی طباعت پر قطعاتِ تاریخ لکھے ہیں، جواہر سنگھ جوہر مرزا یوسف علی خان عزیز، شمشاد علی بیگ خان رضوان، بہاری لال مشتاق۔ یہ چاروں مرزا غالب کےخاص شاگرد اور نیازمند تھے۔ سیّاح سے ان کا کوئی علاقہ نہیں تھا الا بتوسطِ غالب۔“

ہم نے لطائفِ غیبی کے بارے میں یہ حوالے یہاں اس لیے یکجا کر دئے ہیں کہ کتاب کے ساتھ قاری کو یہ چیزیں یکجا مل جائیں اور اب تک کی تحقیق اور تحریر کے آخری نتائج سامنے آجائیں۔ ہماری رائے میں اس مسئلےپر اب تک کی بحثوں میں غالب کے اور ان کے ماحول کے حالات و واقعات اور ان کے اسلوبِ نثر کی ادبی خصوصیات کی اندازہ گیری سے پورا پورا استفادہ کیا جا چکا ہے۔ اب اس میدان میں نئی تحقیقی روش کا آغاز ہونا چاہیے اور وہ لسانیاتی تجزئے کے وہ اصول اور طریقے ہیں جن سے شماریاتی بنیادوں پر کسی مصنف کے اسلوب کا تعین کیا جاتا ہے۔مثلاً وہ طریقِ تحقیق جو انگریزی لسانیات میں .T.T.R (Type-token ratio) کے نام سے مشہور ہے یا وہ طریقہ جس میں جملے کے قصر و طول کو اساس قرار دے کر کسی نگارش کی شماریاتی تحلیل کی جاتی ہے یا

پھر وہ طریقہ جس میں افعال و صفات کے استعمال کا تناسب تجزیے اور تحلیل کی بنیاد بنتا ہے ، لیکن اسلوب کی بنیاد پر 'مہر سیّاح' اور 'لطائفِ غیبی' کا تقابلی لسانیاتی مطالعہ اور اُس کی مبسوط عددبندی دیباچے یا مقدمے کے بجائے ایک مستقل کتاب کا مطالبہ کرتی ہے - 'سوالاتِ عبدالکریم' کو بھی اسی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے ، بلکہ بہ نسبت لطائفِ غیبی کے جس کا غالب کی تصنیف ہونا متفق علیہ اور مسلم حیثیت حاصل کر چکا ہے 'سوالاتِ عبدالکریم' کے لیے اس کی کہیں زیادہ ضرورت ہے -

اس دوسرے رسالے سوالات عبدالکریم کے بارے میں جنابِ غلام رسول مہر کی رائے ہے[۲] کہ ''غالب ہی کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے -'' جناب قاضی عبدالودود صاحب نے لکھا ہے کہ غالب نے دو رسالے دوسروں کے نام سے محرق کی تردید و تضحیک میں لکھے - رسالہ عبدالکریم اور لطائف مولوی مہیش پرشاد آنجہانی نے اپنے مقالے[۳] ''برہان قاطع اور قاطع برہان کا قضیہ'' میں سوالات عبدالکریم کا تعارف اس طرح کرایا ہے ''کسی طالب علم کی تصنیف اُردو میں ہے - سترہ سوالات پر مبنی ہے اور 'محرقِ قاطعِ برہان' ہی کی تردید میں ہے - اس کا ذکر بھی مرزا کے خطوط میں کئی جگہ ملتا ہے دافعِ ہذیان کا جو نسخہ میری نظر سے گذرا ہے اس کے اخیر میں اس رسالے کے سات صفحات شامل ہیں - علیحدہ کوئی نسخہ نہیں ملا -''

---

۱ - دیکھیں کتاب غالب مصنفہ جناب غلام رسول مہر ، بہ ذیل 'تصانیفِ غالب' چودھواں باب -

۲ - آثارِ غالب (مآثرِ غالب) ضمیمہ علی گڑھ میگزین، غالب نمبر صفحہ ۴۷ ، بابت ۴۹ - ۱۹۴۸ء -

۳ - علی گڑھ میگزین مذکورۂ بالا -

"'محرق قاطع برہان' ۹٦ صفحے کی کتاب ہے، چنانچہ اس کے پچاس صفحات میں جو مواد ہے صرف اس کے متعلق رسالۂ **سوالات عبدالکریم** کا مواد ہے اور باقی ٤٦ صفحات کے متعلق صاحب **سوالات** نے لکھا ہے :

"یہ سوالات 'محرق' مطبوعہ کے ۵۰ صفحوں سے متعلق ہیں ۔ اس نسخۂ بے نظیر کے ٤٦ صفحات اور باقی ہیں جب ان سوالوں کے جواب پاچکوں گا تو سوالات باقی پیش کروں گا ۔"

جہاں تک مجھے علم ہے صاحب سوالات کو جوابات نہیں ملے اور نہ باقی سوالات کی نوبت آئی ۔"

مالک رام صاحب نے '**ذکر غالب**'[٣] میں **سوالات عبدالکریم** کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"یہ آٹھ صفحے کا مختصر رسالہ بھی میرزا کی تراوش قلم کا ممنون احسان ہے جسے انھوں نے **عبدالکریم** کے نام سے شائع کیا ۔"

پھر **ذکر غالب** (طبع ششم ، حاشیہ صفحہ ١٧٧) میں **مالک رام** صاحب نے یہ کہا ہے :

"میرے خیال میں یہ رسالہ بھی **غالب** کا لکھا ہوا ہے یا کم از کم اس کی تصنیف میں اُن کا بہت زیادہ ہاتھ ہے ۔"

موصوف نے اپنے مقالے '**سوالات عبدالکریم**' (رسالہ **آج کل** دہلی فروری ١٩٥٣ء) میں '**سوالات**' کی نگارش میں "**غالب** کے شگفتہ اور مزاحیہ طرز تحریر" کی نشاندہی کی ہے اور "آپ" کہتے کہتے "تم" کہنے کے انداز کو جو '**سوالات**' میں ہے **غالب** کی خاص روش بتایا ہے اور کہا ہے کہ یہ چیز اس رسالے کی تحریر کے "مرزا کے قلم سے ہونے کا" ثبوت ہے ۔

٣ ۔ طبع دوم ١٩٥٠ء، صفحہ ١٥٤ ۔

حال ہی میں رسالہ 'آج کل دہلی' کے 'غالب نمبر' (فروری ۱۹۶۹ء) میں ایک مقالہ 'رسالہ سوالاتِ عبدالکریم کا مصنف' کے عنوان سے شائع ہوا ہے جو جناب منظور الحسن برکاتی صاحب کا لکھا ہوا ہے - برکاتی صاحب نے اس رسالے کو ٹونک کے مولوی عبدالکریم کی تالیف قراردیا ہے، جو ان کے بیان کے مطابق ۱۳۰۷ھ (۱۸۸۹ء - ۱۸۹۰ء) تک حیات تھے اور مولوی نجف علی خاں مؤلفِ دافعِ ہذیان کے حلقے کے لوگوں میں سے تھے - برکاتی صاحب کے دلائل حسب ذیل ہیں :

۱ - ایک یہی کہ مولوی عبدالکریم مولوی نجف علی مؤلف دافعِ ہذیان کے حلقے کے آدمی تھے - دونوں کے درمیان گہرے روابط تھے -

۲ - کتاب فتوحِ اسلام کی تصنیف میں جو شاہنامے کی طرز پر منظوم تاریخ ہے دوسرے علماء اور شعرا کے ساتھ مولوی نجف علی خاں بھی ہیں -

۳ - مولوی عبدالکریم بڑے پائے کے عالم تھے اور انہیں محمد علی خاں نواب ٹونک نے محقق العلماء خطاب دیا تھا -

۴ - مولوی عبدالکریم ''بڑے شوخ طبع تھے اور ظریفانہ مزاج رکھتے تھے -''

۵ - رسالہ سوالات کا طرزِ تحریر مولوی عبدالکریم کے طرزِ تحریر سے ملتا ہے - مولوی صاحب نے اپنی ایک تصنیف فتوح الشام کا آغاز اس طرح کیا ہے :

''این فقیر اضعفِ بندگانِ قدیر عبدالکریم غفر اللہ لہ'' - پھر اپنی ایک دوسری تصنیف 'نجم منیر لظم منار' کو یوں شروع کیا ہے :

''فقیر ضعیف العباد عبدالکریم ابن احمد خان متوطن ٹونک غفراللہ لہ''

برکاتی صاحب نے اس رسالے کی تصنیف کے وقت مولوی عبدالکریم کی عمر قیاساً ۲۷ سال بتائی ہے۔ سوالاتِ عبدالکریم میں مصنف نے جو یہ کہا ہے۔

''میں دلی کا روڑا ہوں ، آپ منہ زور ہیں تو میں کوڑا ہوں۔ اگر پھکڑ لڑنے کا قصد کیجیے تو خم ٹھونک کر کھڑا ہوں گا۔''

اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ مولوی صاحب نے یہ بات مخالف کو مرعوب کرنے کے لیے لکھی ہوگی۔ برکاتی صاحب نے ٹونک کے مولوی عبدالکریم کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں اس سے ایک نہایت ثقہ اور ذمہ دار اور ایک مشہور ریاست کے ایک ممتاز جانے پہچانے شخص کی تصویر سامنے آتی ہے، جو ریاست کا باشندہ ہی نہیں بلکہ سرکاری عہدہ دار تھا اور اس ریاست کا عہدہ دار جس کے مسندنشین اسلامی علوم و اخلاق کی ترویج میں خاص انہماک رکھتے تھے اور مولوی صاحب کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ بعد میں انھیں محقق العلماء کا خطاب دیا۔ ایسی صورت میں سمجھ میں نہیں آتا کہ مولوی صاحب نے ایسی بے بنیاد بات کیسے لکھی اور چھپوائی ہوگی جس کی تردید منشی سعادت علی اور ان کے حامی زور و شور سے کرسکتے تھے اور جو ریاست کے ایک ذمہ دار کے لیے سخت ندامت و فضیحت کا سبب بن سکتی تھی۔ کوئی گمنام اور غیر ذمہ دار شخص ایسا غلط دعویٰ کرتا تو کوئی بات نہ تھی، لیکن جیسا کہ برکاتی صاحب نے واضح کیا ہے مولوی عبدالکریم ریاستِ ٹونک کی ایک ممتاز علمی شخصیت تھے، جنھیں دلی کے معززین بھی جانتے تھے مثلاً حکیم امام الدین خان دہلوی جن کا نام خود برکاتی صاحب نے بھی لکھا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نواب وزیر الدولہ محمد علی خان مسند نشینِ ٹونک کی ثقاہت جسے اہل تاریخ جانتے ہیں ایک وابستۂ ریاست کی طرف سے ایسی غلط بیانی کو جو ریاست کی بھی بدنامی کا سبب ہو ہرگز برداشت نہ کرسکتی تھی، بلکہ چند فارسی الفاظ اور فارسی محاوروں کی بحث میں مخالف کو یہ کہہ کر

کہ میں دلی کا روڑا ہوں مرعوب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شیراز و اصفہان سے نسبت قائم کی جاتی تو ایک بات بھی تھی۔ البتہ اردو زبان کے روزمرہ اور محاورے کا مسئلہ ہوتا تو یہ دعویٰ ضرور غالب کو مرعوب کر سکتا تھا۔ تمام قرائن بتا رہے ہیں کہ ان الفاظ کا لکھنے والا واقعی دلی کا رہنے والا ہے اور اسے اس بات پر اطمینان ہے کہ اس کے اس دعوےٰ کی تردید نہیں کی جاسکتی۔

پھر برکاتی صاحب کا یہ کہنا کہ ''رسالے کا انداز خالص مولویانہ اور مناظرانہ ہے اور غالب کا طرز فکر اور افتاد طبع یہ ہرگز نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے دفاع میں ادبی میدان چھوڑ کر مذہبی فتووں اور محضروں کی پناہ لیتے پھریں۔ رندانہ طبیعت رکھنے والے لوگ یہ راہ اختیار نہیں کرتے۔'' برکاتی صاحب کے اس استدلال کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ استفتا اور محضر کا انداز سوالات ہی میں نہیں تیغ تیز کے آخر میں بھی ہے اور بہت نمایاں ہے اور یہ کتاب متفق علیہ طور پر غالب کی اپنی تصنیف ہے۔

جناب مولانا غلام رسول مہر نے اپنے مقالے لطائف غیبی میں جو اردوئے معلی کے غالب نمبر حصہ دوم (مرتبہ جناب خواجہ احمد فاروقی، دہلی ۱۹۶۰ء) میں شائع ہوا ہے سوالات عبدالکریم اور لطائف غیبی دونوں کے مطالب اور اسلوب بیان کا کامل تجزیہ کرکے جو باتیں کہی ہیں وہ فیصلہ کن ہیں۔ ہم اس مقالے سے یہاں ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:

''ایک عجیب امر یہ ہے کہ 'سوالات عبدالکریم' اور 'لطائف غیبی' کے بعض مطالب میں ایسا اشتراک ہے کہ یہ دو چیزیں صرف ایک فرد کے قلم سے ہو سکتی ہیں، مثلاً سوالات میں سے سترھواں یا آخری سوال منشی سعادت علی مصنف 'محرق' سے یہ کیا گیا ہے:

''آپ سنّی ہیں اہل سنت و جماعت خلفائے راشدین کو اپنا پیرومرشد اور ان کی تعظیم و تفضیل کو اپنے اوپر واجب اور سبّ صحابہ کو

گناہ بلکہ کفر جانتے ہیں - آپ کے حقیقی بھائی نے مذہبِ رفض اختیار کیا - محرم میں حاضریاں کھاتے اور تعزیہ خانوں میں بھس اڑاتے پھرتے ہیں - تم ان سے کبھی خفا نہ ہوئے - مقامِ حیرت ہے کہ جامعِ برہان کی مذمت پر تو وہ استیلائے غیظ و غضب اور لعن و طعنِ صحابہ سن کر کان پر جوں نہ پھرے اور تیوری پر بل نہ پڑے ـــ الخ"

اب لطائف اٹھائیے - اس کے دوسرے لطیفے میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی ہے :

"مزا ایک اور ہے کہ منشی جی خود سنّی ہیں اور حقیقی بھائی ان کے شیعی سبّی ہیں - محرم میں بھس اڑاتے پھرتے ہیں۔ حاضریاں کھاتے پھرتے ہیں - اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں اور منشی جی کے ساتھ ایک گھر میں رہتے ہیں - ان پر منشی جی کو کبھی غصہ نہ آیا - خلفائے راشدین کی مذمت سے منع نہ فرمایا - اس باب میں کوئی عذر پیش لائیں - اس کی وجہ بیان فرمائیں - بدیہی تو یہی ہے کہ منشی جی کو دکنی کا پاس اپنے بزرگان دین سے زیادہ ہے"

اسی طرح 'سوالات' کا سولھواں سوال یہ ہے :

"محمد حسین دکنی جامعِ 'برہان قاطع' پیر طریقت نہ تھا ، شیخ وقت نہ تھا ، مفتی نہ تھا ، مجتہد نہ تھا ، عالم نہ تھا - رعایائے دکن میں سے ایک شخصِ متوسط الحال ہو گا - غایۃ ما فی الباب یہ کہ پڑھا لکھا ہوگا - اس کی بہ نسبت جو حضرت غالب مد ظلہ العالی نے کچھ کلماتِ ظرافت آمیز لکھے آپ نے اس کے عوض حضرت کو وہ کچھ لکھا کہ کوئی اشراف کسی ادنیٰ کو بھی نہ کہے گا نہ لکھے گا۔ بس صاف گالیاں ہیں - یہ آپ کا معتقد آپ سے بہ کمال عجز و انکسار پوچھتا ہے کہ ایک دکنی۔ دنی کے واسطے آپ کو غصہ اتنا کیوں آ گیا کہ آپ نے مناظرے کو پھکڑ بنا دیا اور فحش بکنے لگے اور بھونک دینے لگے ؟ اس سوال کا جوابِ شافی لکھیے ۔"

'لطائفِ غیبی' میں لکھتے ہیں کہ "ایک شخص عالی خاندان ہے علاوہ بریں صاحب کمال ، یگانۂ روزگار ، اہلِ ہندوستان کا مطاع ، مسائلِ منطق، فارسی کا مفتی، مرنجان مرنج گوشہ نشین آزادہ و وارستہ ، ستر برس کی عمر کا ہے یعنی اسداللہ خان غالب :

ایسے شخص کی نسبت نا سزا کہنا منافیِ شانِ علم و ادب بلکہ خلافِ آئینِ آدمیت ہے - منشی سعادت علی نے قطع نظر اور حالات و کمالات سے کبرسن کا بھی پاس نہ کیا - شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

" کہ حق شرم دارد ز موئے سفید - جس سے خالق کو شرم آئے مخلوق اس سے نہ شرمائے - مابہ النزاع یہ ہے کہ غالب نے برہانِ قاطع کی اغلاط بر اعتراضات لکھے ہیں - کہیں کہیں ازراہِ شوخیِ طبعِ ظریفانہ بہ طریق بذلہ رقم سنج ہوئے ہیں - منشی جی نے حضرتِ غالب کی شان میں سفیہانہ وہ کلماتِ ناسزا لکھے ہیں کہ ایسے کلمات کوئی شریف النفس بہ نسبت کسی آدمی کے نہ لکھے گا - محمد حسین دکنی کے انتقام لینے کا بہانہ مسموع و مقبول نہیں - یہ منشی جی کا کون تھا جو ان کو اس کی مذمت سن کر ایسا غصہ آ گیا کہ چہرہ گرمی سے لال ہوگیا ، بدن سے پسینہ بہنے لگا ، منہ میں جھاگ آ گئے، آنکھیں بند کر لیں ، گالیاں بکنے لگے -"

لطائف غیبی اور سوالات عبدالکریم دونوں منشی سعادت علی دہلوی کی کتاب محرقِ قاطعِ برہان کے رد میں ہیں جو غالب کی 'قاطع برہان' کے جواب میں لکھی گئی تھی - زیرِ نظر مجموعے کا تیسرا رسالہ تیغِ تیز غالب نے قاطعِ برہان کے جواب میں لکھا تھا جو آغا احمد علی نے غالب کی قاطع برہان کے رد اور محمد حسینِ تبریزی کی مشہور فارسی لغت برہانِ قاطع کی حمایت میں تالیف کی تھی -

تیغ تیز کے بارے میں جناب قاضی عبدالودود صاحب نے لکھا

ہے کہ غالب نے اس رسالے میں آغا احمد علی کے ''محض چند اعتراضات سے بحث کی ہے اور وہ بھی تشفی بخش نہیں - مزید یہ کہ کتاب میں متعدد مقامات پر صریحاً خلافِ واقعہ باتیں لکھی ہیں۔''
ان باتوں کی تفصیل اپنے مقالے ''غالب بہ حیثیت محقق'' میں درج کی ہے جو علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر بابت ۴۹ - ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا ہے۔ تیغ تیز کے آخر میں جو استفتا ہے اس پر بھی قاضی صاحب نے سوال بہ سوال تبصرے کیے ہیں جو موصوف کے مرتبہ مجموعے 'آثار غالب' (مآثر غالب) کے صفحہ ۳۷ سے صفحہ ۴۴ تک ہیں ۔ اور محرق قاطع برہان اور اس کے مؤلف کے بارے میں صفحہ ۴۷ پر ہیں ۔ یہ حوالہ 'آثار غالب' کا ہے جو علی گڑھ میگزین کے مذکورہ شمارے کا ضمیمہ ہے ۔ یہاں ہمارا بنیادی مقصد ان تحقیقی تحریروں کی نشاندہی کرنا تھا جو 'لطائف غیبی' 'سوالات عبدالکریم' اور تیغِ تیز سے متعلق اب تک کی غالبیات میں شائع ہوئی ہیں ۔

تعلیقات میں ہم نے بنیادی طور پر ان تینوں رسالوں کی لغوی بحثوں کا پس منظر پیش کیا ہے جو مقدم حیثیت رکھتا تھا اور ان صفحات کے حدود میں گنجائش بھی اتنی ہی تھی ۔ اب پیش منظر باقی رہتا ہے ، یعنی یہ کہ شمشیرِ تیزتر میں جو آغا احمد علی نے غالب کی تیغِ تیز کے جواب میں لکھی کیا کہا گیا ہے اور جو کچھ کہا گیا ہے اس کی علمی حیثیت کیا ہے ۔ یہ بحثیں برہان قاطع' اور'درفش کاویانی' کے پورے مباحثے اور اس کے محاکمے کے تحت آتی ہیں ، اور بہتر ہے اسی وسیع سطح پر بیان ہوں تا کہ اپنے کامل دائرے میں دیکھی جا سکیں ۔

البتہ جناب قاضی عبدالودود صاحب نے تیغ تیز کے استفتا والے سوالات پر جو تحقیقی تبصرہ (آثار غالب (مآثر غالب) ، علیگڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء) میں سوال بسوال کیا ہے وہ یہاں درج کرنا

ضروری ہے تاکہ جو چند توضیحات بعد میں ہمیں پیش کرنی ہیں وہ اپنے کامل سیاق اور صحیح تناظر میں سامنے آ سکیں :

''استفتا تیغ کے آخری میں ہے اور اس کا عنوان 'اللہ اکبر' ہے تقریباً کل سوالوں کے بعد اور ہر جواب کے بعد محمدالمدعوبہ مصطفیٰ مرقوم ہے - یہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ شاگرد غالب ہیں - ان کے مؤیدین میں سے بھی دو ضیاء الدین احمد خان نیّر اور حالی غالب سے یہی نسبت رکھتے ہیں - سعادت علی خان مشہور آدمی نہیں - رسالہ عبدالکریم کے آخر میں جو استفتا ہے اس کا جواب دینے والوں میں یہ بھی ہیں - تعجب ہے کہ غالب کو یہ نہ سوجھا کہ جب میں کل ہندوستانی فارسی دانوں کو خواہ وہ شاعر ہوں یا فرہنگ نگار نا معتبر قرار دے چکا ہوں تو ہندوستانیوں سے فتویٰ لینے کے کیا معنی ؟ اور نہ یہ بات ان کے ذہن میں آئی کہ جو اصحاب خود میری فارسی دانی کے قائل نہیں وہ میرے معتقدین اور تلامذہ کو کیا خاطر میں لا سکتے ہیں - تمہید کی عبارت عیوب سے مملو ہے - سوالوں کا جواب فارسی دانوں اور شاعروں سے طلب کرنا تھا - صاحبان قوت ناطقہ و قوت عاقلہ سے استفتا بے محل ہے - غالب نے 'احد اللغتین میں سے جو لغت صحیح ہو، لکھا ہے 'احد' کی جگہ 'احدی' چاہیے - 'احدی اللغتین' کے بعد 'میں سے' نہیں آسکتا اس لیے کہ صرف ایک لغت رہ گیا ہے - اگر 'احدی اللغتین' کی جگہ 'لغتین' بھی ہو تو بھی بے محل ہوگا ، اس لیے کہ بعض سوالات کا فن لغت سے کوئی سروکار نہیں - مثلاً نمبر ۷ ، اور بعض میں ایک ہی لغت سے یا کنائے کے متعلق استفسار دو میں سے ایک کو صحیح قرار دینے کا سوال نہیں (مثلاً ۶ و ۱۶)- 'غلط ساز' سہو کاتب ہے 'عہد ساز' چاہیے - سوالات ان امور سے متعلق بھی ہیں جو احمد اور غالب کے درمیان مابہ النزاع نہیں ، تیغ موید کا جواب ہے اس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے -

سوال ۱ :

اس سوال میں بڑا فریب پنہاں ہے فردوسی اور خاقانی شاعر

ہیں مگر انھوں نے **قطران** و **اسدی** کی طرح نثر میں اور **شمس فخری** کی طرح نظم میں فرہنگ نہیں لکھی یہ دوسری بات ہے کہ ضرورت سمجھ کر **فردوسی** نے بعض نا معلوم الفاظ کے معانی بتا دیئے ہیں (مثلاً بیوز) ۔ شاعر کو الفاظ کے استعمال کا خاص سلیقہ ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس کی زبان دانی اسی قسم کی ہو جیسی فرہنگ نگاروں کی ہوتی ہے ۔

قطران[1] نحول شعرا میں ہے مگر اس کی فارسی دانی کی نسبت **ناصر خسرو** کی یہ رائے ہے ''زبان فارسی نیکو نمی دانست...دیوان **منجیک** و **دقیقی** ..پیش من بخواند و ہر معنی کہ اورا کہ مشکل بود از من پرسید'' (سفر نامہ) ۔ **خسرو** بلند پایہ شاعر ہیں لیکن اصطرلاب کا اشتقاق جو انھوں نے بتایا ہے کون تسلیم کر سکتا ہے ؟ شعرا کے کلام کا مطالعہ فرہنگوں سے بے نیاز نہیں کر سکتا ۔ بلکہ قدیم شعرا کے کلام کا مفہوم فرہنگوں کی طرف رجوع کیے بغیر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا ۔ قیاس سے ہر جگہ کام نہیں لیا جاسکتا ۔ فرہنگ نگار کے مستند ہونے کا دار و مدار اس کے وطن پر نہیں اس کی تحقیقات پر ہے ۔ یہ خوبی ممکن ہے کہ کسی خاص مسئلے کی تحقیق ہندوستانی ایرانیوں سے بہتر کریں ' ایرانی خود ہندوستانی فرہنگ نگاروں کی سندیں بے تکلف پیش کرتے ہیں ۔ لغات کے معنی در کنار اشعار سے لغات کی حرکات و سکنات کا علم بھی بہت کم ہوتا ہے ۔ اور الفاظ جانے دیجیے دو حرفی در=مروارید اور در=باب کو لیجیے ۔ اگر یہ بہ طور قافیہ نظم نہیں ہوئے تو زیادہ سے زیادہ جو علم ہوسکتا ہے وہ یہ کہ 'ر' ساکن ہے اور 'د' کی حرکت کیا ہے اس کا پتہ مطلقاً

---

۱ ۔ قطران وہ فارسی جس میں منجیک اور دقیقی کا کلام ہے زیادہ نہ جانتا ہوگا ۔ (قاضی صاحب کا حاشیہ)

نہیں چل سکتا ۔ بہ طور قافیہ آئیں اور حرف وصل سے مل کر 'ر'
متحرک ہو جائے تو اس صورت میں بھی 'د' کی حرکت کا علم
نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ قافیے میں شامل نہیں رہی ۔ 'درش'
اور 'درش' بے تکلف ایک دوسرے کا قافیہ ہو سکتے ہیں ۔ 'ر' متحرک
نہ ہو تو اس صورت میں بھی 'د' کی حرکت کا صحیح علم اس وقت
ہوگا جب یہ یقین ہو کہ شاعر اقوا کا مرتکب نہیں ہوا ۔ **فردوسی**
کہتا ہے :

به زرین وسیمین دو صد تیغ ہند
ہمہ تیغ زہراب دادہ پرند **جلد صفحہ ۹۹**

ز زابلستان تا بہ دریائے سند
نوشتیم عہد ترا بر پرند

'ہند' کی 'ہ' اور 'سند' کا 'س' ہر شخص جانتا ہے کہ مکسور
ہے ، 'پرند' کی 'ر' کا مفتوح ہونا بھی مسلم ہے ۔

فردوسی کے اشعار سے ان حروف کی صحیح حرکت کا بھی علم
نہیں ہو سکتا ۔ حرکات و سکنات پر نہیں موقوف ، یہ پتا چلنا بھی
مشکل ہے کہ کن حروف سے مرکب ہے اس لیے کہ کاتب کی
غلطی کا ہمیشہ احتمال ہے ۔ بہ طور قافیہ آئے جب بھی صرف ان
حروف کا علم ہوگا جو قافیے میں بتکرار آتے ہیں اور وہ کبھی اس
صورت میں کہ شعر اکفا سے بری ہو ۔ **فردوسی** کے شعر ذیل میں ایک
روی 'ج' عربی اور دوسرا 'ج' فارسی ہے :۔

بخارا و سغد و سمرقند و چاج
سپنجاب و آن کشور و تخت و عاج

جلد ۱ صفحہ ۲۲۹

عروض کے قواعد کے مطابق جو اشعار کی تقطیع ہوئی ہے اس
میں بعض صورتوں میں حرکت سکون سے اور سکون حرکت سے بدل

جاتا ہے ایک بیت یا ایک نظم میں مختلف زحافات استعمال ہو سکتے ہیں یہ بھی دقتیں پیدا کرتا ہے - عروض و قافیہ درکنار، شاعر الفاظ میں جو تصرف کرتے ہیں اور جس کا بہ قول غالب انھیں اختیار ہے اس کی وجہ سے بھی لغت کی اصلی ہیئت اور اس کے اصلی معنی کا شعرا کے کلام سے معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے - طغرا نے بہ قول **غالب** دریچہ (بہ یائے معروف) کو دربچہ (بہ بائے مفتوح) باندھا ہے (مجھے اس سے اختلاف ہے تفاصیل کے لیے تبصرہ دیکھیں) اگر یہ مانوس لفظ نہ ہوتا اور شعر میں مستعمل نہ ہوا ہوتا اور فرہنگ نگاروں کا قول نا قابل اعتنا قرار دیا جاتا تو یہ تسلیم کرنا پڑتا کہ یائے مفتوح کے ساتھ ہے **خاقانی** کا **مصرع** ہے ۔

ہم عمر خبابی و ہم عمر خطاب

ظاہر ہے کہ خاقانی یا اور شعرا کے بہ تشدید استعمال کرنے سے م مشدد نہیں قرار پا سکتا ۔

سوال کی عمومی حیثیت کو چھوڑ کر اب یہ دیکھیے کہ **غالب** نے یہ بحث کیوں چھیڑی - **غالب** نے قاطع میں دعویٰ کیا تھا کہ جو لوگ **سعدی** کے شعر کی سند پر 'گرفت' کی 'را' کو مکسور کہتے ہیں، غلطی پر ہیں - **فردوسی شاہ نامہ** میں سو جگہ 'گرفت' کو 'خفت' 'و گفت' کا قافیہ اور ہزار جگہ شگفت کا قافیہ لایا ہے لیکن وہ ایک جگہ اسے رفت کا قافیہ لایا ہے اور **خاقانی** نے کہا ہے :

'خور پیش تو رہ پیادہ رفتہ
ہمہ غاشیہ' تو برگرفتہ

صحیح یہی ہے، اور جگہ 'تغایر حرکت ماقبل روی' ہے اگر کوئی شخص فتحہ را کی سند میں جو شعر میں نے دیے ہیں انھیں بھی اسی قبیل سے تصور کرے تو اسے تحقیق سے بہرہ نہیں اور میں اس سے گفتگو نہیں کرتا **سعدی** کا شعر جس کا ذکر آیا ہے وہ یہ ہے :

تبسم کناں دست برلب گرفت
کہ سعدی مدار آنچہ دیدی شگفت

قاطع صفحہ ۱۴۸

یہ تو ظاہر ہے کہ غالب اس سے اختلاف نہیں کرتے کہ 'شگفت' کا کاف مکسور ہے ورنہ وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ سعدی کی سند دینی غلط ہے ۔ اس گرفت کی را کا فتحہ ثابت ہوتا ہے اس سے اختلاف نہیں تو یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ فردوسی نے ہزار بار جس طرح استعمال کیا ہو اُسے ان شکلوں پر جو اس کے مقابلے میں بہت کم اس کی زبان پر ہیں کیوں ترجیح نہ دی جائے اور اگر فردوسی ہزار بار ایک طرح اور سو بار ایک طرح 'تغایر حرکت ماقبل روی' کا ارتکاب کر چکا ہے تو یہ کیوں نا ممکن سمجھا جائے کہ 'رفت' اور 'گرفت' کے قافیے میں عیب ہے ۔ 'تغایر حرکت ماقبل روی' کے الفاظ کے استعمال سے یہ ظاہر ہے کہ غالب ف کو روی قرار دیتے ہیں حالانکہ روی ت ہے یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ روی قافیے کے آخری حرف اصلی یا اس کے قائم مقام کو کہتے ہیں ۔ خاقانی کا شعر 'را' کی کسی خاص حرکت کے ثبوت میں وہی شخص پیش کر سکتا ہے جو فن قافیہ سے بالکل ناواقف ہے ۔ گرفتہ میں ت روی ہے اور حرف وصل ہائے مختفی سے مل کر متحرک ہو گئی ہے اس صورت میں 'ر' کی حرکت قافیے میں شامل نہیں وہ مضموم ، مفتوح، مکسور سب ہو سکتی ہے ۔ ان باتوں کو احمد نے مؤید میں (صفحہ ۴۴۴) اچھی طرح سمجھا دیا تھا اور اُنھوں نے وہی بات کہی ہے جس پر جمہور کا اتفاق ہے لیکن غالب تیغ میں پھر یہی بے سرا راگ گاتے ہیں ۔[2] "مولوی" لکھتا ہے گرفتن بکسرتین ہے میں پوچھتا ہوں کہ کیا

---

۱ ۔ اس کی حقیقت محقق میں ملاحظہ ہو ۔ (قاضی صاحب کا حاشیہ)

۲ ۔ شمس قیس صاحب المعجم ، طوسی ، جامی ، عطا اللہ سب کا یہی مسلک ہے ۔ (ایضاً)

رفتن بھی بکسر اول ہے ؟ (اس کے بعد فردوسی اور خاقانی کے وہی شعر دئے ہیں جو قاطع میں ہیں) ۔ ۔ ۔ اور جواز اختلاف حرکت ماقبل روی سے قدما کے دیوان بھرے ہوئے ہیں ۔ خصوصاً قصہ ویس رامین میں فخر گرگانی نے قید حرکات نلثہ اٹھا دی ہے گشتہ و کشتہ قافیہ'' صفحہ ۱۹ ۔ گشتہ و کشتہ کے توافی کو غالب کے سوا کسی نے غلط نہیں کہا ۔ اس سلسلے میں تیغ صفحہ ۹ اور اردو صفحہ ۳۷۷ بھی ملاحظہ ہو ۔ غالب کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ گرفت کی را مفتوح ہے ۔ سروری کاشانی لکھتا ہے : شکفت بکسر کاف تازی عجب باشد ۔ بستان :

یکے خردہ بر شاہ غزنین گرفت
کہ حسنے ندارد ایاز اے شکفت

۱۷۵ ۔ سروری کے نزدیک گرفت کی 'ر' مکسور نہ ہوتی تو وہ اس شعر کو شکفت کے مکسور الکاف ہونے کی سند میں نہ لاتا ۔ آخر میں اس نے یہ اضافہ کیا کہ ''بفتح و ضم کاف نیز آمدہ'' لیکن ظاہراً یہ مروجہ زبان سے متعلق نہیں اس کی بنا وہ اشعار ہیں جس میں شکفت ایسے الفاظ کا قافیہ آیا ہے ۔ جن میں ف سے پہلے کا حرف مفتوح یا مضموم ہے ۔ جہانگیری میں صرف مکسور الکاف ہے اور نظامی کا شعر سند میں دیا ہے جس میں شگفت کا قافیہ گرفت نظم ہوا ہے شگفتن ۔ تعجب بہ بکسر اول وثانی مندرج ہے اور گرفتہ کا وزن فرشتہ بتایا ہے ۔ شعرائے ایران میں گرفت بکثرت شکفت کا قافیہ آیا ہے میں دو مثالوں پر اکتفا کروں گا ۔

آخرالامر قاعدے بگرفت
نامۂ نظم داد و نیک شگفت

انوری صفحہ ۷۶۲

---

۱ ۔ فرہنگ نوبہار جلد ۲ میں جس کے جامع محمد علی تبریزی خیابانی ہیں ۔

تہی دست و بے خیل و مال اے شگفت
نگر تا جہاں را چگونہ گرفت

صاحب مازندرانی 'مجمع الفصحا' جلد ۲ صفحہ ۳۱۷
اس کتاب میں اس شاعر کے دو اور شعر ہیں جن میں یہ قافیے آئے ہیں ۔

سوال ۲ :
پیدائش و زیبائش کے متعلق غالب صرف یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ ان کا صحیح ہونا ، نظائر کا حاجت مند نہیں ۔ لیکن چونکہ قاعدہ ان کا مخالف ہے - ایرانیوں کی لکھی ہوئی فرہنگوں یا ان کے ادب سے ان کے استعمال کی سند پیش کرنی تھی ۔ پیدائش مخفی کے دیوان (مطبوعہ و مخطوطہ) میں ایک جگہ ملتا ہے مگر بطور قافیہ نہیں ۔ جناب ڈاکٹر عندلیب شادانی نے مجھے اطلاع دی ہے کہ ابوالفضل کے یہاں کئی جگہ آیا ہے ۔ آج کل ایرانی بکثرت استعمال کرتے ہیں ۔ مخفی کے معاصر یا اس سے قبل کے ایرانیوں کے یہاں مجھے یہ لفظ نہیں ملا ۔ زیبائش اردو میں مستعمل ہے ۔ ایرانیوں کی زبان پر نہیں ۔

سوال ۳ :
احمد نے صائب ، زلالی ، والہ ہروی ، مسیح کاشی وغیرہ کے کلام سے ثابت کیا ہے ۔ کہ ایرانی راند و ماند کی قسم کے لفظوں کو زند و کمند کی قسم کے لفظوں کا قافیہ لاتے ہیں ۔ مسیح کا شعر جو بہار عجم جلد۱ ، نول (۱۲۱) میں بھی ہے یہ ہے '' آتش بزبان شعلہ برمن زدہ بانگ کز بہرچہ بسان خاکستر گنگ'' غالب اور ان کے مدد گار اپنے دعوے کو ثابت نہ کر سکے ۔

سوال ۴ :
تمہید میں غالب نے اس سوال کا جواب بھی بتا دیا ہے ۔ جو انھیں نہیں چاہیے تھا ۔ چشم عیب ساز ، احمد کے نہیں برہان کے الفاظ ہیں (تفاصیل راست) عیب ساز میں کوئی خاص قباحت نظر

نہیں آتی ، یہ عیب ہیں ، کے معنی میں نہیں ، عیب آفرین کا مرادف ہے -

سوال ۵ :

جواب غلط ہے - اعتراض کا سرقہ ہو سکتا ہے - اگر غالب نے دوسروں کا اعتراض دیکھا تھا اور وہ از خود ان کے ذہن میں نہیں آ سکتا تھا اور انھوں نے اصلی معترض کا ذکر بالارادہ نہیں کیا تو سرقے میں کیا شبہ ہے - ساسانی کا بیان آب چیں سے متعلق ممکن ہے ۔ غالب کی نظر سے نہ گذرا ہو ، لیکن ، محشی برہان کے اعتراض جو انھوں نے اپنی جانب سے پیش کیے ہیں ، ان کا کیا جواب ہو سکتا ہے؟ - برہان میں ۸ حاشیے ہیں ، اور ان میں سے بیشتر عربی الفاظ سے متعلق ہیں ، لیکن غالب قاطع مین محشی کے ایک اعتراض کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں ، ''مہتمان کارگاہ انطباع جا بجا حاشیہ ، نگاشتہ اید ، اماہمہ در اغلاط لغات عربی'' کسی مخالف نے یہ لکھا کہ حواشی لغات فارسی سے متعلق بھی ہیں اور غالب کے کچھ اعترضات حواشی میں بھی ہیں - تو درفش 'ہمہ' کو 'اکثر' بنا دیا - ان کا قول اس ترمیم کے بعد بھی غلط رہا - قاطع کے متعدد اعتراضات حواشی برہان سے ماخوذ تھے - اور اس کا اعتراف غالب نے نہیں کیا تھا - بلکہ یہ لکھ کر کہ حواشی کا تعلق صرف لغات عربی سے ہے کنایۃً اس سے انکار بھی کیا تھا - کہ لغات فارسی پر ان کے جو اعتراض ہیں وہ حواشی سے لیے گئے ہیں - درفش میں غالب نے دوسری روش اختیار کی ہے - جا بجا فخریہ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ سات فضلائے کلکتہ جو برہان کے محشی ہیں میرے ہم نوا ہیں - غالب کو اس کی خبر بھی نہیں کہ یہ حواشی کے ردبک کے لکھے ہوئے ہیں ، اور مصححین مطبع طبی جن میں حکیم عبدالمجید کے سوا کسی عالم ہونے کا ثبوت موجود نہیں ، ان سے کچھ سرو کار نہیں رکھتے (تفاصیل محقق)

سوال ۶

یہ اعتراض پہلی بار درفش میں کیا گیا ہے ، **احمد** اور **غالب** میں ما بہ‌النزاع نہیں ۔ **برہان** نے دوسری فرہنگوں سے لیا ہے ۔ اور شش ضرب ، نتیجہ خوب ، یا شش نتیجہٴ خوب ، فرہنگوں میں ظاہرا انوری کے ان دو شعروں کی وجہ سے شامل کیا گیا ہے :

ز بہر جشن تو دائم بہ شش نتیجہ خوب
زفر بحث تو آبستنی است شش مسکن
صدف بگوہر و نافہ بمشک و نے بشکر
شجر بمیوہ و خارا بزر و خار بمن

کلیات نمبر ۱۱۳ فرہنگ نگاروں کے سلک کی توضیح میں ملے گی ۔

سوال ۷ :

'چسم مخالفان بیازن بہ نیر' **موید** میں **نوادر المصادر** کے حوالے سے **فرخی** کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس میں مصرع ثانی اس طرح ہے ۔

"ہمچو کف دلے ہرز آزدے"[۱]

غالب نے اعتراض سے پہلے نوادر کو جو ایک مطبوعہ کتاب تھی دیکھ لینا ضروری تصور نہ کیا ۔ غالب اگر عروض فارسی کے ارتقا سے واقف ہوتے ، اور انھوں نے شعرائے ایران کے کلام کا ایک عروضی کے نقطہٴ نظر سے مطالعہ کیا ہوتا تو اس مصرع کو ناموزوں نہ کہتے یہ مصرع جیسا کہ احمد نے سمشیر میں لکھا ہے بحر سریع میں ہے اور اس کا وزن مفتعلن مفاعلین فاعلان ہے ، انھوں نے اس بحر کے بارے میں **طوسی** کا یہ قول بھی نقل کیا ہے :

---

۱ ۔ انتخاب کلیات (لاہور) میں یہ بیت نہیں اور جناب عرشی سے معلوم ہوا کہ کلیات طہران میں بھی نہیں ۔ (قاضی صاحب کا حاشیہ)

"اما بپارسی ہمہ ارکان مطوی بکار دارندو بر سالم و مخبون شعر نیامده است الا آنچہ عروضیان بہ تکلف گفتہ اند از جہت تشبہ بعرب "(معیار الاشعار نمبر ۶)

ایرانیوں کو اس بحر کے سالم ارکان مطبوع نہیں ہوئے ، اور انھوں نے مستفعلن کی جگہ مفتعلن (مطوی) اور مفعولات کی جگہ فاعلان اور فاعلن (مطوی موقوف یا مطوی مکشوف) لانا پسند کیا ۔ اور مفتعلن مفتعلن فاعلن یا فاعلان فارسی کی بہت مقبول اوزان میں ہے ۔ مفاعلن (مخبون) عربی میں آتا ہے ۔ فارسی میں اس کا جواز معیار النسعرا کے علاوہ المعجم سے بھی ثابت ہے (نمبر ۱۳۳) بلکہ مؤخرالذکر میں مخبون مکشوف کی مثال میں یہ بیت دی ہے :

دو غمزه چون دو ناچخ لشکری
ہمے کنی بہر دواں دلبری صفحہ ، ۱۳۴ ۔

اس میں اور چشم الخ میں دو فرق ہیں ایک یہ کہ چشم الخ میں صدر (یعنی رکن اول) مطوی ہے اور دوغمزه الخ میں مخبون ، دوسرے یہ کہ عروض (یعنی رکن آخر) چشم الخ میں فاعلان ہے اور دو غمزه الخ میں فاعلن بحر سریع یا اور بحروں میں ایک بیت تک فاعلان اور فاعلن کا اجتماع جائز ہے ۔

ہر کہ تواند کہ فرشتہ شود
خیره چرا باشد دیو دستور

المعجم صفحہ ، ۳۳۱ ۔

رہا مفاعلن کی جگہ حشو (درمیانی رکن) میں مفتعلن کا استعمال تو اس بحر کی ممانعت نہیں اور ، مفتعلن مفاعلن فاعلان ، میں مفتعلن مفاعلن فاعلان سے کم ثقالت ہے ۔ یہ وزن عروض کی کسی کتاب میں یا شعر زیر بحث کے علاوہ شعرا کے کلام میں نہیں ملتا ، تو مضائقہ نہیں ۔ کتابوں میں بہت سے ثقیل اوزان نہیں دیئے ۔ اصول موجود ہیں ، اُن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی بحر میں کون

کون زحافات مستعمل ہیں ، اور قدیم شعرا کا بہت کلام ضائع ہو گیا ہے - ایرانیوں نے کئی بحریں ایجاد کی ہیں - جن میں سے کچھ مقبول ہوئیں اور کچھ متروک قرار پائیں - پرانی بحروں سے نئے اوزان بھی ایران میں نکلے ہیں - یہ مسلم ہے کہ رباعی کے اوزان بحر ہزج سے مستخرج ہوتے ہیں - متفاعلن ہشت رکن (بحر کامل) نہ المعجم میں ہے نہ معیارالشعراء میں حالانکہ فارسی کی شیریں ترین اوزان میں ہے فرخی قدما میں ہے - اس کے زمانے کے بعض اوزان متوسطین یا متاخرین میں مقبول نہ ہوئے تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں -

سوال ۸ :

فضول سوال ہے - کوئی شخص آہنگ کو ماضی نہیں کہہ سکتا - برہان میں یا تو سہو جامع ہے یا غلط کاتب - **احمد** نے اس کا اعتراف کر لیا ہے اور یہ معاملہ فریقین میں مابہ النزاع نہیں (تفاصیل راست)

سوال ۹ :

بے شک **غالب** کا اعتراض صحیح ہے - **احمد** نے اس کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے - مگر **غالب** خود فحش گوئی سے محترز نہیں -

سوال ۱۰ ، ۱۱

یہ اعتراض پہلی بار درفش میں ہوئے اور فریقین میں مابہ النزاع نہیں - دونوں اعتراض صحیح ہیں - لیکن سوال ۱۱ میں جو اعتراض ہے - وہ حاشیہ برہان میں بھی ہے -

سوال ۱۲

ہندوستانی لفظ بے شک **گلہری** ہے - **احمد** بھی یہی کہتے ہیں - لیکن اس کے ساتھ ان کا یہ قول ہے کہ ، غلط کردن فارسیان در حرف لفظ ہندی از نا آشنائی زبان است صفحہ ۲۳۲۰۰۰ فارسی میں کاف عربی و فارسی بد بکثرت ایک ہی مرکز سے لکھے جاتے تھے

برہان یہ سمجھا کہ کاف عربی سے ہے ۔ یہ غلطی ایسی یہ تھی کہ اس کے متعلق سوال کیا جاتا ۔

سوال ۱۳ :

چکری کے بارے میں برہان لکھتا ہے ۔ ''بوزن متعری نوے از ریو اس ۔ ۔ ۔ ۔ وبہ ہندوستان دختر را گویند'' غالب نے اعتراض کیا تھا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ در لہجہ مغلیت ۔ ۔ ۔ ۔ چوکری سے گویند نہ چکری'' احمد نے جواب دیا ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ واونیز در بعض الفاظ ساقط ۔ ۔ ۔ مثل سوگھڑ ۔ عالی مگر وزن ہنر آوردہ ۔ ۔ ۔ نازنین شوخ ظریفے مگرے خواہد صفحہ (۲۳) ۔ غالب نے تیغ میں دعویٰ کیا ہے کہ جو علما و شعرا ایران سے آئے لہجہ ان کا ہندی نہیں ہوا ۔ املا اہل ہند کے موافق رہی صفحہ (۲۴) یہ زبردستی بات ہے لفظوں کا املا بھی بدلا ہے ۔ اردو کے ادبی استعمال سے قبل صحیح املا معلوم بھی بہ مشکل ہو سکتا ہے ۔ برہمن ہی لیجیے ہندوستان کی کس زبان میں اصلاً اس طرح تھا ؟

سوال ۱۴

'پاؤ' کے بارے میں احمد نے خالق باری کا یہ مصرع

''ہدو دست ہات و قدم پاؤ کہیے''

(قافیہ چاؤ) پیش کیا تھا ۔ (صفحہ ۲۷۱) غالب تیغ میں اسے تسلیم کیے بغیر کہ یہ امیر خسرو کا ہے ، یہ لکھتے ہیں کہ پہلے پاؤ بولتے ہوں گے ۔ شاہ جہان کے عہد میں یہ زبان نہ تھی (تیغ صفحہ ۲۱) اس عہد کی ہندوستانی زبان کے متعلق غالب کے معلومات کچھ نہ تھے ، تحقیق کے بغیر ایک بات لکھ دی ۔ پھر یہ کہ ہندوستانی لفظ میں اگر برہان نے غلطی کی اور وہ بھی بہ تتبع جہانگیری تو اس سے اس کی فارسی دانی پر حرف نہیں آ سکتا ۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں برہان کو بڑا فارسی دان تصور

کرتا ہوں ۔ میری رائے میں وہ تحقیق سے بہت کم واسطہ رکھتا ہے اور مقلدِ محض ہے ۔

سوال ۱۵

احمد کو 'پیریشد' کی صحت پر اصرار نہیں (موید صفحہ ۴۷۱) اس لیے اس کے بارے میں سوال فضول ہے ۔ **احمد** کے اس قول کا 'پریشان پریشیدن سے ماخوذ ہے' **غالب** نے کوئی جواب نہیں دیا ۔

سوال ۱۶

یہ اعتراض بھی پہلی بار **درفش** میں کیا ہے اور فریقین میں مابہ‌النزاع نہیں ۔ **شمشیر** میں **احمد** نے اس اعتراض کو صحیح مانا ہے ۔ صفحہ ۹۲ ۔

قاضی صاحب کی اس تحقیقی نقد و نظر کے بعد ہم اپنی طرف سے مختصر توضیحات سوال بہ سوال پیش کرتے ہیں :

سوال ۱ :

اصل بحث 'گرفتن' کے تلفظ کی ہے ۔ اگرچہ اس وقت ایران کے فصیح اور کثیر الاستعمال تلفظ میں 'گرفتن' کی 'ر' مکسور ہے ، لیکن بعض علاقوں میں اور معاشرے کے بعض حلقوں میں مفتوح اور مضموم بھی ہے ۔ مثال کے طور پر ایران کے زرتشتی نہ صرف اصفہان و یزد و کرمان میں بلکہ تہران میں بھی جو اس وقت فارسی زبان کی ٹکسال اور فارسی فصاحت کا مرکز ہے عام طور پر 'گرفتن' 'گرفت' اور 'گرفتہ' کی 'ر' کو مفتوح بولتے ہیں ۔ کرمان کے مقامی تلفظ میں یہ 'ر' مضموم ہے ۔ راقم کے اس سماعی تجربے کی تصدیق جمشید سروش سروشیان کی فرہنگِ بہدینان اور کوھی کرمانی کے مجموعے ترانہ ہای روستائی سے بھی ہوتی ہے ۔ اسی طرح گیلان و مازندران اور خراسان میں بھی راقم نے مقامی تلفظ میں یہ 'ر' مفتوح سنی ہے ۔ اس طرح کے علاقائی اور جماعتی تلفظ صدیوں کی

میراث ہوتے ہیں ۔ فارسی شعرا کے قوافی میں تلفظ کی یہی گوناگونی منعکس ہوئی ہے ، جسے اکثر جوازِ شاعرانہ یا عیوبِ قافیہ کا نام دے دیا جاتا ہے ۔ جو تلفظ شاعر کے ہاں جواز بن کر اُبھرتا ہے وہ در اصل معاشرے میں پہلے سے موجود ہوتا ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کی حیثیت کسی زمانے کی ٹکسال یا کثرتِ استعمال کے مقابل محدود یا مغلوب ہوتی ہے ۔ غالب کے بیان میں قابلِ اعتراض پہلو یہ ہے کہ اُنھوں نے کل کو جزو میں اور زبان کے دجلے کو اُس کے ایک قطرے میں محدود کرکے دیکھنا چاہا ہے ۔ پھر بھی اُن کی ہر بات غلط نہیں ہے ۔ خاقانی کے شعر ''خور پیشِ تو رہ پیادہ رفتہ مہ غاشیہ' تو بر گرفتہ'' میں اُن کا ذوقِ سخن صحیح فیصلہ کر رہا ہے کہ یہاں گرفتہ کی 'ر' مفتوح ہے ۔ اب بھی شروان اور ملحقہ علاقوں کے لوگوں کو فارسی بولتے سنیے تو 'گرفتن' کی 'ر' آج بھی

---

* 'لفظ آتش' بھی جو تیغِ تیز کے زیر بحث الفاظ میں سے ہے تلفظ کے لحاظ سے اسی قبیل کا لفظ ہے ۔ آج بھی ایران میں اس لفظ کی دونوں صورتیں : بتائے مفتوح اور بتائے مکسور معاشرے میں موجود ہیں ، بلکہ عامیانہ زبان میں 'آتیش' بھی ہے ۔ دراصل بات یہ ہے کہ متقدمین قوافی میں تمام طبقاتی اور علاقائی تلفظ استعمال کر لیتے تھے ، لیکن متوسطین اور متاخرین کا بنیادی رجحان اس معاملے میں انتخابی رہا ہے اور صرف ٹکسالی اور معیاری تلفظ کو جو فصحا کا عام مختار ہو مستقل طور پر اختیار کیا گیا ہے ۔ غالب اسی لیے 'آتش' کے فتحہ پر اصرار کرتے ہیں اور یہ اصرار بالکل بجا ہے ۔ آج بھی ایران میں یہی تلفظ معیاری سمجھا جاتا ہے ۔ تائے مکسور والا تلفظ علاقائی یا عامیانہ ہے جو کبھی کبھی تکلمی سطح پر نمودار ہوتا ہے ۔ دہخدا نے بھی صرف تائے مفتوح والا تلفظ ہی درج کیا ہے ۔ رہا 'آتیش' یہ بالکل عامیانہ اور دیہاتی تلفظ ہے ۔ فرہنگ نویس عام طور پر ان چیزوں کو خلط کرتے رہے ہیں ۔

مفتوح ملے گی ۔ ظاہر ہے ان علاقوں میں گرجی اور ارمنی وغیرہ کا زور و شور رہا ہے لیکن وہاں کا کوئی شخص فارسی بولے اور تہران کی پیروی نہ کرے تو تلفظ میں صدیوں کی روایت اب بھی ابھر آئے گی ۔ خاقانی بھی گرفتن کی 'ر' کو مفتوح بولتا ہو گا ۔ جب ایسا ہو تو قوافی کو کامل ہم آہنگی سے محروم کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ علم قافیہ کا جواز یہاں وجوب کیوں بنے ؟ ہم کہہ چکے ہیں کہ متقدمین کسی ایک علاقے یا جماعت کے تلفظ کی پابندی نہیں کرتے تھے ۔ البتہ یہ بات متوسطین اور متاخرین کے ہاں ملتی ہے ، چنانچہ مولوی احمد علی نے مؤید برہان کے صفحہ ۴۵۳ پر لکھا ہے ''چون عہد نظامی گنجوی رسید میدانِ شاعری از خار و خاشاکِ عیوب پاک گردید و ثقالتِ سخن برطرف شد و شعرای متوسطین و متاخرین ہمہ پیروی او کردند'' بس اتنی بات ہے کہ جس چیز کو یہاں ''خار و خاشاکِ عیوب'' اور ثقالتِ سخن'' کہا ہے اُسے صحیح زاویے سے دیکھیں تو وہ در اصل زبان کی جمہوریت ہے ، جس میں سب علاقے اور سب طبقے شریک ہوتے ہیں ، لیکن علم قافیہ کے اکثر مؤلف زبان کی وسیع صوتیات کو نظر انداز کرتے رہے ہیں ۔ اس سوال نمبر ۱ کے ضمن میں قاضی صاحب کے بیان میں جہاں مؤید کے صفحہ ۴۴۴ کا حوالہ آتا ہے وہاں سہوِ کتابت ہے ۔ متعلقہ بحث در اصل مؤید کے صفحہ ۴۵۲ سے شروع ہوتی ہے ۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ زیرِ نظر سوال کی بحثوں میں قاضی صاحب کے تحقیقی تبصرے جن کا تعلق زیرِ بحث موضوع کے مختلف پہلوؤں سے ہے بالکل درست ہیں ، البتہ جہاں قاضی صاحب نے اکابر شعراء اور فرہنگ نویسوں کی فارسی دانی کا تقابل کیا ہے وہاں موصوف کا بیان یک طرفہ سا ہے ۔

سوال ۲ :

راقم کے زمانۂ قیام میں دانشگاہِ تہران کے علمی حلقوں میں لفظ 'پیدایش' کی ساخت کے بارے میں بحث چھڑی تھی تو اساتذہ

نے مسئلہ حل کرنے کے لیے یہ رہنمائی کی تھی کہ فارسی زبان میں ایسی مثالیں بھی ہیں کہ اسم مصدر یا حاصل مصدر صفت کے آخر میں مصدری لاحقہ 'ش' لگانے سے بنا ہے - پیدا سے 'پیدایش' اسی قاعدے کے مطابق ہے -
راقم کی نظر میں 'زیبایش' بھی دراصل اسی طرح بنا ہے ، ورنہ جس قاعدے کو عام قیاس کا درجہ حاصل ہے اُس کے مطابق تو 'زیبش' ہونا چاہیے تھا یا پھر اسم فاعل سے 'زیبائی' بنتا ہے جو مستعمل ہے - بہرحال 'زیبایش' فرہنگِ نفیسی میں موجود ہے - 'پیدایش' بھی لغت نامۂ دھخدا میں فرہنگِ نفیسی کے حوالے سے درج ہوا ہے اور توریت کے فارسی ترجمے سے 'سفر پیدایش' کا حوالہ بھی دیا گیا ہے - یہ ضرور ہے کہ 'زیبایش' دھخدا نے درج نہیں کیا - 'زیبایش' کے نمونے کی ایک دوسری مثال لفظ 'گنجایش' ہے جو فارسی میں ہرسطح پر موجود اور مستعمل رہا ہے اور ہے - یہ بھی 'گنجیدن' سے عام قیاس کے مطابق نہیں بنا ورنہ 'گنجش' یا 'گنجانش' ہوتا - یہ دراصل اسم صفت 'گنجا' سے بنا ہے - غرض یہ مثالیں اسم صفت سے اسم مصدر کی ساخت کی ہیں خواہ وہ اسم صفت جامد ہو خواہ مشتق -

یہاں اگرچہ 'پیدایش' کے معنی اور استعمال کا جو فرق اردو اور فارسی میں ہے وہ زیر بحث نہیں ، لیکن پھر بھی یہ مختصر اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فارسی روز مرہ میں یہ لفظ 'ظہور' کے معنی میں مستعمل ہے جیسے 'پیدایشِ خط و خطاطان' میں جو جدید دور کی ایک تالیف کا نام ہے - فارسی میں یہ لفظ اس طرح نہیں آتا جیسے ہم ولادت کے معنی میں لاتے ہیں کہ آپ کی پیدایش کہاں کی ہے۔ فارسی میں اس موقع پر تولد یا ولادت کہینگے - ابوالفضل نے بھی آئین اکبری میں 'پیدایش' ایران کے فارسی روز مرہ کے مطابق استعمال کیا ہے ، مثلاً آئینِ پیدایشِ فلزات ، آئین پیدایشِ طعم وغیرہ -

سوال ۳ :

'راند' و 'ماند' کے ایران میں اب بھی دو تلفظ ہیں - ایک

'تندوکند' کی طرح 'رند' اور 'مند' جو دراصل ٹکلمی اسلوب میں تخفیف سے پیدا ہوا ہے اور اب عام ہوگیا ہے ۔ دوسرا وہ تلفظ جس میں الف ساقط نہیں ہوتا اور حرف اول مضموم نہیں بنتا ۔ یہ تلفظ قدیم اور ادبی ہے اور اب بھی ادبی سطح پر یا علاقائی حدود میں مستعمل ہے ۔ در اصل غالب کی نظر قاطع کی ان بحثوں میں ادبی سطح پر رہی ہے اور مولوی احمد علی تکلمی زبان عامیانہ زبان اور ادبی زبان کو خلط کرتے رہے ہیں ۔

سوال ۴ :

'چشمِ عیب ساز' میں جیسا کہ قاضی صاحب فرماتے ہیں یقیناً کوئی خاص قباحت نہیں ، لیکن غالب کی نظر یہاں فارسی کے ٹکسالی فصیح استعمال پر ہے ۔

سوال ۵ :

یہاں پھر وہی بات ہے ۔ اعتراض کا سرقہ ظاہر ہے کہہ سکتے ہیں ، لیکن غالب کا موقف یہ ہے کہ زبان کی ٹکسال میں لفظ سرقہ اس طرح استعمال نہیں ہوتا ۔ آخر لفظوں کا بھی دوسرے لفظوں کے ساتھ رشتے کے لحاظ سے ایک ماحول بن جاتا ہے جسے زبان کی روایات پیدا کرتی ہیں ۔

سوال ۶ :

قاضی صاحب نے ماخذ کی جو نشاندہی کی ہے اس سے واضح ہے کہ فرہنگ نویسوں نے شاعر کے استعمال خاص کو خواہ مخواہ عام اصطلاح یا لغت کا درجہ دے دیا اور برہان قاطع والے سے بھی یہی غلطی ہوئی ۔

سوال ۷ :

قاضی صاحب نے عرشی صاحب کے حوالے سے لکھا ہے کہ کلیاتِ فرخی (طبعِ تہران) میں یہ شعر نہیں نہ لاہوری نسخے میں

ہے ، لیکن زیرِ بحث شعر تہران کے پانچوں مطبوعہ دو نسخوں میں موجود ہے - جس قصیدے میں یہ شعر ہے اُس کا مطلع ہے :

تا دل من ز دستِ من بستدی
سربسر اے نگار دیگر شدی

اس قصیدے میں یہ شعر اکیسواں ہے اور یوں ہے :

چسمِ مخالف را بیاژن بہ تیر
چون کفِ یاران کہبہ زر آژدی

'مخالف را' کے بجائے ایک نسخہ بدل حاشیے میں 'چشمِ مخالفت' بتایا گیا ہے ، اور دوسرے مصرعے کے بجائے : 'ہمچو کف ولی بزر آژدی' جو ظاہر ہے درست نہیں - دیوان حکیم فرخی سیستانی (بجمع و تصحیح علی عبدالرسولی' طبع تہران ۱۳۱۱ھ ش) میں اس قصیدے کا عنوان ہے ''در مدح خواجہ عمید حامد بن محمد گوید'' (ص۳۹۸) اور دبیرسیاقی کے مرتبہ دیوان فرخی (طبع تہران) میں یہ قصیدہ عنوان میں محمد کے بعد المہتدی لفظ کے اضافے کے ساتھ صفحہ ۳۹۶ پر ہے - پہلے مصرعے میں عروض کے لحاظ سے وہ کیفیت ہے جسے 'سکتہ' خراسانی' کہتے ہیں اور سبک خراسانی میں فصیح سمجھا جاتا ہے - بظاہر عجیب بات ہے کہ سکتہ اور فصیح سمجھا جائے - ہمارے نزدیک اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایسے مقام پر در اصل ایرانی لہجے کے مطابق تلفظ میں صوتیاتی کشش واقع ہوتی ہے - چنانچہ اس شعر کے مصرعہ' اولٰی میں لفظ 'مخالف' کے آخری ہجا (Syllable) پر یہ کشش (Accent) آئی ہے - ایرانی لہجے میں یہ ہمیشہ ہوتی ہے لیکن عروض جس کا مزاج دراصل عربی ہے فارسی شعر میں ایسے مواقع نہیں چھوڑنا چاہتا جہاں وزن کی بنیاد اوتاد و اسباب کے علاوہ صوتی کشش پر بھی ہو - فارسی عروض کا عام قانون یہ ہے کہ ہجائی صوتی کشش اوزان کی بنیاد کے طور پر نہیں آ سکتی ، لیکن شعر کی ادائگی میں اس کا وجود ارکانِ عروضی میں مخل نہیں

ہوتا - سبکِ خراسانی کی بنیاد اُس آہنگ پر ہے جو فارسی زبان کا اصلی آہنگ ہے اس لیے یہ 'سکتہ' جو عربی عروض کے نقطہٴ نظر سے سکتہ کہلایا سبکِ خراسانی میں زیادہ ملتا ہے ، ویسے سبکِ عراق کے شعرا کے ہاں بھی مل جاتا ہے ، بلکہ ہندی کے ایرانی نژاد شعرا کے ہاں بھی کہیں کہیں آیا ہے ، چنانچہ عرفی شیرازی کے قصائد میں کئی جگہ ہے -

سوال ۸ :

یہاں قاضی صاحب نے غالب کی تائید کی ہے -

سوال ۹ :

یہاں بھی برزور تائید کی ہے -

سوال ۱۰ ، ۱۱ :

غالب کے دونوں اعتراض قاضی صاحب نے مانے ہیں -

سوال ۱۲ :

غالب نے برہان کی جو غلطی بتائی تھی اُسے قاضی صاحب نے بہر حال تسلیم کیا ہے -

سوال ۱۳ :

غالب جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ اپنی جگہ ٹھیک ہے - 'برہمن' کی قسم کی مثالیں بھی ہیں ، لیکن اول تو وہ شاذ کے حکم میں ہیں دوسرے وہ اس طرح کی املائی تبدیلی کا نمونہ نہیں ہیں جس طرح کی مثالوں پر غالب کو اعتراض ہے -

سوال ۱۴ :

قاضی صاحب نے یہاں برہان کی کمزوریاں مختصر مگر ٹھوس الفاظ میں واضح کی ہیں -

یہ غالب کی تائید ہوئی ۔

سوال ۱۵ :

غالب کا اعتراض ،پیریشد، پر تھا ۔

جب **مولوی احمد علی** نے اس کی تردید نہیں کی تو غالب نے مزید بحث ضروری نہیں سمجھی ۔

سوال ۱۶ :

قاضی صاحب کے تبصرے کی روشنی میں **غالب** کا اعتراض صحیح رہا ہے ۔

اس سلسلے میں **قاضی صاحب** کے بعض اعتراضات جو شروع میں آئے ہیں وہ ایسی چیزوں پر ہیں جن کا تعلق دراصل **غالب** کے ظریفانہ اسلوب سے ہے ۔ ہم ان چیزوں کو چھوڑتے ہیں ۔

مصد

تیغ تیز کے ضمیمے میں جو استفتا ہے اُس میں ہر سوال کے آخر میں 'مصد' (مصنف کا اختصار) درج ہے یعنی ہر سوال خود **غالب** کی طرف سے ہے ۔ ہمارے زیر نظر متن میں م ۔ ض ایک پرانی دستی نقل کی بنیاد پر غلط درج ہو گیا ہے اور متعلقہ حاشیہ بھی اسی ذیل میں ہے ۔

محرق

منشی سعادت علی کی کتاب **محرق قاطع برہان** کے نام میں پہلا لفظ بابِ افعال سے بروزن مفعل اسمِ فاعل ہے ۔ بابِ تفعیل سے نہیں ہے ۔ ہمارے متن میں 'ر' پر تشدید غلط چھپ گئی ہے ۔

افاداتِ غالب

صدیوں سے لسانیات کو جس میں علم اللغہ ، فقہ اللغہ اور علم المعاجم والقوامیس شامل ہیں ہماری تہذیبی تاریخ میں نمایاں اہمیت حاصل رہی ہے اور علماء کی یہ کوشش رہی ہے کہ ان زبانوں میں جنکی اسلامی تہذیب کی تشکیل اور ترجمانی میں بنیادی حیثیت ہے الفاظ اور معانی کے باہمی رشتوں کو خلط و ابہام سے پاک رکھا جائے تا کہ ادراک و شعور اور اظہار و ابلاغ میں عدل و اعتدال قائم رہے ۔ ان تقریبی الفاظ کے ساتھ مرتّب بصد عقیدت و احترام

جناب پروفیسر علّامہ **علاءالدین صدیقی** صاحب دام اقبالہ ،

ستارۂ امتیاز ، وائس چانسلر ، پنجاب یونیورسٹی کی خدمت میں سپاسگزار ہے کہ اس مجموعے کا نام **'افاداتِ غالب'** موصوف نے تجویز فرمایا اور تعلیقات لکھنے کے لیے ہمت افزائی کی ۔

آخر میں مجھے جناب ڈاکٹر ناظر حسن صاحب زیدی ، ڈاکٹر میاں بشیر حسین صاحب ، جناب کسریٰ منہاس ، اقبال صلاح الدین صاحب ایم ۔ اے اور مسعود الحسن صاحب منہاس کا جنھوں نے مجھے پروفوں کی تصحیح کے مراحلِ اول میں بیحد مدد دی ہے اپنی طرف سے دلی شکریہ ان سطور میں محفوظ کرنا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ

لاہور ۲۰ اگست ۱۹۶۹ء — وزیرالحسن عابدی

لطائفِ غیبی

سیاحِ بحرو بر ہیچمدانِ بے ہنر سیف الحق میاں داد خاں حق‌شناسوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ میں رہنے والا اورنگ آباد دکن کا ہوں ۔ میں نے بعدِ تحصیلِ علومِ رسمیہ سیاحت اختیار کرکے بنگالہ ، دکن ، پنجاب ، وسطِ ہند ، بلاد و قرا کے کہاں تک نام لوں ، قلم روِ ہند میں سرتا سر پھرا ہوں ، بلکہ سند و کابل و کشمیر و قندہار بھی دیکھ آیا ہوں ۔

ان دنوں میں دو رسالے نثر کے میری نظر سے گزرے ایک قاطعِ برہان اور ایک محرّقِ قاطعِ برہان ، پہلا(۱) نسخہ یعنی قاطعِ برہان کا مولف ایک شخص ہے، معزّز اور مکرّم، والا رتبہ، عالیشان ، عالی خاندان ، انگریزی رئیس زادوں میں محسوب ، بادشاہِ دہلی کے حضور سے مخاطَب بہ نجم الدولہ دبیرالملک نظامِ جنگ یعنی غالب تخلّص اسداللہ خاں بہادر ، اور محرّق کا جامع کوئی شخص ہے ، رعایاے دہلی میں سے کہ کبھی کسی زمانے میں کسی محکمۂ انگریزی کا سر رشتہ دار ہو گیا تھا اور

---

۱ ـ کذا فی الاصل ، ظاہر ہے کہ پہلے نسخے ہونا چاہیے تھا ـ

اب خانہ نشین ہے ، موسوم بہ منشی سعادت علی*۔ نہ نثر سے واقف نہ نظم سے آگاہ ، نہ عقل کا سرمایہ ، نہ علم کی دست گاہ ، کسی بستی میں کسی گاؤں میں کسی گھاٹ پر کسی باٹ پر اس بزرگ کا نام کسی سے نہیں سنا ۔ اللہ اللہ ! غالب نام آور نامدار ۔ کوئی شہر ایسا نہ دیکھا جس میں ان کے دو چار شاگرد ، دس بیس معتقد نہ دیکھے ہوں ۔ ایک عالم ان کی فارسی دانی اور شیوہ بیانی کا معترف ، نظم میں ظہوری و نظیری و عرفی کے برابر، نثر میں نثارانِ سابق و حال سے بہتر ۔ کلیاتِ نظم نسخۂ سحر سامری ، نثر میں پنج آہنگ سلکِ درِ خوش آب دستنبو گوہرِ نایاب ، مہرِ نیم روز غیرتِ آفتاب ، ہر نکتہ ایک کتاب ، ہر کتاب ممتنع الجواب ، جو بلاغت اور فصاحت کو جانتے ہیں اور معنی کا حسن پہچانتے ہیں ، متّفق علیہ ان کا یہی عقیدہ ہے ۔ اگر ایک آدمی کا عوام میں سے یہ عقیدہ نہ ہو تو وہ آدمی بے شک ایک گروہ کا مردود ہوگا ۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

محرق کی عبارت ، واہ کیا کہنا ہے ! مبتدا کچھ خبر کچھ ، روابط نامربوط ، ضمایر محذوف ۔

اول سے آخر تک سوال دیگر جواب دیگر کا التزام ۔ عبارت یک قلم حشو اور حشو بھی قبیح ۔ با این ہمہ وہ رسالہ سراسر بغض و عناد و سوء ظن و حمق و خبط و سبّ و فحش

کا مجموعہ ہے ۔ آیا خاطرِ میمونِ منشی صاحب میں کیا آیا جو اس رسالے کی تحریر کا قصد فرمایا ؟ کتاب نخوی گیر ، عبارت نخوی گیر کی بھرتی ۔ جو اشعار بچشمداشتِ سند لکھے ہیں ، وہ زیر تنگ زبر تنگ ، سوار نابینا ، مرکب کہنہ لنگ ، کتاب گدڑی ۔ ہر فقرہ ٹکڑا ، ہر ٹکڑے کا نیا رنگ ۔ کیا منشی جی نے یہ قیاس کیا ہے کہ تمام ہندوستان میں کوئی عالم کوئی عاقل کوئی منصف نہیں ہے ۔ اللہ اللہ ! ہندوستان مجمعِ فضل و کمال ہے منشی جی کے حمق کا پردہ کھل جائے گا ، بلکہ مولانا غالب کا ایک شاگرد منشی جی کا خاکا اڑائے گا ۔ مجھکو تو حمیت اور رعایتِ حق اس تحریر کی باعث ہوئی ، تاکہ(۱) میں نے بیس لطائف جمع کئے اور اس نگارش کا "لطائف غیبی" نام رکھا ۔

درپسِ آینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت ، بگو، میگویم

---

۱ ۔ کذا فی الاصل ۔ 'تاکہ' کے بجائے ظاہر ہے ، صرف 'کہ' ہونا چاہیے تھا یا پھر 'تا آنکہ' ہوتا ۔

لطائفِ غیبی

۱

ضارب سیفِ قاطع کا ایک فقرہ ہے ''در چہاردہ سالگی از آموزگار پرورش یافتم'' صاحبِ تپِ محرق اس فقرے کو دست آویزِ استہزا سمجھ کر بار بار لکھتے ہیں اور کھلّی کرتے ہیں اور جگت بولتے ہیں ۔ ظاہرا منشی جی بطنِ مادر سے پڑھے لکھے روبکاریاں لکھتے ہوئے نکلے ہیں ۔ سیف الحق ، سن یہ بات نہیں ہے ۔ جانے گا تو اگر سمجھنے والا ہے ۔ یہاں کچھ دال میں کالا ہے ۔ منشی جی اپنے نزدیک بہت دور ہیں ، لیکن اقتضای ''المرء یقیس علی نفسہ'' سے مجبور ہیں ۔ جس طرح منشی جی پر استاد سے فتحِ باب[۱] ہوا ہے ، جانتے ہیں ، کہ ہر شاگرد اپنے استاد سے اسی طرح فیض یاب ہوا ہے اور سنیے خانِ غالب اپنی طبع کے وصف میں لکھتے ہیں ''غلط مپسند جز براستی مپیوند ۔'' منشی جی نے بسبیلِ طنز اس جملۂ مرکبہ کو اپنا تکیہ کلام ٹھہرایا ہے ۔ لکھتے ہیں اور ہنسی کے مارے لوٹے جاتے ہیں ۔ یا رب اس ترکیب پر کون ہنسے گا ، مگر وہ کہ

---

۱ ۔ اصل : فتح یاب

پیٹ بھر کر احمق ہوگا۔ اس لطیفے میں یہ بھی لکھ دینا مناسب ہے کہ منشی جی نجم الدولہ مرزا اسداللہ خان بہادر کا آدھا نام لکھتے ہیں ، یعنی مرزا اسداللہ غالب ۔ ہائے فردوسیِ طوسی اس مقام پر کیا خوب لکھتا ہے !

چو اندر تبارش بزرگی نبود
نیارست نامِ بزرگان شنود

جس شخص کا بادشاہی دفتر میں اسداللہ خان نام لکھا گیا ہو اور نواب گورنر جنرل بہادر کے محکمۂ محتشمہ سے 'خان صاحب بسیار مہربانِ دوستان مرزا اسد اللہ خان' لکھا جاتا ہو ۔ اگر ایک شخص گمنام ، رعایا میں سے ، اس کا نام بگاڑ کر لکھے تو اس نامور کا کیا بگڑا ، مگر لکھنے والے کا حمق مع البغض ثابت ہو گیا ۔

اس سے زیادہ گرم ایک فقرہ اور سنیے ۔ منشی جی قاطع کی عبارت کو برا بتاتے ہیں اور پھر کہیں کہیں اسی انداز کے ایک دو جملے لاتے ہیں ۔ فقرہ پورا کب لکھ سکتے ہیں ، دو چار لفظ جمع کئے اور ٹھیک نکل گئی ، جیسے پڑھ تو تا دن بھر میں کبھی "حق اللہ پاک ذات اللہ" بول اٹھتا ہے اور باقی تمام دن ٹین ٹین کیا کرتا ہے ۔ مانا کہ قاطعِ برہان کے جواب لکھنے سے منشی جی کی مراد یہ تھی کہ کنجِ خمول

سے باہر آئیں اور ایک صاحبِ نام و نشان کے مقابل ہوکر خود بھی نام پائیں ۔ یہ نہ سمجھیے کہ مشہور نہ ہوں گے، مگر اشتہاری ہو جائیں گے ۔ عزت نہ ملے گی ، موردِ صد گونہ خواری ہوجائیں گے ۔ مولویِ روم "علیہ الرحمہ"، جو بڑا صاحب کمال ہے، یہ شعر اس کا جناب منشی صاحب کے حسب حال ہے ۔

چون خدا خواہد کہ پردۂ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکان برد

اہلِ نظر قاطع و محرّق کو جب باہم دیکھیں گے تو قاطع کی عبارتیں موتی کی لڑیاں نظر آئیں گی اور محرّق کی نثرین ماش کی بڑیاں نظر آئیں گی ۔ ہمارے منشی صاحب از روئے علم و فن منشی نہیں ہیں ، از روے پیشہ و حرفت منشی ہیں ، جیسے منشی بھیرون ناتھ اور منشی گینڈامل ۔

۲

اے صاحبانِ فہم و انصاف عبارتِ محرّقِ قاطعِ برہان کو دیکھا چاہیے۔ خلطِ مبحث، اطنابِ ممل، سوءِ ترکیب، تباہیِ روزمرہ، غلطیِ فہم، اس سے مجھے کچھ کام نہیں۔ بھلا عامیانِ معوج الذہن کی نثر اور کیسی ہوگی۔ خالصاً للہ یہ بتاؤ کہ یہ مناظرہ ہے یا پھکڑ؟ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہیجڑا تالیاں بجا کر گالیاں دیتا ہے، یا ایک سڑی کو کسی نے چھیڑ دیا ہے۔ وہ فحش بک رہا ہے۔ ایک شخص عالی خاندان، نامور، باوجودِ صفتِ امارت صاحب کمال، یگانۂ روزگار، اہلِ ہندوستان کا مطاع، مسائلِ منطقِ فارسی کا مفتی، باایں ہمہ مرنج و مرنجاں، گوشہ نشین، آزاد و وارستہ، فروتنی اس کا شیوہ۔ مروت اس کا پیشہ، طرزِ بیان میں ایک عالم اس کا معتقد، حسنِ خلق میں ایک جہان اس کا مداح، بادشاہ کا مصاحب، حکام کا معزز متوسّل، ان صفات کا جامع اور پھر معمّر، ۷۰ برس کا آدمی، یعنی اسداللہ خان غالب طال بقاؤہ و زاد علاؤہ۔ ایسے شخص کی نسبت نا سزا کہنا منافیِ شانِ علم و ادب بلکہ خلافِ آئینِ آدمیت ہے۔

منشی سعادت علی نے قطعِ نظر اور حالات و کمالات سے کبرسن کا بھی پاس نہ کیا ۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔ ع

کہ حق شرم دارد ز موی سفید

جس سے خالق کو شرم آئے ، مخلوق اس سے نہ شرمائے ۔ مابہ النزاع یہ ہے کہ حضرتِ غالب نے برہانِ قاطع کی اغلاط پر اعتراضات لکھے ہیں ۔ کہیں کہیں از راہِ شوخیِ طبعِ ظریفانہ بہ طریقِ بذلہ رقم سنج ہوئے ہیں ۔ منشی جی نے حضرت غالب کی شان میں سفیہانہ وہ کلماتِ نا سزا لکھے ہیں کہ ایسے کلمات کوئی شریف النفس بہ نسبت کسی آدمی کے نہ لکھے گا ۔ محمد حسین دکنی کے انتقام لینے کا بہانہ مسموع و مقبول نہیں ۔ وہ دکنی منشی جی کا کون تھا جو ان کو اس کی مذمت سن کر ایسا غصہ آ گیا کہ چہرہ گرمی سے لال ہو گیا ۔ بدن سے پسینہ بہنے لگا ۔ منہ میں جھاگ آ گئے ۔ آنکھیں بند کر لیں ۔ گالیاں بکنے لگے ۔ مزا ایک اور ہے کہ منشی جی بذاتِ خود سنّی ہیں اور حقیقی بھائی ان کے شیعیِ سنّی ہیں ۔ محرّم میں بھس اڑاتے پھرتے ہیں ۔ حاضریاں کھاتے پھرتے ہیں ۔ اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں اور منشی جی کے ساتھ ایک گھر میں رہتے ہیں ۔ ان پر منشی جی کو کبھی غصہ نہ آیا ۔ خلفائے راشدین کی مذمت سے منع نہ فرمایا ۔ اس باب میں کوئی عذر لائیں ۔ اس کی وجہ بیان فرمائیں ۔ بلسہی تو یہی ہے

کہ منشی جی کو دکنی کا پاس اپنے بزرگانِ دین سے زیادہ ہے ۔ ظاہرا اس سے باطنی استفادہ ہے ۔ گاہ گاہ خواب میں آیا کرتا ہوگا اور منشی جی کو رگڑے جھگڑے بتا جایا کرتا ہوگا ۔ ان کو فارسی دان کیا ہے ۔ علم کا نلوا اتار دیا ہے ، یا یوں ہے کہ جامعِ برہانِ قاطع مرکر بھوت بن گیا ہے اور صاحبِ آپ محرّق یعنی مؤلفِ محرّقِ قاطعِ برہان پر چڑھا ہے ۔ بھلا صاحب جب دکنی طالب اور منشی جی مطلوب ، وہ محب اور یہ محبوب ہیں ، تو چاہیے کہ ازروئے کرشمہ جوتی پیزار گالی گلوت سے اس کو رجھائیں ۔ اوروں نے کیا گناہ کیا ہے کہ ان کو بھوگ سنائیں ۔ منشی جی کو میں نے دیکھا نہیں جو کہوں کہ گورے ہیں یا کالے ہیں ۔ ان کی تحریر سے اس قدر پایا جاتا ہے کہ سیدھے سادے بھولے بالے ہیں ۔

---

۱ ۔ کذا ، بجائے 'گلوچ' یا 'گلوج'

۳

آبچین کی بحث میں منشی جی نے نہ قینچی سے بلکہ گلگیر سے گل کترے ہیں ۔ چوتھے صفحے سے نویں صفحے تک پانچ صفحے سراسر سیاہ کیے ہیں ۔ ان کی عبارت کو نقل کرنا اپنے کو بہ تکلف پاگل بنانا ہے ۔ صفحوں کے اشارے کو مکتفی جانتا ہوں ۔ بحسبِ ضرورت کوئی فقرہ لکھ بھی دوں گا ۔ ضاربِ سیفِ قاطع یعنی نواب اسد اللہ خاں غالب کی عبارت یہ ہے ۔ "قیدِ خشک کردنِ بدنِ مردہ بیجا ۔ این مغالطہ نہ تنہا این بیچارہ را افتادہ ، دیگرانرا نیز روی دادہ است ۔" مصرعِ فردوسی :

ندارم بمرگ آبچین و کفن

مفیدِ معنیِ حصر نیست ، چنانکہ 'چادر' کہ آن نیز جزوے از اجزایِ کفن است و افادۂ معنیِ انحصار ندارد ۔ آبچین اسم جامہ ایست کہ پس از شستنِ دست ورو بدان جامہ نم از دست و رو چینند و در عرف آنرا رومال گویند" منشی جی چوتھے صفحے کی ۱۷ سطر میں لکھتے ہیں کہ اوہو جی 'اوہوجی' غالب نے آبچین خاص اس کپڑے کو ٹھہرایا جس سے آدمی ہاتھ منہہ پونچھتا ہے ۔

سیف الحق پوچھتا ہے کہ مولانا غالب کی عبارت سے تخصیص کہاں پیدا ہوتی ہے - یہاں مردے کے بدن پونچھنے کو مقدر چھوڑ جانا کمالِ بلاغت ہے ، کس واسطے کہ جامعِ برہانِ قاطع اس خصوصیت کا مدعی ہے اور مولانا خصوصیت کو مٹاتے ہیں ، جیسا کہ فرماتے ہیں ''قیدِ خشک کردنِ بدنِ مردہ بیجا'' قید کے نافی ہیں اور نفی سے ثابت ہوا کہ مردے کے بدن پونچھنے کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور زندہ کے بھی ہات منہ پونچھنے کو جائز رکھتے ہیں -

آگے بڑھ کر منشی جی پانچویں صفحے کی ساتویں اور آٹھویں سطر میں اپنے سوء ظن کا جال دکھلاتے ہیں ، جہاں رقم فرماتے ہیں -

''این نگارندہ گاہے بس غسل نم بدن از رومال نچیدہ و نہ کس با برگ و نوارا شنیدہ کہ پس غسل نم بدن از رو مال چیدہ باشد''۔

فقیر سیاح کہتا ہے کہ یہ تو امیر خسرو کی انملی ہوئی - 'چیل بسولا لے گئی تو کاہے سے پھٹکوں راب' - نہا کر رومال سے کون پونچھتا ہے اور کون کہتا ہے - غسل اور حمام کا نہ برہان میں نام نہ قاطع میں ذکر - منشی جی کہیں سے فرہنگ رشیدی اٹھا لائے ہیں اور حمام و استحمام و چادر و مادر کو دکھلا رہے ہیں - ہم اس کو کب مانتے ہیں - رشیدی کے ادعا

کو لغو جانتے ہیں ۔ نہا کر بدن پونچھنے کے کپڑے کو 'لنگ' یا 'چادر' کہتے ہیں ۔ یہ ہندیوں میں اور عجمیوں میں مشترک ہے اور 'کھیس[۱]'، اور 'الگوچھا' خاص اہلِ ہند کی بولی ہے ۔ ان کپڑوں کو آبچین کہنا جھک ہے ۔ آبچین اور 'رومال' دونوں کا مسمیٰ ایک ہے ۔ چاہو اپنا منہ پونچھو ، چاہو مردے کا بدن ، آبچین فارسیِ قدیم ، 'رومال' مستحدث ۔ ہاں اگر مردے کے بدن پونچھنے کے کپڑے کو صرف آبچین کہتے اور 'رومال' نہ کہتے تو منشی جی کا قول معقول تھا لیس فلیس ، اور یہ جو منشی جی اچھلتے کودتے ہیں کہ غالب فردوسی کو مسلم الثبوت نہیں جانتا اور اس کے کلام کو نہیں مانتا ۔ اہل علم و ہوش سمجھ لیں گے کہ ''مصرع فردوسی مفید معنی حصر نیست'' عبارت ہرگز فردوسی کے انکار کے معنی نہیں دیتی ۔ ماقبلِ مصرعِ مذکور یہ فقرہ کہ ''این مغلطہ تنہا نہ این بیچارہ را افتادہ ، دیگرانرا نیز روی دادہ است'' اس فقرے میں 'این بیچارہ' کا مشار الیہ محمد حسین دکنی ہے اور 'دیگران' سے اور فرہنگ‌نویس مراد ہیں ۔

فردوسی شاعر تھا ، فرہنگ نویس نہ تھا ۔ مولا [نا] غالب تخطئہ کرتے ہیں فرہنگ لکھنے والوں کے قیاس کا اور منشی جی اس کو فردوسی کا تخطئہ گمان کرتے ہیں ۔ فقیر سیاح کے ایک بات یہاں خیال میں آئی ہے کہ محمد حسین دکنی فردوسی کے شعر

۱ ۔ اصل : 'کھیں'

کو نہ سمجھا اور منشی جی خانِ غالب کی نثر کے معنی الٹے سمجھے ۔ غلط فہمی کی صفت بین الصاحبین مشترک ہوئی اور یہ بات ثابت ہے کہ دکنی استاد اور منشی شاگرد ہے اور یہ بھی متفق علیہ جمہور ہے کہ شاگرد بیٹے کی جگہ اور استاد باپ کی جگہ ہوتا ہے ۔ پس اب چاہیے کہ اس مقام پر ہم الولد سرّ لابیہ کہیں ، اور منشی جی خوش ہوکر ہم کو سلام کریں اور لاریب فیہ کہیں ۔ ایک راویِ ثقہ ناقل تھا کہ کسی شخص نے نجم الدولہ بہادر سے پوچھا کہ کیا تم فردوسی کے کلام کے منکر ہو ؟ نواب صاحب نے ہنس کر کہا کہ میرے نزدیک فنِ سخن میں فردوسی کا کلام ایسا ہے ، جیسا امورِ دینی میں آیت و حدیث کا ۔ جو فارسی شعر کہے یا نثر فارسی لکھے اور فردوسی کو سند نہ جانے اس کا حال و مآل بعینہ وہ ہے جو منکرِ آیت و حدیث کا حال و مآل ہو ۔ دیکھو منشی جی! لعنۃ اللہ علی الکافرین اور لعنۃ اللہ علی الکاذبین کا تازیانہ فردوسی کے منکروں کی اور غالب پرتہمت رکھنے والوں کی کیسی برابر کھال اڑا رہا ہے ۔

او سیف الحق سیاح تو کیا کہہ رہا ہے ۔ منشی جی کو کلام الٰہی سے کیا علاقہ ۔ وہ جانیں اور مسیلمہ[۱] کذاب یعنی محمد حسین دکنی جامعِ برہانِ قاطع ۔ قصہ مختصر منشی جی بعد از ہزار گو نہ ہذیان کہتے ہیں ”اطلاق آہن بر پارچہ“ نم چیننده

---

۱ ۔ اصل : ’مسلمہ‘

از بدنِ مردہ مانعِ اطلاقِ آبچین برپارچہٗ نم چیننده از بدنِ زندہ نیست"۔

یا رب ، اس فقیر طالبِ علم کی داد ملے ۔ یہ فقرہ حضرتِ غالب کے کلام کا سراسر مؤید اور جامعِ برہان کے ادعا کا مبطل ہے یا نہیں، بلکہ خود منشی جی کے قول کا مکذب ہے ۔ اوپر لکھ آئے ہیں کہ نہا کر کوئی رومال سے بدن نہیں پونچھتا اور یہاں نیچے آ کر' آبچین ، اور 'رومال' کے معترف ہوئے ہیں ، بہ پارچہٗ نم چیننده از بدنِ زندہ ، پھر اس فقرے کے انجام میں لکھتے ہیں ۔ پس "حالِ آبچین مانندِ لغاتِ مشترکہ و اضداد گشت" یارو منشی جی تو ایک جانانہٗ سراپا ناز ہیں ۔ میں ان کی غنج و دلال کے قربان جاؤں کوئی ان کو سمجھا دو کہ یہاں تخصیص مثلی ہے ۔ لغت مسخ ہو کر منجملہٗ اضداد نہیں بن گیا ۔ ہاں آبچین جس طرح ہاتھ منہ کو خشک کرتا ہے ، اگر ہات منہ کے بھگونے کا بھی آلہ ہوتا تو لغت اضداد میں سے ٹھرتا وإلا" فلا ۔ اس چوتھے صفحے کے حاشیے پر منشی جی نے لکھا ہے ۔ "معرف و پیشگو آنست کہ در مجلس کسے را بشناساید ۔" یا رب 'بشناساید' بہ تحتانی لغت کہاں کا ہے ۔ ظاہرا دکن کا لغت ہے ، اور لقالِ دکنی سے سینہ بسینہ و شکم بشکم منشی جی کو پہنچا ہے ۔ فعلِ لازمی کے متعدی بنانے کا دستور یہ ہے کہ مضارع میں سے مصدر بنا کر اس میں الف و نون بڑھاتے ہیں

جیسے 'گردد' جو'گشتن' کا مضارع ہے اس میں سے 'گردیدن' اور 'گردیدن' سے 'گرداندن' بناتے ہیں اسی طرح 'شناختن' کا مضارع 'شناسد' مصدرِ مضارع مفروض 'شناسیدن' متعدیِ 'شناساندن' اس کا مضارع 'شناساند' نون کی جگہ تحتانی لکھنی حماقتِ محض ہے۔

۴

'فراز' صیغہ امر کا ہے؛ 'فرازد' مضارع، 'فراختن' مصدر۔ موافق قاعدۂ کلیہ کے جب کوئی اسم اس کے ما قبل آئے تو فاعل کے معنی دیتا ہے، جیسے 'سرفراز' و 'گردن فراز'، بمعنی مصدری بھی مستعمل ہے جیسے 'نشیب و فراز'۔ یہی 'فراز' 'علیٰ' کا ترجمہ ہے۔ 'فرازِ فلک' یعنی 'بالای فلک' اور 'فرا' اس کا مخفف ہے۔ در صورت تخفیف 'بلند' و 'بلندی' کے معنی متروک ہو جاتے ہیں۔ 'علیٰ' کے معنی جس کا ترجمہ فارسی میں 'بر' اور ہندی میں 'اوپر' ہے، بحال و برقرار رہتے ہیں اور واسطے افادۂ حسنِ کلام کے زائد بھی آتا ہے۔ بعد اس تفصیل و توضیح کے مقصودِ اصلی میں کلام کیا جاتا ہے در کھولنے کو فارسی میں 'در کشادن' و 'در باز کردن' کہتے ہیں اور دروازہ بند کرنے کو 'در بستن' و 'در فراز کردن' کہتے ہیں۔ یہ لغت اضداد میں سے نہیں، اگر اضداد میں سے ہوتا تو جہاں 'در' کے ساتھ 'فراز' کا لفظ لکھا پاتے، پڑھنے والے قرینہ ڈھونڈتے پھرتے کہ آیا دروازہ کھلا ہے یا بند۔

قصہ کوتاہ، برہانِ قاطع نے فراز کو اضداد میں سے لکھا

ہے اور ضاربِ سیف قاطع نے اس کلام کو رد کیا ہے ۔ صاحبِ تپِ محرق ہتیار پکڑ کر میدان میں آیا ہے ، اور پانچ شعر ڈھونڈ کر لایا ہے اور ان اشعار کی رو سے ثابت کیا چاہتا ہے کہ 'در فراز کنید ، کواڑ کھول دو اور دروازہ بند کرلو ، دونوں معنی دیتا ہے ۔ وہ پانچ شعر پہلے لکھ لوں، پھر اس باب میں کلام کروں ۔ سعدی علیہ الرحمتہ :

بروی خود درِ طمّاع باز نتوان کرد
چو باز شد، بدرشتی فراز نتوان کرد

حافظ علیہ الرحمہ :

صنعت مکن کہ ہر کہ محبت نہ راست باخت
عشقش بروی دل درِ معنی فراز کرد

کمالِ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ :

جہان پناہا از یمنِ دولتت امروز
دہانِ فتنہ فرازاست وچشمِ عافیہ باز

ان شعروں میں تو منشی جی 'فراز' کو بمعنی 'کشادن' نہیں کہہ سکتے ۔ رہا چوتھا شعر، یہ بھی کسی استاد کا ہے ۔ اگرچہ منشی جی نے پیش مصرع کے حشو میں 'ارچہ کہ افگندہ ایم' ٹھونس دیا ہے ، لیکن ہم صحیح لکھتے ہیں :

چو مطرح ارچہ سرافگندہ ایم و بے سپریم
بہ پشتیِ تو چو مسند شویم سینہ فراز

سبحان اللہ منشی سعادت علی گویا شعر کے قائل ہیں کہ مصرع کے دھڑ سے صاف سر اڑا دیا ۔ قصہ مختصر اس شعر میں مفتوح اور مسدود سے کچھ بحث نہیں ۔ 'فراز' بہ معنی 'بلند' ہے اور بلندی مسند کی صفت ہو سکتی ہے نہ کشادگی ۔ مسندِ عالی مسموع ہے نہ مسندِ مفتوح و کشادہ ۔ یہ چار شعر خانِ غالب کے کلام کے مؤید اور محمد حسین اور منشی جی کے قول کے مبطل و مکذّب ہیں ۔ اگر منشی جی کو یہ سمجھ ہوتی ، تو یہ چار شعر کبھی نہ لکھتے ۔ جھگڑا سارا حافظ کے اس شعر پر ہے :

حضورِ مجلسِ انس است و دوستان جمعند
'وان یکاد' بخوانید و در فراز کنید

ظاہرا صاحبِ تپِ محرق نے یہ بحث بحران کے دن لکھی ہے کہ بے تکلف و بے مبالغہ سراسر ہذیان ہے ۔ منشی جی خود نہ سمجھے ہوں گے کہ میں کیا بک رہا ہوں ۔ آیات و احادیث عبارت میں درج کئے ہیں ۔ حال آنکہ اُن کے اندراج کا نہ موقع نہ محل نہ فائدہ ، معھذا عبارت بھونڈی روزمرۂ فارسی نصیبِ اعدا ، روابط ایسے مفقود جیسے گدھے کے سر پر سینگ ۔ ایک فقرے کا مفہوم دوسرے فقرے کا نقیض ۔ نقلِ کفر کفر

نباشد ، ناچار اُس نابکار عبارت میں سے دو چار فقرے لکھنے پڑے ۔ ایک جگہ آپ لکھتے ہیں ۔ ''احباب ِ مجلس ِ انس کہ بیک حال وقال و شنیدن ِ سماع و سرور ِ خور و نوش ِ شراب و کباب مست'' عبارت کی خوبی وجدا نی ہے ۔ اہل ِ بصیرت بادی النظر میں معلوم کر لیں گے ۔ سیف الحق کی مراد یہ ہے کہ منشی جی مجلس ِ انس کو بزم ِ شراب مان گئے ہیں ۔ آگے بڑھ کر لکھتے ہیں کہ 'درباز کردن' این نکتہ ایست کہ تا کسے بمشاہدۂ حال ِ مجلس نمی پردازد شریک و شامل ِ افعال و اقوال ِ آن مجلس نمی گردد'' ایہا الناظرین المتبصرین سابق کے فقرے سے اس فقرے کو ربط دے کر دیکھو کہ یہ پیر ِ نابالغ یعنی منشی ِ انشا نا آشنا صریح ترغیب ِ فسق و فجور کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے ''بھمین اسباب علماء مشائخ از آمدن ِ بیگانہ در محفل ِ وعظ و حال منع نمی فرمایند کہ تا اکنون مردمان از شنیدن و دیدن بحلقۂ شریعت وطریقت می درآیند ۔ پس اگر از اغیار ہم بعد ِ در باز کردن حال ِ اہل ِ مجلس مشاہدہ کند و بسوی بزم گراید و ادراک ِ کیفیت کردہ شامل ِ حال و قال ِ اہل ِ مجلس گردد عین ِ مراد ِ پیر ِ جہاندیدہ است'' سیاح ِ منصف کو یہاں ایک شعر ِ عامیانہ یاد آیا ہے ۔ منشی جی کی خرافات ، عبارت کی لغویت ، مطالب کی موہومیت دیکھ کر وہ شعر لکھتا ہوں :

عارض کا چمکنا کہوں یا زلف کا چھٹنا
مسی کی اوداہٹ کہوں یا پان کی سرخی

مجلسِ انس آگے بزمِ شراب ٹھہر چکی ہے۔ اب مجلسِ حال و قال قرار پائی۔ اس کو کون مانے گا اور ان دونوں مجلسوں کو ایک کون جانے گا۔ مجلسِ انس گویا یہاں ستی کی کاغذی ٹوپی ہے کہ بارہ ٹوپیوں کی ہئیت اس سے پیدا ہو جائے۔ یہ بندۂ خدا اتنا بھی تو نہیں جانتا کہ مجلسِ وعظ کی اور صورت ہے اور مجلسِ حال کی اور حالت ہے۔ اہلِ خرد سمجھیں گے کہ منشی جی کس بات پر الجھے ہیں۔ آخر 'فراز' کو اضداد میں سے جانتے اور 'فراز کردن' کوذومعنین مانتے ہیں۔ پھر اتنا کیوں نہیں پہچانتے ہیں کہ جس گھر میں فسق و فجور کی مجلس ہو اس کا دروازہ بند کرلیتے ہیں یا کھلا رہنے دیتے ہیں؟ قرینہ کیا چاہتا ہے اور اقتضائے مقام کیا ہے؟ یہاں ایک اور دقیقہ ہے منشی جی تو خاک سمجھیں گے۔ میں ضیافتِ اہل علم و عقل کے واسطے تقریر کو بڑھاتا ہوں 'در فراز کنید' دروازہ کھول دو کے معنی جب دے گا کہ پہلے سے دروازہ بند ہو گا۔ پس اگر دروازہ بند تھا، تو دوست کدھر سے آ گئے کہ بعد ان کے اجتماع کے افتتاحِ باب کا حکم صادر ہوتا ہے۔ بارے اس شعر میں بھی بہ قرائن و دلائل 'در فراز کنید' کے معنی یہی ثابت ہوئے کہ دروازہ بند کر دو۔ اے سیف الحق سیاح اب تیری

خامہ فرسائی کی کچھ حاجت نہیں ۔ منشی جی عالم تصور میں بزمِ شراب کو دیکھ آئے ۔ جیسا کہ فرماتے ہیں ۔ "مجلسِ انس و بزم احباب و حرکاتِ دوستانِ بے تکلف را خاصہ در بزمِ شراب چنان در ضمیر نقش بستم کہ گویا مجلسِ انس را پیشِ نظر داشتم" دوستانِ بے تکلف کی حرکات بزمِ شراب میں سب جانتے ہیں کہ کیا ہیں۔ فحش لات مکّے، جوتی پیزار، بھلا صاحب بڑی بات ہوئی کہ منشی جی گالی گاوت(۱) سن آئے ۔ دھول دھپّے میں شریک ہو آئے ۔ متبنہ ہوگئے ۔ اب ایسی مجلس میں دروازہ کھولنے کا حکم نہ دیں گے بلکہ بند کروائیں گے اور قفل اندر سے لگوائیں گے ۔ آیہ 'وان یکاد، کی شانِ نزول اور حدیثِ شریف کا ذکر خارج از مبحث اور شورِ چشم کا شور کدّوے کی کائیں کائیں، اس کی طرف التفات تضییعِ اوقات ۔ اتنی اطلاع ضرور ہے کہ محب کی نظر محبوب کو، والدین کی نظر اولاد کو صاحبِ متاع کی نظر متاع کو ، لگ جاتی ہے اور یہ عقیدہ متفق علیہ جمہور ہے ۔ اس بحث میں 'یوغ، کا پتا دے کر منشی جی جامن کھانے چلے گئے اور 'آلوسیہ' کا جھگڑا نکالا ۔ مجھ کو 'آلوسیہ' کے لفظ میں آلوسیہ کی صورت نظر آئی ۔ منزجر و متنفر ہوکر بھاگا ۔ بھاگتے ہی 'آویزہ، میں الجھا اب اس آویزش کی حقیقت سنو ۔

---

۱ ۔ کذا فی الاصل

۵

جامعِ برہانِ قاطع لکھتا ہے 'آویزہ' بروزن 'پاکیزہ' گوشوارہ را گویند یہ تقریر اس کی مخبط ہے کہ 'آویزہ' بہ انفراد گوشوارہ لکھا حال آنکہ آویزہ مخصوص بہ گوش نہیں تاج و چتر و کلاہ بلکہ ہاتی کی جھول اور گھوڑے کی زین پوش میں بھی لگاتے ہیں۔ خانِ غالب لکھتے ہیں "حاشا کہ آویزہ و گوشوارہ یکی تواند بود" اس ادعا کو کون غلط کہہ سکتا ہے۔ واقعی 'آویزہ' و 'گوشوارہ' ایک چیز نہیں۔ یہاں تک تو ٹھیک، مگر آگے نجم الدولہ بہادر لکھتے ہیں کہ "گوشوارہ چیزیست زر نگار یا مرصّع بجواہرِ آبدار کہ بردستار پیچند و آویزہ پیرایہ ایست کہ در نرمۂ گوش سوراخ کنند و آن پیرایہ را درآن اندازند تا آویزان باشد" قصداچھا بیان قصد کے خلاف ہے۔ چاہیے تھا کہ 'آویزہ' کی تخصیص مٹاتے اور اس کی تعمیم میں کلام کرتے نہ کہ 'گوشوارہ' کے معنی اصلی چھوڑ کر گوشوارۂ اصطلاحی کا ذکر کیا اور 'آویزہ' کے معرف اس نہج پر ہوئے کہ دیکھنے والا گمان کرے کہ شاید 'آویزہ' زیورِ گوش ہے بالتخصیص۔ خدا کی قدرت ایسا صاحب کمالِ عدیم المثال ایک سہل تقریر میں دو مغالطے کھائے۔ ہاں السان

جایز الخطا ہے ، خصوصاً ستربرس کا آدمی ۔ فقیرسیاح تو یہ کہتا ہے کہ حضرت غالب کے حسنِ تحریر پر ان کے ہم نشینوں میں سے کسی کی نظر لگی ۔ چلو اچھا ہوا کہ ایسے ہمہ دانِ عدیم النظیر سے بسبب سہو و غفلت کے ہزار بات میں دو باتیں ایسی بھی ہوئیں کہ جس سے منشی جی کا دل خوش ہوا اور یقین ہے کہ میاں محمد حسین دکنی کی بھی روح خوش ہوئی ہوگی ۔

دوسرا مغالطہ جو اس محققِ اکمل کو واقع ہوا ہے ، وہ یہ ہے 'اسف' کی مشتقات کو 'افسوس' کی مشتقات میں سے لکھا ہے ۔ یہ سہوِ طبیعت ہے، قصورِ فہم نہیں ہے ۔ اکابرِ امت کو مسائلِ فقہ اور مناظرۂ فنِ کلام میں ایسے سہو واقع ہوئے ہیں ۔ علامۂ تفتازانی کو سیدِ جرجانی سے مقولۂ علم میں تا دیر سکوت رہا ہے اور صاحب متنِ کیدانی کو ایسا ناہموار مغالطہ پیش آیا ہے کہ اس نے اشارۂ سبابہ فی التحیات کو با آنکہ مسنون ہے ، محرمات صلوۃ میں لکھا ہے ۔ نہ اس سکوت سے علامہ تفتازانی کی تحمیق لازم آتی ہے ، نہ اس بیان سے صاحبِ متنِ کیدانی کی تکفیر ہوسکتی ہے ۔ شعرا کے اشعار میں اور بلغا کی عبارات میں بشرطِ تفحص و غور بہت ایسے سہو و خلل پائے جائیں گے ۔

حضرتِ سعدی علیہ الرحمہ :

ہمرہ اگر شتاب کند ہمرہ تو نیست
دل در کسے مبند کہ دل بستۂ تو نیست

مولوی جامی علیہ الرحمہ :

برو این دام بر مرغِ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

ان دونوں شعروں میں ہای اصلی و ہای مختفی کا قافیہ ، خواجہ حافظ علیہ الرحمہ :

صلاحِ کار کجا و منِ خراب کجا
ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

اس شعر میں روی متحرک قافیہ نصیبِ اعدا ۔ سیف الحق کا مقصود یہ ہے کہ یہ جو مولانا غالب کو دو سہو واقع ہوئے ہیں ، اسی قبیل سے ہیں جیسے ان بزرگوں کو عارض ہوئے ہیں اور یہ ماہرینِ فن کے نزدیک سہوِ طبیعت ہے ۔ یہ بات جوازِ الزام و اعتراض کی حجت نہیں ہو سکتی ۔ معہذا غالب کا بیان ہے کہ جامعِ برہانِ قاطع نے 'افسوس' بروزنِ 'مینوش' اور 'فسوس' بروزنِ 'عروس' کو لغتِ واحد سمجھا ہے اور یہ خطا ہے ۔ 'افسوس' بمعنی دریغ و حسرت جدا گانہ لغت اور 'فسوس' بمعنی استہزا جدا گانہ لغت ہے اور یہ جو نواب صاحب 'افسوس' کو لغت عربی لکھ گئے ہیں سہوِ طبیعت ہے ۔ عربی نہ سہی فارسی سہی ، لیکن دکنی کا بدستور حمق ثابت رہا کہ اس نے 'افسوس' و 'فسوس' کا تفرقہ ملحوظ نہ رکھا ۔

٦

یہاں مجھے تین عبارتیں یا خلاصہ ان کا لکھنا پڑا۔
برہانِ قاطع : ''افشار' با شینِ نقطہ‌دار بمعنی 'افشردن باشد' یعنی آب بزورِ دست از چیزے گرفتن وریزندہ و ریختنِ پی در پی را نیز گویند و امر بدینمعنی نیز ہست‌یعنی بخلان و بیفشار و بریز و بمعنی مد و معاون و شریک و رفیق نیز گفتہ اند ، ہمچو 'دزد افشار و نامِ طایفۂ ہم ہست از ترکان ۔'' قاطع برہان: ''صیغۂ امر را بمعنی مصدر و فاعل آوردن و پایانِ کار بسویِ معنیِ امرایما کردن سکۂ اوست آنرا تا کجا گویم ۔ آنچہ از گفتنِ آن گزیر نیست این است کہ 'افشردن' و 'فشردن' بمعنی ریختن وخلانیدن زنہار نیست و بیش از سہ معنی ندارد ۔ یکے از جامۂ نمناک یا از میوۂ تازہ آب گرفتن ، ہندیِ آن 'نچوڑنا' دوم بزور در آغوش گرفتن یا بہ شکنجہ کشیدن ، ہندی 'بھینچنا' ۔ سہ دیگر چون باپای یا با قدم استعمال کنند ، معنیِ استوار کردن دہد ، ہندی آن 'گاڑنا' ۔ این شوریدہ مغز ازین دو معنیِ صحیح یعنی درکنار گرفتن و استوار کردن قطعِ نظر کرد و دو معنیِ غریب یعنی ریختن و خلانیدن آورد ۔ ہر آئینہ موافقِ مذہبِ وے فشارِ قبر

کہ ترجمہ' 'ضغطہ است مہمل افتاد ۔" محرق کی عبارت کو لکھنا قلم کا منہ کالا کرنا ہے ۔ ہاں بقدرِ ضرورت ناچار لکھوں گا ۔ جس صاحب کو وہ ہفوات سب دیکھنے منظور ہوں ، ۱۳ صفحہ کی دوسری سطر سے ۱۵ صفحہ کی پانچویں سطر تک معائنہ فرمائے ۔ اب میں کہتا ہوں کہ خانِ غالب کا اعتراض ہے کہ جب 'فشردن' کے معنی 'ریختن' و 'خلانیدن' ٹھہرے، تو اس صورت میں اس کے مذہب کے موافق فشارِ قبر بے معنی رہ گیا ۔ قبر بزور پانی نہیں لیتی ۔ قبر میں 'ریختن' و 'خلانیدن' کی صفت نہیں ہے ۔ اس اعتراض کا دافع اگرمنصف ہے، تو معترض کے کلام کو تسلیم کرے اور بحّاث ہے، تو آب گرفتن وریختن و خلانیدن سے فشارِ قبر ثابت کرے اور یہ جو وہ لکھتا ہے کہ "فشار از فشاردن و افشار از افشاردن صیغۂ امر است ، لاکن ہر گاہ کہ فشار و افشار بسویِ قبر مضاف سازند و گویند کہ فشارِ قبر بکسرِ را ، درینصورت 'فشار' بمعنیِ مصدر خواہد بود یعنی تنگ گرفتنِ قبر" 'بوڑھا نخرہ جنازے کے ساتھ' اسی کو کہتے ہیں ۔ صیغہ ہایِ امر کا استعمال بمعنیِ حاصل بالمصدر اور اسم کے ساتھ ترکیب پانے سے معنیِ فاعل کا پیدا ہونا دنیا میں کون ہے جو نہیں جانتا اور فشارِ قبر کو کون ہے جو صحیح نہیں مانتا 'فشردن' کے معنی 'تنگ گرفتن' اس دکنی نے کہاں لکھے ہیں ۔ آب گرفتن و ریختن و خلانیدن سے فشارِ

قہر کے معنی ثابت کرنے چاہیے(۱) - منشی جی ، تنگ گرفتنِ قہر لکھ دیا تو کیا ہوا - برہانِ قاطع والا تو پانی لیتا ہے اور گراتا ہے اور چبھوتا ہے - عبارتِ برہانِ قاطع سے 'تنگ گرفتن' ثابت ہو تب اعتراض رفع ہو - ماٰنحن فیہ کو پہلے سمجھ لیتے ہیں ، تب مجیب ہوتے ہیں - سوال دیگر ، جواب دیگر - علم تو معلوم، یہاں تمیز بھی نصیبِ اعدا ہے، اور جو منشی جی لکھتے ہیں کہ صاحبِ فرہنگِ رشیدی 'فشاردن' و 'افشاردن' بمعنی خلانیدن و ہرزہ و فحش گفتن آوردہ چنانکہ شعرِ مولوی مینویسد :

این چہ کفر است این چہ ژاژ است و فشار
پنبہ اندر دہانِ خود بفشار

صاحب فرہنگ رشیدی نے پانی لینا گرانا اور چھوڑ دیا چبھونا رہنے دیا اور ہرزہ فحش بڑھا دیا - مولوی کے شعر کو ہم معتمد علیہ اور مسلم الثبوت جانتے ہیں - رشیدی کے قیاس کو کب مانتے ہیں - چاہتا ہوں کہ مختصر اور موجز لکھوں مگر موقع ایسا ہی آ پڑا ہے کہ تقریر کو طول دیے بغیر نہیں بنتی -

نالہ را ہر چند میخواہم کہ پنہان بر کشم
سینہ میگوید کہ من تنگ آمدم فریاد کن

---

۱ - اصل میں یونہی ہے -

میاں سر رشتہ دارِ معزول سنو ، 'ژاژ' و 'ہرزہ' بے شک مرادف ہم‌دگر ہیں ، یعنی سخنہای بے اصل و پوچ ۔ 'ہرزہ' و 'فحش' مرادف بالمعنی کیوں کر ہوئے ؟ 'فحش' وہ گفتار ہے جس میں مرد و عورت کے اندامِ نہانی کا نام آئے اور جورو بیٹی نپی جائے ۔ 'فشار' کے یہ معنی زنہار نہیں ہیں ۔ مولوی کے دونوں مصرعوں میں 'فشار' بمعنی تنگ گرفتن و استوار کردن ہے ۔ پہلے مصرع میں بمعنی حاصل بالمصدر ، چونکہ تنگ گرفتن موجبِ حصولِ رنج و آزار ہے ، یہاں 'فشار' کے معنی رنج و آزار دادن ہیں ، ہندی جس کی ستانا ۔ دوسرے مصرع میں بمعنی حقیقی یعنی 'محکم کن' ، ہندی جس کی 'مضبوط ٹھونس دے' ۔ پس یہ فقرہ منشی جی کا "معنی بفشارکہ صیغۂ امر است بخلان‌ست یعنی پنبہ فروبر" ہذیانِ محض ہے بخلان کی ہندی چبھو دے، ہوسکتی ہے ۔ 'فروبر' کیوں کر ہوئی ۔ 'فروبر' کی ہندی ہے 'نگل جا' ۔ بہرحال 'پنبہ‌دردہن بخلان' و 'فروبر' کے معنی یہ ہوئے کہ روئی منہ میں چبھو اور نگل جا ، جیسا کہ شاعر کہتا ہے :

تھوڑی سی روئی دھنیے سے لے آ
منہ میں چبھو دے اور پھر نگل جا

النہی روئی کانٹا ہے جس پر چبھونا صادق آئے ، کوئی ملائی کا نوالہ ہے ، آدمی جس کو نگل جائے ! یہاں ایک اور مزا ہے ۔

"این چہ کفر است و چہ ژاژ است و فشار"

یہ مصرع مولوی روم کی مثنوی کی بحر کا ہے۔ دوسرا مصرع :

پنبہ اندر دہان خود بفشار

حکیم سنائی کے حدیقہ کی بحر کا ہے۔ اصل مصرع یوں ہے۔

پنبۂ اندر دہانِ خود فشار

مگر چونکہ منشی جی دکن کے دستور کے موافق صیغۂ امر سے بے اضافۂ یائے زایدہ معنیِ مقصودہ استخراج نہیں کر سکتے، اور طبیعت موزوں نہیں ہے، جو تقطیع کا خیال کرتے، بے تکلف 'فشار' کی جگہ 'بفشار' لکھ گئے اور یہ جو منشی جی از روئے مدار الافاضل 'افشار' بمعنی حامی و مددگار لکھتے ہیں، اس سے صرف یہ ثابت ہوا کہ یہاں صاحبِ مدارالافاضل کو بھی مغالطہ ہوا ہے۔ کہاں 'افشار' کہاں 'مددگار' 'افشار' صیغہ امر کا ہے اور قاعدۂ کلیۂ فارسی کے موافق اسم کے ساتھ ترکیب پا کر افادۂ معنیِ فاعلیت کرتا ہے، اور مغولِ ایرانیہ میں ایک قوم کا نام یہی افشار ہے۔ بس اب سیاحِ غریب منشی جی سے پوچھتا ہے کہ یہ جو تم نے مولوی معنوی کا شعر لکھا ہے :

دلم دزد و نظر او دزدِ آن دزد
عجب آن دزدِ دزد افشار چونست

دوسرے مصرع کے معنی میں بتاتا ہوں 'دزد' موصوف 'دزد افشار' صفت یعنی چور بھی ہے اور چور سے از راہِ زبردستی مالِ مسروقہ چھین بھی لیتا ہے۔ یہاں کوئی سخن فہم 'دزد افشار' کے

معنی حامیِ دزد نہ کہیے گا ، کس واسطے کہ مولوی صاحب از راہِ استعجاب لکھتے ہیں 'دزدِ دزد افشار' - پس اگر حامی کے معنی لیے جائیں تو تعجب کا محل نہ رہا - چور البتہ مدد گار اور شریک چوری کا ہوتا ہے - بعد اس ہوش‌افزا شرح کے میں متوقع ہوں کہ پہلا مصرع منشی جی مجھ کو پڑھا دیں اور معنی اس کے سمجھا دیں -

۷

اے منشیِ خیرہ سر، سخن ساز نہ ہو
عصفور ہے تو مقابلِ باز نہ ہو

آواز تری نکلے اور آواز کے ساتھ
لاٹھی وہ لگے کہ جس میں آواز نہ ہو

'انگشبہ' و 'انگشتہ' کی بحث سزاوارِ التفات نہیں۔ میں نے 'انگشتہ' کے ہموزن کو دیکھا تو خرپشتہ نظر آیا۔ ناچار وہاں سے بھاگا، مگر نہیں جانتا کہ خاور کو جاتا ہوں یا باختر کو۔ اگر کہوں خاور سے بھاگا اور باختر کو گیا تو مستمع سمت کو ہرگز نہ سمجھ سکے گا اور متردّد رہے گا کہ آیا سیّاح مشرق سے بھاگ کر مغرب کو گیا یا بالعکس۔ منشی سعادت علی صاحب نے بڑا غضب کیا کہ 'خاور' اور 'باختر' کو ایک کر دیا۔ میں جو سیّاح ہوں، اگر کسی سے فارسی میں کہوں گا کہ "در اقصای ملکِ خاور شہرے دیدم" سننے والا کس قرینے سے سمجھے گا کہ وہ شہر انتہائے مشرق میں ہے یا انتہائے مغرب میں؟ مگر مجھ سے پوچھے گا تو ناچار مجھ کو مشرق کہنا پڑے گا اور فارسی کا ترجمہ عربی میں کرنا ہوگا، یہ بھی گفتگوئے زبانی میں۔ اگر مثلاً میں کسی دوست کو خط میں

لکھوں گا کہ ''در ملک باختر برمن این مصیبت گذشت یا در ملک باختر این قاعدہ و رسم دیدم''۔ مکتوب الیہ کیا جانے گا کہ کاتب خط کو، شرق مقصود ہے یا مغرب؟ اب جب وہ پھر خط لکھے اور میں عربی میں باختر کا ترجمہ لکھ بھیجوں تب جھگڑا چکے ۔ مرزا صاحب نے کس عبارت بلیغ سے اس مقدمے کو لکھا ہے ۔ کوئی نہ سمجھے تو اس کی فہم کا قصور ہے ۔ منشی جی جو آیات کلام الٰہی الفاظ متضادہ کے وجود کی سند لائے ہیں ، ان کا ہرگز موقع و محل نہیں ہے ۔ آیا حضرت سمجھے نہیں کہ آفتاب اور سونا اور آنکھ اور چشمہ ضد ہمدگر نہیں ہیں؟ صفت نور وضیا آفتاب اور سونے اور آنکھ میں مشترک ہے اور روانی چشمہ و آفتاب میں۔ ''عین'' کالفظ اضداد میں سے جب ہوتا کہ تقابل و تضاد پایا جاتا ۔ ''عین'' لفظ کثیر المعنی ہے ۔ لفظ کثیر المعنی کو اضداد میں سے شمار کرنا خلق کو اپنے پر ہنسانا ہے ، جس کو جگ ہنسائی کہتے ہیں ۔ صاحب صراح کا قول میرے مفید مطلب ہے ۔ وہ ہی آنکھ کے معنی یہاں بھی ملحوظ ہیں اور اگر آنکھ کی پتلی کو آنکھ سے جدا سمجھیں گے تو ایک معنی اور پیدا ہو جائیں گے ۔ کثرت معنی بڑھ جائے گی ، نہ کہ ضدیت پیدا ہوگی ۔ اضداد میں سے جب ٹھہرے کہ جیسا آفتاب کو کہتے ہیں کسوف کو بھی کہتے ہوں ۔ رہے اشعار ان میں انوری کا شعر مرزا صاحب کے کلام کا مؤید ہے :

دی ز خاکِ خاوران چون ذرہٴ مجہول آمدہ
گشت امروز اندرو چون آفتابِ خاوری

خاوران نام شہر کا بلادِ شرقیہٴ ایران سے ہے۔ آفتابِ خاوری وہی آفتابِ مشرق ہے۔ کوئی سخن فہم اس شعر میں سے 'خاوران' کے معنی مغرب کے ثابت کر دے یا آفتابِ خاوری کو آفتابِ مغربی بتا دے تو ہم جانیں۔ **منشی جی** اگر **خاوران** کو سمجھیں گے کہ کوئی شہر مغرب میں ہوگا۔ ہم کہتے ہیں احتمال کے کیا معنی؟ بلدِ غربیہ کو خاوران نہ کہیں گے۔ دلیل اس کی یہ کہ **انوری** اس قصیدے میں اوپر اپنا نام لکھ آیا ہے۔ 'آمدہ' منسوب بہ **انوری** ہے اور **انوری** کا وطن **خاوران** ہے۔ **خاوران** کو **خاور** بھی کہتے ہیں چنانچہ ابتدا میں **خاوری** تخلص کرتا تھا۔ دوستوں نے پوچھا کہ تخلص کیوں بدلا ؟ **انوری** نے کہا کہ 'خاوری' میں یہ ایہام نکلتا ہے کہ خے اور رے ان دونوں حرفوں کا مسمّٰی خر ہے اس لیے میں نے تخلص بدلا۔ غرض کہ **انوری** کا شعر مثبت ہے **مرزا صاحب** کے کلام کا، اور مبطل ہے **منشی جی** کے ادعا کا۔

چو خورشید سر برزد از باختر
سیاہی بہ خاور فرو برد سر

چو برزد درِ فتنہ از باختر
دواجِ سیہ را سفید آستر

چوسپهر آورد سوی ِ خاور گریغ
هم از باختر برزند باز تیغ

ان تینوں شعروں میں 'خاور' سے مغرب مراد ہے اور 'باختر' سے مراد مشرق ہے ۔ ہم نے اس کو اس طرح سے مانا کہ اس زمانے تک یعنی سلطان محمود ِ غزلوی کے وقت کے شعراء یوں بھی لکھتے تھے۔ بعد اس کے حکیم سنائی غزنوی و ناصر ِ خسرو علوی و خاقانی و انوری اور ان کے معاصرین اور آگے چل کر مولوی ِ روم و سعدی و نظامی و غیر ہم ، ان کے کلام میں کہیں یہ ڈھنگ نہیں پایا جاتا اور جن کے میں نے نام لیے ہیں ، اگرچہ شعرای ِ سلطنت ِ سلطان محمود سے متأخر ہیں ، لیکن علم و فضل میں ان کے ہمسر ہیں ۔ انھوں نے یہ دستور جائز نہ رکھا ۔ فی الجملہ یہ مقام تأمل طلب ہے ، بشرط ِ آنکہ متأمل منصف بھی ہو ۔ فارسی ِ قدیم نیامیختہ بہ عربی جو پیش از اجتماع ِ عرب و عجم ایران میں مروج تھی، اس میں 'خاور' کا مسمّٰی مشرق اور 'باختر' کا مسمے مغرب تھا ۔ ساسان ِ پنجم نے دساتیر میں کئی جگہ 'خاور' بہ معنی مشرق و 'باختر' بہ معنی مغرب لکھا ہے ۔ جب فارسی ِ بحت لسان ِ عرب سے مختلط ہو کر ایک نیا اردو بنا اور اکابر ِ عرب و عجم نے اس اردو زبان میں شعر کہنا اختیار کیا ، پہلے پہل دو تین صاحبوں نے مشرق و مغرب و خاور و باختر کو مخلوط کر دیا ، نہ بہت دیر بلکہ چند روز کے

بعد اسی پائے کے اشخاص کی رائے میں یہ آیا کہ کون قرینے ڈھونڈھا کرے اور کیوں ان دو لغتوں کو بے سر و پا کریں ۔ بدعت کو اٹھا دیا اور معنیِ حقیقیِ اصلی کا استعمال رکھا ۔ صدقت یا سمّی اسد الغالب 'خاور' بمعنیِ مشرق است و 'باختر' بمعنیِ مغرب و قولِ دکنی مردود ۔

۸

اس کا بیان محرّق قاطع برہان کے ۲۱ صفحے سے ۲۸ صفحے تک ہے اور اس لطیفے میں مزہ ہائے غیر مکرّر ہیں۔ منشی جی کی ناظرین پر بڑی عنایت کی نظر ہے کہ مرزا صاحب کی عبارت ۲۱ صفحہ میں بہ استیفا لکھ کر اپنے ارشادات لکھے ہیں۔ پہلے مرزا صاحب پر ہنستے ہیں کہ یہ 'بوالہوس' کو بے واو لکھتے ہیں۔ فرہنگ جہانگیری میں تو دیکھیں کہ کیا مرقوم ہے۔ اگر فرہنگ جہانگیری میں بے واو لکھا ہو تو فرہنگ جہانگیری والا منشی جی کا بڑا مطاع ہے۔ خود غور کریں کہ یہ اعتراض کہاں پہنچتا ہے؟ منشی جی اس ترکیب خاص کے باب میں مرزا صاحب کو جس قدر ملامت کریں گے، وہ سراسر جامع فرہنگ جہانگیری کی طرف عائد ہوگی اور جواب بھی اس کے ذمے ہوگا۔ پھر اظہری زمانہ، غالب یگانہ سے الجھتے ہیں کہ تو نے سیرابی بیان کیوں لکھا؟ سیرابی نبات وحیوان و انسان کے واسطے ہے، نہ بیان کے واسطے۔ منشی جی فن استعارہ سے آگاہ نہیں ہیں، جو چاہیں سو کہیں۔ اس کی نظائر ہزار ہیں۔ منشی جی کو مقدمات کی مثلیں فراہم کرنے سے اور مستغیثوں

کی عرایض پر حکم چڑھانے سے فرصت کہاں ملی ہوگی کہ کتب کی سیر کی ہو گی - شگفتگی جبیں کی اور زمینِ شعر کی صفت پڑتی ہے - حالانکہ نہ جبیں پھول ہے ، نہ شعر کی زمین - منشی جی تمھیں اپنے ایمان کی قسم شاعر کو رنگیں‌بیاں کہیں لکھا دیکھا ہے تو اس کو جائز رکھا ہے یا نہیں ؟ پس اگر رنگینیِ بیان جائز ہے ، تو سیرابیِ بیان بھی جائز ہے - بقول تمھارے 'بیان ، نہ سبزہ ہے نہ جانور آدمی ، پھر سیراب کیونکر ہوا؟ اسی طرح بیان پھول ہے نہ رنگ ... ، پھر رنگین کیونکر ہوا ؟ بیان کی خوبی کی صفت ہے رنگینی بھی اور سیرابی بھی - اغلب ہے کہ حضرتِ غالب مغلوب الغضب ہیں - دکنی کے ایسے ہی پریشان بیانوں پر غصہ آ گیا ہے ، تب اس کی تحمیق میں کلماتِ سخت کہے ہیں - فقیر حلیم و بردبار ہے - 'قہرِ درویش بر جانِ درویش' پر عمل کرکے جواب لکھے جاتا ہے - سیرابیِ بیان کے نا جائز ہونے کا مجھے جواب بھی لکھنا ضرور نہ تھا - کون پڑھا لکھا آدمی ہوگا کہ محرق کے ۲۳ صفحے کو پڑھ کر منشی جی کی ہیچمدانی اور آشفتہ بیانی کا معترف نہ ہوگا - یقین ہے کہ مرزا صاحب ان عبارتوں کو دیکھ کر عرفی کا یہ شعر پڑھتے ہوں گے :

بامن از جہل معارض شده ناسفعلے
کہ گرش ہجو کنم این بودش مدحِ عظیم

منشی جی کی عبارت کی نقل کوئی بھالڈ کرے ۔ اہل انشا ایسا تمسخر کیوں کریں گے ؟ خلاصہ یہ کہ منشی جی پربشیدن اور بپساویدن اور بپسودن کے ماقبل جو بائے موحدہ ہے اس کو جزوِ کلمہ کہتے ہیں ۔ اور یہ منشی جی کی اچھل کود مرزا صاحب کی اس عبارت پر ہے ''بپای صیغہٗ امر است از پائیدن بہ اضافہٗ بای زایدہ ۔ ہمہ کس داند کہ بای زایدہ از اجزای اصلیِ صیغہٗ امر نیست'' چونکہ [illegible] کلمات منشی جی نے مع جوابات ۲۳ صفحے سے ۲۶ صفحے تک تیغ محرق میں لکھے ہیں، میں نے مکرّر لکھنے کو باعثِ صداعِ ناظرین سمجھ کر جواب الجواب پر قناعت کی ۔ مختصر منشی پاگل کہتا ہے کہ بپسودن بمعنے لمس و مساس ہے اور اس میں بائے موحدہ جزوِ کلمہ ہے جیسا کہ لکھا ہے ''تا کجا نگارم واز کہ گویم کہ در بپسودن و بپساویدن بای موحدہ زایدہ نیست بل جز لفظ است''

اے اہلِ بزم کوئی تو بولو خدا لگی

''از کہ گویم'' کس ملک کی فارسی ہے ''بہ کہ گویم'' و ''با کہ گویم'' چاہیے۔ اس سے بڑھ کر ''بل جز لفظ است'' کے کیا معنی؟ جزوِ لفظ مع واو لکھنا چاہیے تھا ۔ جز بے واو جب لفظ کے پہلے آیا تو سوا کے معنی دے گا ۔ ہندی اس کی یہ ہوگی کہ بائے موحدہ سوائے لفظ کے ہے اور یہ اقرار ہے موحدہ کے زائد ہونے کا ۔ سبحان اللہ ! کلمہٗ حق کی شوکت اور جلالت ہے

کہ منکر کے قلم پر بھی جاری ہو گیا ع

تا سیہ روی شود ہر کہ درآن(۱) غش باشد

اور یہ جو شعرا کے وہ شعر کہ جن میں صیغہ ہای مضارع بہ اضافۂ بائے زائدہ مرقوم ہیں ، سند لایا ہے ۔ یہ اشعار جب لکھے ہوتے کہ **خان غالب** صیغۂ مضارع کے ماقبل موحدہ کے آنے کے مانع ہوتے ۔ صیغۂ مضارع مع موحدہ یہ نہیں چاہتا کہ یہ حرف زائدۂ اصلی ہو گیا ہو اور مصدر میں بھی اس کی اصلیت سرایت کر گئی ہو ۔ ''برود'' و ''بنماید'' و ''بگوید'' سے یہ کب ہوتا ہے کہ مصدر 'برفتن' و 'بنمودن' و 'بگفتن' ہو ۔'بپسودان' کو اسم فاعل اور الف نون کو علامت فاعلیت لکھتا ہے ۔ صاحبو ! **خان غالب** یہاں کیا کرے مگر یہ کہ تم سے داد چاہے ؟ موحدہ کو دور کر کے بھی دیکھو تو 'پسودان' صیغۂ فاعل نہیں ہوسکتا اور یہ الف نون حالیہ بھی نہیں قرار پاتا۔ حضرت **غالب** نے تنگ آ کر دیوان قاف کی زبان کا لفظ ٹھہرایا ۔ اسی ضمن میں کہا جاتا ہے کہ منشی منسی الف و نون حالیہ کے وجود کا معترف نہیں ۔ **بہار عجم** اور اس کے بعد فی زماننا جو چھوٹے چھوٹے رسالے قواعد فارسی کے چھاپا ہوئے ہیں ان میں کوئی رسالہ ایسا نہیں، جس میں الف و نون حالیہ کا ذکر نہ ہو ۔ اس سے بڑھ کر یہ بات کہ الف نون علامت فاعلیت جانتا ہے اور نہیں جانتا کہ مجرد الف فاعل

۱ ۔ اصل میں یوں ہی ہے بجائے 'دراو' ۔

کا ہے اور الف نون حالیہ ہے۔ ”رخشا“ چمکنے والا اور 'رخشان' چمکتا ہوا، 'روا' چلنے والا 'روان' چلتا ہوا۔ اس کے نظائر اگر کوئی ڈھونڈے تو دس ہزار سے کم نہ ملیں گے۔ ہاں اسمائے جامدۂ فارسی میں الف نون جمع کا ضرور آتا ہے، جیسے درختان و اسپان۔ منشی جی نے بطریقِ قیاس مع الفارق صیغہ ہائے امر کے بعد کے الف نون کو بھی کہ وہ در اصل حالیہ ہے، جمع کا الف نون سمجھ لیا ہے۔ یارب! میرے کن اعمال کی مکافات ہے جو مجھ کو ایسے عجیب المخلوقات سے پالا پڑا ہے۔ مقدماتِ علمی میں منشی جی کا دخل بعینہ ایسا ہے جیسا مسموعات میں بندر کا شطرنج کھیلنا اور مشاہدات میں بندریا کا ناچنا۔ فرماتے ہیں کہ ”بتائیدن بفتحِ بایِ موحدہ وتایِ قرشت بہ الف کشیدہ و ہمزہ بہ تحتانی رسانیدہ بمعنیِ گزاشتن است“ فقیر سیّاح لکھتا ہے کہ منشی جی جو نجم الدولہ بہادر کے مجیب ہوئے ہیں تو جواب مطابقِ سوال چاہیے۔ سائل کا اس محل میں کلام یہ ہے کہ ”چون پدید آمد کہ این عامیِ اعمیٰ مصادر را بے شمولِ بایِ زایدہ نمی نویسد، چگونہ دانیم کہ بای موحدہ در'بتائیدن' اصلیست یا زاید و 'بتا' کہ صیغۂ امراست ازین مصدر نیز مشتبہ ماندکہ 'بتا' ست، یا ہمان 'تا'۔ درین جا مرادِ ما نہ آنست کہ 'بتائیدن' در فارسی بدینمعنی نیامدہ است۔ اعتراض بر طرزِ گزارش است ورنہ در'بتائیدن' بایِ موحدہ اصلی ست۔“جب حضرتِ غالب

لکھ آئے کہ ''در 'بتائیدن' بای موحدہ اصلیست'' پھر منشی جی کے مجموع ارشادات بے محل ہوئے یا نہیں؟ 'بتائیدن' کی باء موحدہ کے اصلی ہونے سے یا 'پسودن' کے مضارع کے ماقبل موحدہ کے آنے سے کیونکر لازم آئے کہ 'پسودن' اور 'پساود' در اصل 'بپسودن' اور 'بپساود' ہے ؟ خالصتاً للہ کوئی میرے خاطرنشان کردو کہ وہ فقرہ منشی جی کا جو اوپر لکھ آیا ہوں، اس عبارتِ بلیغِ غالب کا جواب کس طرح ہو سکتا ہے ؟ آگے بڑھ کر منشی جی تال سر سم سب بھول گئے اور کچھ اور ہی راگ گانے لگے۔ ''مرزا اسد اللہ غالب بہ کہ رہبری بایِ موحدۂ اصلیِ 'بپساویدن' 'وبپسودن' را زایدہ انگاشتند'' اس موحدہ کا زائد ہونا تو ایسا بدیہی ہے کہ اطفالِ مکتب نشین بھی جانتے ہوں گے۔ معہٰذا ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ یہاں اتنی ہی پرسش ہے کہ ''اسد اللہ غالب بہ کہ رہبری'' چنین می کند ''بہ کہ رہبری'' کہاں کی بولی ہے ؟ او سیف الحق ! وہ کندۂ ناتراش تیرے سوالِ مختصر کو کیا سمجھے گا ؟ واضح کہہ اور کھول کر دکھا۔ حضرت منشی صاحب ''بہ کدام رہبری'' کی جگہ ''بہ کہ رہبری'' موافق کس فرہنگ کے ہے؟ مگر ھان فرہنگ نگارانِ پریشان مقال نے کئی قسم کی فارسی ز بائین قرار دی ہیں۔ اس میں ایک قسم کا نام سغدی ہے۔ چونکہ سغدی زبان میں بھی کدام کے محل پر نرا کاف نہیں لاتے، ہم نے منشی جی کی فارسی کو چغدی

ٹھہرایا ۔ عقلاً سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم نے ان کو کیا بنایا ؟
صاحبانِ بصیرت سے التماس ہے کہ محرق ۲۴ صفحے سے ۲۷ صفحے
کی ۹ سطر تک ملاحظہ فرمائیں اور منشی‌جی کی چغدی فارسی
کا حظ اٹھائیں ۔ پرسان اور پرپروشان کی بحث میں کلام کرنا
سفاہت اور حماقت ہے ۔ ع ۔

این است جوابش کہ جوابش ندہم

۹

بسمل کی بحث جو ۲۸ صفحے کی ۱۴ سطر سے شروع ہوئی ہے ، اس نگارش کو جو دانش مند سراسر دیکھے گا بہت خوش ہوگا ۔ نجم الدولہ بہادر غالب کی عبارت منشی جی نے سراسر لکھی ہے ۔ سبحان اللہ ! کتنی بلیغ اور باوجود بلاغت کے کس قدر ظرافت آمیز و ذوق انگیز ہے ۔ پھر ۲۹ صفحے کی ۱۵ سطر سے ۳۵ صفحے کی ۱۲ سطر تک منشی جی کی چغدی زبان کی تقریر بہ پیرایۂ تحریر لائق دیکھنے کے ہے ۔ بالجملہ حضرت غالب فرماتے ہیں ”ذبح از برای ِ جاندارانست نہ از برای اشیا ۔“ منشی جی ثابت کرتے ہیں اشیا کے واسطے حکم ِ ذبح اور ان دو آیتوں کو اپنے ادعائے بےمعنی کا برہان ِ قاطع قرار دیتے ہیں ۔ ”وجعلنا من الماء کل شیٔ حی“۔”وان اللہ علی کل شیٔ قدیر“ واقعی کلام ِ الٰہی برہان ِ قاطع ہے ۔ مگر قاطع ہے کفر کا ، قاطع ہے کذب کا ، قاطع ہے کافر کی عنق کا ، قاطع ہے کاذب کی انف کا ۔ ”جعلنا من الماء کل شیٔ حی و “ان اللہ علی کل شیٔ قدیر“ ۔ ان دونوں آیتوں سے شے کا تحت ِ حکم ِ ذبح آنا کہاں ثابت ہوتا ہے؟ قصہ مختصر ، دکنی

کا وہ کلمہ کہ "ہر چیزکہ آنرا ذبح کردہ باشند" غلطِ محض و محضِ غلط ہے ۔ یہ کلام قابلِ طعن اور اس کلام کا متکلم اور اس کا معاون سزاوارِ لعن ۔ تذرو بہ دالِ بے نقطہ و تذو بہ دالِ نقطہ دار کی بحث میں تو فیلِ منگلوسی دکنی کا چرکٹا بھی یہی کہتا ہے کہ کرمِ حمام کو کہتے ہیں ۔ یہ تو قول ضاربِ سیفِ قاطع کا ہے ۔ پس منشیِ بے چارہ مجیب کیا خاک ہوا ۔ جامعِ برہانِ قاطع جو بٹیر کے نام 'تدو' اور 'تذو' لکھتا ہے وہ تو بدستور مطعون و ملعون رہا ۔ کہاں وہ پرندہ جس کی فارسی 'تذرو' اور ہندی 'بٹیر' ہے ۔ کہاں وہ کیڑا جو حمام میں پیدا ہوتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ منشی اعتراض کی حقیقت کو زنہارنہیں سمجھتا ۔ اس کا کلام مجذوب کی سی بڑ ہے۔ 'تدو' کے اور 'تذو' کے بعد بے فاصلہ ۳۹ صفحے کی ۹ سطر میں تومن کا ذکر کرنے لگا ۔ اگر آدمی ہوتا تو حضرتِ غالب کی تحریر کو دیکھ کر اس بحث کے جواب کا عزم نہ کرتا ۔ مگر چونکہ بے حیا ہے ، تقریر سے باز نہیں رہا ہے اور علی الاتصال 'جتار' کی بحث میں بھی بیہودہ بکا ہے ۔ ۳۶ صفحے سے ۳۹ صفحے تک اہمال در اہمال ہے ۔

۱۰

لو صاحب ، ۳۹ صفحے میں جمدھر کی بحث شروع ہوئی ۔ اب دیکھو منشی جی بانک کے ہاتھ کیسے نکالتے ہیں ۔ بانک کے ہات کیا خاک نکالیں گے ، منشی جی تو صاحبِ تپِ محرقہ ہیں اور آج ہے دن بحران کا اور آج بحران بہت شدید ہے ، گھبرا رہے ہیں ۔ دیکھو ، ان کے گھر کے لوگوں نے ۴۱ صفحے کے حاشیے پر کٹار کی اور تکل کی تصویریں کھینچی ہیں اور اُن کو بہلا رہے ہیں اور وہ ہذیان بک رہے ہیں ۔ زرا ان کو افاقت ہو جائے تو عرض کروں کہ حضرت ۴۰ صفحے کی ساتویں سطر سے ۴۴ صفحے کی ۹ سطر تک کیا کلماتِ بے معنی ہیں جو آپ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہیں۔ استناد و استدلال ببازیچۂ اطفال، یہ کیا قیل و قال ہے ؟ اس کو تمسخر کہوں یا مسخرہ پن کہوں ، یعنی اگر تمسخر کہوں تو منشی جی نے منشعب بھی نہیں پڑھی جو وہ جانیں کہ یہ باب تفعل کا ہے ۔ غایت مافی الباب یہ کہ شاذ اور نادر ہے ۔ بہر حال قائل کا قول تو یہ ہے کہ یہ جمدھر جو بجیم و میم و دال و ہای مضمر و رائے مہملہ، حربۂ مخصوصۂ ہندی ہے ، کٹار سے علاوہ ہے ۔ کٹار

کی وہ صورت ہے جو معترض کے ۴۱ صفحے کی ۷ سطر کے برابر حاشیے پر اس کی تصویر کھینچی ہوئی ہے ۔ اور جمدھر ایک قبضہ دار ہتیار ہے ، خنجر کے مانند۔ ہاں خنجر کی اور اس کی صورت میں کچھ فرق ہے ۔ بہر حال جمدھر اور کٹار کی صورت کا اتحاد غلط ہے ۔ ان دونوں اسموں کا مسمٰی ایک نہیں ۔ اس سے بڑھ کر سائل کا جو سوال ہے اس کا جواب کہاں ؟ جامع برہانِ قاطع تسمیے کی وجہیں دو لکھتا ہے ۔ ایک تو یہ لکھتا ہے کہ یہ لفظ دراصل 'جنب در' ہے یعنی پہلو کا پھاڑنے والا ۔ معترض کہتا ہے کہ اہل ہند 'جنب' کو اور 'در' کو کیا جانیں ، جو ان دو لغتوں کو ترکیب دے کر ایک شے کا اسمِ توصیفی قرار دیں؟ دوسری وجہ وہ یہ لکھتا ہے کہ جمدھر ترجمہ ہے 'دندانِ عزرائیل' کا ۔ ہم نے جم کو عزرائیل سمجھا ، 'دھر' کو دانت کیوں کر قرار دیں ؟ اس کا بارے منشی جی نے جواب دیا ۔ جیسا کہ ۴۴ صفحے کی ۵ اور ۶ سطر میں لکھتے ہیں ۔ "ازیں رو باور دارم کہ صاحبِ برہانِ قاطع این نوشتہ باشد کہ بہ ہندی 'دھار عزرالیل' گویند ، مردمان از تصحیف و تحریف 'دندانِ عزرائیل' خواندند و نبشتند"

سیف الحق طالب علم کہتا ہے کہ منشی جی تمہارے بھولے پن کے صدقے جاؤں ۔ یعنی 'دھار' اور 'دندان' میں نہ تصحیف نہ تجنیس ۔ کہاں 'دھار' کہاں 'دندان' ۔ معہٰذا یہ نہ کہو کہ صاحبِ برہانِ قاطع نے 'دھار عزرالیل' لکھا

ہوگا ، اس میں تو وہ بے چارہ الّو بن جائے گا ۔ 'دھار، ٹھیٹ ہندی اور عزرائیل لغتِ سریانی یا عربی ۔ یہ مضاف اور مضاف الیہ کیوں کر جائز ہوں گے؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی جائز سہی ۔ بھلا عزرائیل کی 'دھار، کے کیا معنی ؟ ۔ عزرائیل ندی نہیں ، نالا نہیں ، چھری نہیں ، اُسترا نہیں کہ اس کے واسطے 'دھار، ثابت کی جائے ۔ دکنی صاحب 'دھارِ عزرائیل' نہ لکھیں گے ۔ یہ تمہارا سوء ظن ہے بہ نسبت اُن کے ۔ اُنھوں نے اگر لکھا ہوگا تو 'دھارِ بولِ عزرائیل' لکھا ہوگا ۔ منشی جی کی پریشان گوئی اور میری بذلہ سنجی میں خانِ غالب کا مدعا فوت ہوا جاتا ہے ۔ وہ تو برہانِ قاطع کے معتقدین سے پوچھتے ہیں کہ ہم 'جمدھر' کو 'جنب در، کہیں یا 'دندانِ عزرائیل':

کوئی اس کا جواب دو صاحب
سائلوں کا ثواب لو صاحب

سائل کو بصیغۂ جمع میں نے اس واسطے لکھا ہے کہ میں بھی اس سوال میں حضرتِ غالب کا ہم زبان ہوں ، بلکہ ایک اور بات پوچھتا ہوں کہ برہانِ قاطع مجموعہ ہے لغاتِ فارسی و عربی کا ۔ اُس میں ہندی الاصل لغت کے اندراج کی کیا وجہ ؟

۱۱

منشی جی ۴۴ صفحے میں پل صراط کی بحث میں لغزشہائے پے در پے کے سبب پل کے آدھر جا رہے ہیں۔ خدا کرے بہشت میں گرے ہوں۔ دعا دینے کے بعد کہا جاتا ہے کہ نجم الدولہ نے قاطع برہان مطبوعہ کے ۱۴ صفحے میں جو اس کا ذکر کیا ہے تو یہ لکھا ہے کہ اہل اسلام کے سوا کسی اور مذہب و ملت میں پل صراط کا ہونا ثابت نہیں۔ جیسا کہ عیسائیوں میں اور موسائیوں میں اور ہنود میں کہیں عالم آخرت میں پل کے وجود کا پتا نہیں۔ ہر فریق میں معاد کی صورت جداگانہ ہے۔ پارسیوں کے کیش میں تناسخ بیشتر ہے بحسب درجات خیر و شر۔ نکوکار کم آزار اچھی صورت پائیں گے اور بدکاروں کو بری صورت ملے گی۔ نفوس کاملہ آواگون سے چھٹ جائیں گے، کواکب بن جائیں گے۔ ظاہرا ہنود کے دھرم میں اور پارسیوں کے کیش میں معاد کا بیان ایک ہی نہج پر ہے۔ تفاوت اگر ہے تو کمتر ہے۔ منشی جی ان دقایق کو کیا جانیں؟ روئے سخن اہل علم و عقل کی طرف ہے۔ دساتیر کے ۱۴ صحیفے ہیں کہ بہ اوقات مختلفہ ۱۴ پیمبران پارس پر

نازل ہوئے ہیں ۔ اُن میں سے ساتواں یا آٹھواں صحیفہ **زردشت** پر نازل ہوا ہے اور عقیدہ پارسیوں کا یہ ہے کہ کلامِ خدا اہلِ زمین کی زباں میں نہیں ہوتا ۔ وہ آسمانی زبان ہے ، السنۂ معشرِ بشر سے الگ ۔ **ساسانِ پنجم**، کہ وہ اپنے کو خاتمِ پیمبرانِ **پارس** ظاہر کرتا ہے ، ان صحیفوں کا زبانِ **دری** میں مترجم ہوا ہے ۔ نماز کے ارکان اور حبسِ نفس جو اُن کے مذہب میں گزیدہ ترینِ عبادات ہے اُس کے قواعد ، کواکبِ ہفتگانہ کی پرستش کے رسوم ، باہم معاش کے قوانین ، میراث کی تقسیم کے اطوار ، ثواب و عتابِ اخروی کے اخبار ، مفصل اور مشرح مضبوط و مرقوم ہیں ۔ فشارِ قبر اور پرسشِ نکیرین اور حشرِ اجساد اور میزان و نامۂ اعمال اورعبورِ پل کا کہیں ذکر نہیں ۔ صحیفۂ موسومۂ **زردشت** بھی ان نقوش سے سادہ ہے ۔ ہاں بہشت و دوزخ کا ذکر ہے ، لیکن نہ اس طرح جس طرح اہلِ اسلام میں ہے ، بلکہ لذائذِ روحانی کو بہشت اور آلامِ روحانی کو دوزخ کہتے ہیں ۔ جب اُن صحائف میں جو **زردشت** سے پہلے نازل ہوئے ہیں اور **زردشت** کے صحیفے میں بھی پل کا ذکر نہیں تو ژند میں کہ وہ سات صحیفوں سے متاخر اور خود آٹھواں ، معہٰذا اور صحیفوں کے مطابق ہے، **چینود** اور **خنیور** کہاں سے آ گیا؟ **پارس** کے منافقوں نے بعدِ استیلائے عرب ،کیشِ اسلام از راہِ فریب اختیار کیا۔ **زردشت** کی عظمت کے اظہار میں معراج اور نظارۂ خلد و سقر

مع اخبارِ معاد جیسا عظمائے اسلام سے سنا ، ہر شے کا ایک اسم وضع کر لیا ۔ 'بنی' اور 'کراسہ' اور چینود و خنیور ، یہ الفاظ سوائے نماز کے گھڑے ہوئے ہیں اور یہ صنعت عرب و عجم کے اختلاط کے تھوڑے دنوں کے بعد بروئے کار آئی ۔ چنانچہ خلیفہ ثانی کی خلافت میں ایک پارسی کی فتنہ انگیزی کتبِ سیر و اخبار میں مندرج ہے ۔ اب یہاں غور کرنی چاہیے کہ شعرِ فارسی کا چرچا مائۂ ثالثۂ ہجریہ میں ہوا ہے ۔ چنانچہ رودکی مداح امیر اسماعیل سامانی اسی سنہ ۳ میں تھا ۔ عسجدی و عنصری و دقیقی و فردوسی ، یہ سب سلطنتِ محمودِ غزنوی میں کہ مائۂ رابعۂ ہجریہ شروع ہوگیا تھا ، بروئے کار آئے ۔ کتبِ عربیہ سے آدابِ شعر و عروض و قافیہ و میزانِ بحور اخذ کرکے زبانِ پارسی میں شعر کہنا اختیار کیا ۔ وہ الفاظِ مستحدث اکثر درجِ منظومات کرتے رہے ۔ چونکہ ان لغات کے واضع بطرف فرہنگ لکھنے کے متوجہ نہ ہوئے تھے ، جیسا جس نے سنا ، ویسا لکھ دیا ۔ جیسا جس نے لکھا ہوا دیکھا، ویسا سمجھ لیا ۔ الفاظِ حقیقیِ فارسیِ قدیم میں بھی بحسبِ ضرورت یا ازراہِ اظہارِ قدرت لفظاً و معناً تصرف کیا، جیسا کہ 'خاور' بمعنی مغرب و 'باختر' بمعنی مشرق ۔ پھر شعرائے عہدِ محمودِ غزنوی کے بعد بدعتیں اٹھتی گئیں اور الفاظِ غریبۂ موضوعہ ترک ہوتے گئے ۔ یہاں تک کہ چینود و خنیور فردوسی و اسدی یا شاذ [و] نادر اور شعرا کے کلام میں

ایک آدھ جگہ کے سوا کہیں پایا نہیں جاتا اور یہ جو متاخرین میں فرزانہ بہرام وغیرہ تلامذۂ آدر[1] کیوان نے اپنی نظم میں ان الفاظ کا استعمال یا صراط کا ذکر لکھا ہے، یہ لوگ تو واضعینِ لغات کے اخلاف و اعقاب میں سے تھے اور اپنے اسی عقیدۂ زرد شتیہ پر ثابت قدم تھے، کیوں نہ لکھتے۔ کلام اُن علمائے عجم میں ہے جو عظمائے اہل اسلام میں سے تھے۔ انھوں نے 'باختر' اور 'خاور' کا اضداد میں سے ہونا متروک اور لغاتِ موضوعۂ حادث کا استعمال یک قلم ترک کیا۔ خاقانی اور ناصرِ خسرو علوی کی نظم میں 'کراسہ' اور 'نبی' کہیں کہیں نطرآتا ہے۔ بعد ان کے یہ لغات یک قلم متروک ہو گئے۔ نظامی و سعدی و جامی اور ان کے مابعد مجموعِ ناظمین اور ناثرین نے اس طرف منہ نہ کیا۔ رہے یہ فرہنگ لکھنے والے، نہ ان کے پاس کوئی ماخذ نہ ان کی بات میں کوئی میزان۔ اشعارِ قدما میں لغات دیکھ دیکھ کر موافقِ محل و مقام، وہ بھی محض ازروئے قیاس، معنی لکھتے گئے۔ تین سو برس یعنی خلیفۂ ثالث کے عہد سے محمودِ غزنوی کے وقت تک نقل در نقل ہونے میں کیا کیا تصحیف و تحریف واقع ہو گئی ہوگی۔ اس سے بڑھ کر چھ سات سو برس میں کیا صورت ہو گئی ہوگی۔ فرہنگِ جہانگیری اور مثل اس کے اور فرہنگیں جن کے نام چن چن کر پوچھ پوچھ کر منشی سعادت علی

---

[1] ۔ اصل مطبوعہ نسخے میں یوں ہی ہے بجائے 'آذر کیوان'

نے تپ محرق میں لکھے ہیں ، ان میں خبط در خبط و غلط در غلط کے سوا حسنِ تحقیق کہاں؟ محققین، امور دینی میں مجتہدین کے قیاسات میں متامل رہتے ہیں ، حال آنکہ وہ منقولات کا مقولہ ہے اور نقل کا مدار مجتہدوں کے قیاس کے مان لینے پر ٹھہرا ہے۔ عقلاً امورِ معقول میں اپنے تعقل کو کیوں دخل نہ دیں اور اپنی عقل و قیاس کو کیوں بے کار چھوڑ دیں ۔ نقیضین حق نہیں ہیں ۔ ہم کیوں کر نقائضِ متعددہ کو حق مانیں ۔ ہاں اگر زردشتیوں میں سے کسی نے فرہنگِ لغاتِ فارسی لکھی ہوتی یا ساسان پنجم نے کوئی مجموعہ فراہم کیا ہوتا یا متاخرین میں آذر کیوان کی کوئی تحریر موجود ہوتی اور ہم اس کو مانتے اور وہاں اپنے قیاس کو دوڑاتے تو عقل کے فتوے کے موافق کافر ہو جاتے۔ کیا مزے کی بات ہے ، رودکی و فردوسی و عسجدی و دقیقی سے لے کر مولوی عبدالرحمٰن جامی تک کہ منتھی المتقدمین اور صاحبِ تصنیفاتِ کثیرہ ہے اور پھر ظہوری و نظیری اور ان کے نظایر سے لے کر شیخ محمد علیِ حزین منتھی المتاخرین تک ، نہ کسی نے کوئی فرہنگ لکھی ، نہ کسی نے کوئی قواعدِ فارسی کا رسالہ تصنیف کیا ۔ اہلِ ہند نے تین تین سو چار چار سو برس سے شغل فرہنگ نویسی اختیار کیا ۔ نہ زباں داں نہ سخن ور، اشعارِ شعرا کو ماخذ ٹھہرا کر مطابق اپنے قیاس کے استنباد کرنے لگے ۔ قیاس کم تر مطابقِ واقع ، بیشتر غلط ، مبلغِ

علم متفاوت، افہام مختلف، قیاس اور نقل او رتقلید پرمدار، بے اصل دعوے کی حقیقت پر اصرار۔ محقق کو حق بولنے کی وہ سزا ملتی ہے جو منصور کو انالحق بولنے پر تعزیر ہوئی تھی۔ قصہ مختصر، مولانا غالب تو یہ پوچھتے ہیں کہ ان اسمائے ستہ میں سے پل صراط کا کون سا اسم صحیح ہے اور یہ جو منشی منسی ۲۷ صفحے کی ۵ سطر اور ۶ سطرمیں لکھتا ہے ''یک لغت چینود بجیم فارسی و تحتانی و نون و واو و دال بے نقطہ کہ در زبانِ ژند و پاژند نیز دران کتاب بود و بدانست مرزا اسد اللہ الغالب نیز درست بود، آنرا پنہان نمود'' اور پھر ۹ سطر میں رقم کرتا ہے: ''کہ در فائدۂ دوم بحوالۂ قول ہرمزد ثم عبدالصمد آموزگارِ خویش کہ اشفاقے و الطافے داشت، ازروی فخر نگاشت کہ چینود بہ اعرابِ مجہول بمعنی پلِ صراط است'' فقیر سیف الحق پہلے ہزار بار آیۂ ''لعنۃ اللہ علی الکاذبین'' پڑھتا ہے اور پھر مولانا غالب کی عبارت نقل کرتا ہے: ''اگر گفتہ آید کہ چون پارسیان کیشِ عرب گزیدند ونامِ صراط شنیدند بزبانِ خویش ازبہر آن اسمی تراشیدند۔ پس ازان کہ این قاعدہ روا داشتہ باشیم، میپرسیم کہ از شش اسم صحیح کدام است۔'' جانتا ہوں کہ منشی صاحب تو کیا خاک سمجھیں گے۔ مگر اہلِ علم کو آگاہ کرتا ہوں کہ ''رواداشتہ باشیم'' 'لوفرضنا' کے محل پر ہے اور یہ حریف کے الزام کی تاکید کے واسطے کہا جاتا ہے۔ سخت احمق ہے وہ شخص جو

اس میں سے معنی تسلیم کے لینے کا قصد کرے ۔ فائدۂ دوم کی عبارت جس کا منشی جی حوالہ دیتے ہیں ، وہ یہ ہے : ''چینود بہ اعراب مجہول بمعنی پل صراط نتیجۂ لفظ آفرینی این گروہ بے شکوہ ست،، معنی اس کے یہ ہیں کہ چینود اس طرح پر کہ جس کے لفظوں کے اعراب معلوم نہیں گھڑا ہوا اور بنایا ہوا اس گروہ بے شکوہ کا ہے ۔ اس گروہ کی ضمیر پارسیوں کی طرف راجع ہے ۔ پھر حضرت غالب لکھتے ہیں کہ ''مولانا ہرمزد ثم عبدالصمد این راز بامن میگفت و بر فریب و نیرنگ پارسیان میخندید و نگارندۂ دبستان مذاہب رایکے ازاینان میدانست،، معنی اس کے یہ ہیں کہ عبدالصمد یہ بھید مجھ سے کہتا تھا اور پارسیوں کی مکاری پر ہنستا تھا اور دبستان مذاہب کے مصنف کو منجملہ ان لوگوں کے جانتا تھا ۔ اب اہل علم و فرہنگ خوض کریں کہ ان دونوں عبارتوں میں سے یہ بات کہاں نکلتی ہے کہ عبدالصمد نے اسد اللہ خان کو سمجھایا کہ چینود بمعنی پل صراط ہے اور خان عالیشان نے مان لیا ۔ الفاظ میں سے طریقہ استنباط معنی کا تو منشی جی کا استاد یعنی وہ دکنی بھی نہیں جانتا تھا ۔ بھلا اتنا تو سمجھے ہوتے کہ استاد شاگرد کو لفظ بتائے اور اعراب چھپا رکھے ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔

۱۲

اب منشی جی زنِ حائضہ اور الف نون حالیہ کے پیچھے
پڑے ہیں ۔ فقیر اس کا جواب لطیفۂ سابقہ میں لکھ چکا ہے، فرجد کی
بحث میں کلام کیا جاتا ہے اور یہ بحث محرق کے ۵۱ صفحے
میں موجود ہے ۔ ابتدائی کلام اس بحث میں سیاح کی طرف سے
یہ ہے کہ منشی جی کا مطاع برہانِ قاطع میں لکھتا ہے ''فرجد بوزن
ابجد پدر جدرا گویند کہ پدر سوم است خواہ مادری باشد خواہ
پدری،، حضرتِ غالب قاطع برہان میں رقم کرتے ہیں ''در عربی و
فارسی از بہر پدر جد اسم خاص معین نیست ۔ در عربی آنسو تر
از جد صیغۂ جمع نویسند یعنی اجداد و در فارسی جمع نیا
نویسند یعنی نیاگان ۔'' پس یہ کلام مسکت اور قولِ فیصل ہے ۔
نجم الدولہ کو آگے کچھ لکھنا ضرور نہ تھا اور اگر کچھ لکھا ہے
تو بیجا نہیں لکھا ہے ۔ منشی جی نے صفحہ ۵۰ کی ۱۷ سطر
سے صفحہ ۵۱ کی ۵ سطر تک برہانِ قاطعِ اور قاطع برہان کی
عبارت لکھی ہے ۔ ہر چند حضرتِ غالب کی نگارش واجب التسلیم
ہے ، باتفاقِ عقل و نقل ، لیکن منشی جی سوچیں کہ جب ہندی
لوگ دادا کے باپ کو پردادا کہتے ہیں تو فارسی میں چاہیے

فرجد کہتے ہوں ، اقول لکھ کر اپنے اقوال لکھتے ہیں ۔ سب کو
کون نقل کرے ۔ مگر ایک فقرہ بہ طریق مشتے نمونہ از خروارے
لکھتا ہوں ۔ یعنی منشی جی علم ِ لغت میں خروار ہیں اور یہ
فقرہ مشتے ہے ۔ ''ہاں اگر مرزا اسد الغالب از روے اجتہاد ِ
زبان دانی بگمان ِ خویش لفظ ِ فر را عربی و جد را فارسی قرار دادہ
باشند جای خندیدنست،، فقیر سیف الحق کہتا ہے کہ اہل علم و
عقل ارشاد کریں کہ مولانا غالب نے 'فر' کو عربی اور 'جد' کو
فارسی کہاں قرار دیا ہے؟ ۔ فقرہ ان کا اس نگارش میں مرقوم
اور سراسر عبارت ان کی تپ ِ محرق کے ۵۱ صفحے میں موجود
ہے ، اس میں سے یہ مطلب نکلے تو میں گنہگار اور منشی جی
رستگار ۔ اور یہ نہیں تو منشی جی کا حسن ِ ظن بھونڈا
ہے ، فحول ِ علما میں ان کا حسن ِ ظن کسی کو پسند نہ
آئے گا اور یہ منشی جی لکھتے ہیں ''آن پادشاہ سلطنت
جد ِ خود از پدر خود گرفتہ بود،، یہ سراسر خلاف قران السعدین
اور منافی کتب تواریخ ہے ۔ بعد سمجھنے مطالب قران السعدین
کے اور دیکھنے کتب تواریخ کے ثابت ہوجائے گا کہ امیرخسرو
کا ممدوح تخت سلطنت دہلی پر اپنے دادا کی جگہ بیٹھا تھا اور اس کا
باپ بلاد شرقیہ میں جداگانہ سلطنت کرتا تھا ۔ اور یہ جو
منشی جی لکھتے ہیں کہ فرہنگ رشیدی نے 'فرجد' بمعنی جد اعلیٰ
لکھا ہے ، ہم کہتے ہیں کہ یہ صفت ہے جد کی ، جیسے والد

ماجد ایسا جد امجد ۔ خیر فارسی میں جد امجد کی جگہ 'فرجد' لکھا حاشا کہ 'فرجد' سے پردادا مراد ہو ۔ جیسے جد کی صفت امجد ویسا ہی اعلیٰ۔ نہ امجد میں تثنیہ ہے، نہ اعلیٰ میں ، اور یہ جو فقہا پردادا کو جد اعلیٰ لکھتے ہیں ازروئے مجاز ہے ۔ جب عربی اور فارسی میں پردادا کا کوئی اسم نہ پایا تب اس کا جد اعلیٰ اور مورث اعلیٰ لقب ٹھہرایا ۔ اور منشی جی جو امیر خسرو کا دوسرا شعر ۵۳ صفحے میں لکھتے ہیں ۔ ع

فرجد والاش ز بہر کرم الخ

یہاں بھی 'والا' ، مانند 'اعلیٰ' کے صفت ہے نہ تثنیہ اور اگر صفت افادۂ معنی تثنیہ کرتی ہو تو منشی جی کو از روئے والد ماجد ایک اور باپ والد حقیقی سے بڑا بہم پہنچانا ہوگا ۔ اور یہ جو منشی جی سنائی کا شعر ۵۴ صفحے میں لکھ کر کہتے ہیں کہ غالب یہاں بھی 'فرجد' کے معنی کرامت کہے گا ۔ میں کہتا ہوں کہ 'فرجد' بہ جیم مضموم بوزن ہرگل مخفف 'فرجود' اور 'فرجود' بمعنی کرامت ہے ۔ بی شبہ و شک اگرچہ فقیر بسبب منشی جی کی غلط نویسی کے شعر کو درست نہیں پڑھ سکتا ، نقل کیے دیتا ہوں ۔

داشتہ فرجدش دہے روزے
در سر این فضول دہقانے

پس اس شعر کے پیش نظر مصرع میں اگر منشی جی 'فرجد' بجیم مضموم پڑھتے ہیں تو معارض کو ایک اور دلیل ان کے

حمق پر ہاتھ آئی ۔ اور اگر 'فرجد' کہتے ہیں تو وہی جد امجد یعنی دادا ، نہ پردادا ۔ اور یہ جو فرماتے ہیں کہ "کرامت نام کنیز بود" 'ہے ہے' منشی جی بھول گئے ۔ 'فراز' کی بحث میں دیکھیں کہ حضرت گھر کا دروازہ بند کیے بیٹھے تھے ، جب راجہ اندر کا اکھاڑا آسمان پر سے آپ کے گھر میں اتر آیا تو آپ نے اسی لونڈی کو فرمایا تھا کہ کرامت جلد اٹھ اور دروازہ کھول ۔ سچ تو یہ ہے کہ منشی جی کا یہ کلام کتنا بلیغ ہے ۔ اس میں کیسا لطف ایہام ہے؟ کرامت یعنی 'فلاں نکروا" یہ نہی ہے اور دروازہ کھول یہ امر ہے ۔ ایہام یہ کہ بحذف حرف ندا ، کرامت کنیز کو پکارا ہے ۔ خدا منشی جی کو سلامت رکھے ۔ ظرفا کے تو نور بصر اور راحت جان ہیں ۔ کفالہ اور فکالہ کی بحث میں کثرت امتلا سے منشی جی کا پیٹ اتنا پھولا کہ سارے جسم میں فقط پیٹ باقی رہا اور کچھ نہیں ۔ زندگی تھی جو مسعود کے شعر اور امیرخسرو کے شعر کے دو سُدّے خود ان کی نثر کے ساتھ ، جس کو رطوبت غلیظ کہنا چاہیے، ان کے منہ کے رستے نکلے مادہ محتبس دفع ہو گیا ، ورنہ بڑی قباحت ہوتی ۔

۱۳

صفحہ ۴۵ کی ۷ سطر میں منشی جی لکھتے ہیں کہ ''ماہم آفرین صد آفرین حکیم محمد حسین دکنی تبریزی رامیگویم و میگویم'' کیا خوب ! اردو اس کا یہی ہوا کہ ہم آفرین کہتا ہے اور کہتا ہے ۔ لفظ ہندی لہجہ انگریزی ۔ اسی صفحہ میں نقال دکن کی پالی ہوئی گلہری جس کا نام اس نے کلہری ، بوزن بہری رکھا ہے، دیوار پر سے اتر آئی ۔ حیران ہوں کہ اس بحث میں منشی جی کو کلام کرنے سے مقصود کیا تھا ۔ بات یہ ہے دکنی ہاتی نے گاہری کو ذیل لغات فارسی میں لکھا ہے مگر مسخ کر کے ، یعنی دراصل 'گلہری' بکاف فارسی مکسور مشہور ہے اور برہان قاطع میں بکاف عربی مفتوح بوزن اُبھری مسطور ہے ۔ حضرت غالب کو ہموزن پر نظر کر کے تحیر و تردّد ہوا کہ آیا 'اُبھری' بروزن انوری و اشرفی ہے ۔ پس گلہری جو اکہری کے وزن پر تھی ، کاف عربی کے عجمی و مفتوح ہو جانے سے 'کلہری' بروزن مسہری ہوتی ہے ، یہ بروزن ابھری و انوری کیونکر ہوگئی ؟ اس راہ سے انھوں نے ہم وزن کو نامانوس لکھا ۔ سچ ہے جب اس اسم کو دو استحالے

بلافصل واقع ہوں تب ہموزن ابہری و انوری ہو - غالب نے باعتبار نادرستی وزن ہموزن کو ناموزوں کہا ورنہ کون فارسی داں ہو گا جو نہ جانتا ہو گا کہ 'ابہر' بلاد ایران میں سے ایک شہر کا نام ہے - ۵۵ صفحے کی ۹ سطر میں منشی جی رقم فرماتے ہیں "ابہری را کہ مرزا اسداللہ غالب لفظ نامانوس مینگارد، فی الحقیقت نامانوس ایشان است و لاکن در ملک دکن و ایران دران زمان چیزے را ضرور گفتہ باشند،" پہلے تو اس ظن کا لطف دیکھنا چاہیے کہ اس زمانے میں کسی چیز کو کہتے ہوں گے - پھر یہ تو دوھتڑ مارنے کا مقام ہے "کہ در ملک دکن و ایران الخ" کوئی احمق ہوگا جو منشی جی کو احمق نجانے گا - کیا دکن اور ایران کی زبان ایک ہے ؟- پھر اسی صفحے کی ۱۳ سطر میں لکھتے ہیں "پس از نگارش این سطور در غیاث اللغات نگریستم کہ ابہری بروزن احمدی منسوب بہ ابہر کہ شہریست قریب زنجان،، پھراسی صفحے کی ۱۵ سطر میں فرماتے ہیں کہ "مرزا اسد اللہ الغالب در اگرہ و دہلی بسر کرد ، زنجان و اصفہان کے دید کہ ابہر را میدید،، یا رب مگر معرفت اسمائے بلاد ان بلاد کے دیکھنے پر موقوف ہے! اس راہ سے معلوم ہوا کہ غیاث الدین رام پوری موافق منشی جی کے عقیدے کے ابہر کو دیکھ آیا ہے - اگر کہیں گے کہ کتبِ متداولہ میں دیکھ کر لکھا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ضرور نہیں کہ ان لکھنے والوں میں

جس کو پہلا ناقل کہیے وہ ابہر کو دیکھ آیا ہو ۔ اسمائے بلاد و جبال و عیون و آبار و قلاع و بحار مسموعات میں سے ہیں ۔ سماعت کافی ہے، مشاہدہ ضروری نہیں ۔ حضرتِ غالب کی عمر مشاہدۂ کتب میں گزری ہے ابہر شہر کا نام جاننا کون سی بڑی بات ہے ۔ منشی جی اپنی قسمت کو پیٹیں کہ اتنی عقل بھی خدا نے ان کو نہ دی کہ بغیر غیاث اللغات کے دیکھے جانتے کہ ابہر بروزن احمق کسی شہر کا نام ہے، اور یہ بھی عقل کی کوتاہی ہے کہ حضرتِ غالب ابہری کو بہ اعتبار تفرقۂ وزن نامانوس کہتے ہیں ، اور منشی اچھلتا ہے کہ غالب ابہر کو نہیں جانتا ۔ پسودن اور بسودن کا ذکر تقریباً اوپر لکھ آیا ہوں ۔ مکرر لکھنے کی حاجت نہیں ہے۔ نبی اور کراسہ اور چینود کا ذکر بھی مجملاً آ گیا ہے ، تفصیل کی احتیاج نہیں ۔ 'نسیج' کے عربی ہونے میں کچھ تامل نہیں، منشی جی اگر اس کو دکنی لغت ٹھہراتے تو کون مانتا ؟ غنیمت ہے کہ انھوں نے لکھا مگر دکنی نے جو بہ جیمِ فارسی لکھا ہے ، اس کو بھی جائز رکھا اور 'خرج'، کہ بجیمِ عربی ہے اور زبان زدِ خلق بجیمِ فارسی ہے اس کو اس جواز کا نظیر ٹھہرایا ۔ سیف الحق چپ ہے ، دیکھیے صاحبان علم و عقل اس کو مانتے ہیں یا نہیں ۔ اے خاکپائے حرف شناسانِ الف با تا، دکن کے بنیے سے تمھارا رشتہ ناتا ، برہان دکان اور محرق بہی کھاتا ، اس شعر کا صلہ دلواؤ ، سخی داتا :

رہے ہمچون چہ تاریک در ویرانہ انجیرہ
سراسر گرددے از موی ہمچون سبزہ زنجیرہ

۱۴

ہوس بہ فتحتین کی بحث جو تیپ محرق کے ۶۱ صفحے کی ۱۵ سطر میں مرقوم ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ جامع برہان لکھتا ہے ''ہوس باثانی مجہول بروزن طوس بمعنی ہواو ہوس باشد،،۔ منشی جی نے اس فقرے کی نقل میں ایک صنعت صرف کی ہے یعنی بروزن طوس کا لفظ نقل نہیں کیا۔ یہاں ہم کو معلوم ہوا کہ منشی جی کی عقل اس دکنی سے زیادہ ہے جو لفظ بے معنی اور بے محل کا ذکر نہ کیا۔ یعنی اپنے مرشد اور استاد کا عیب چھپایا۔ بہر حال خان غالب کا اعتراض یہ ہے کہ ہموزن غلط ہے۔ طوس جو ایک پہلوان اور ایک شہر کا نام ہے بروزن روس بہ واو معروف ہے۔ دکنی نے بہ واو مجہول لکھ کر جو بروزن طوس لکھا ہے یہ اس کا حمق ہے۔ منشی جی دفع اعتراض میں ایک شعر ابن یمین کا بطریق سند لکھتے ہیں :

رزم بر رزم اختیار مکن
ہست مارا بخود ہزاران ہوس

فقیر سیف الحق لکھتا ہے کہ فرہنگ لکھنے والوں نے یہ شعر مصنف کی زبانی نہیں سنا۔ دوسرا شعر بھی قطعے کا مرقوم نہیں

جو وہم قافیے پر تصحیح اور تصدیق کی بنا رکھیں۔ شعرائے عجم نے الفاظ میں تصرفات کیے ہیں، مگر اس تصرف کے واسطے قواعد قرار دیے ہیں۔ ازانجملہ حرفِ ساکن کا متحرک اور متحرک کا ساکن کر دینا، جیسا کہ کفن کو بسکونِ فا اور لطف کو بحرکتِ ثانی لکھا ہے۔ طالبِ آملی علیہ الرحمۃ:

چون شدش کارِ کفن و دفن بساز
خلق گشتند از مزارش باز

نظامی علیہ الرحمہ مخزنِ اسرار میں فرماتے ہیں:

آب گرفتم لطف افزون کند

ابنِ یمین کا تین شعر کا قطعہ ہے۔ فقیر نے دیکھا ہے مگر اب حافظے میں موجود نہیں۔ اس میں ہوس بسکونِ واو ہے، مگر فتحۂ ہای ہوز بدستور بحال و برقرار رہا۔ اوپر کے دو شعروں میں قوس اور فردوس قافیہ ہے۔ ہوس بروزن کوس ہرگز نہیں اور اسی قبیل سے یہ مصرع:

در خانہ بجز شعلۂ آتیش ندارم

کہ جامعِ فرہنگِ جہانگیری اس کو بتایِ قرشتِ مکسور و یایِ معروف سمجھ کر تحتانی کو مشبع جانتا ہے اور آتش بروزنِ تابش کا مدعی ہے عیاذاً باللہ من سہو الافکار۔ اس مصرع میں 'آتیش' بہ مثناۃِ تحتانیِ مفتوح ہے اور یہ مصرع استاد کے قطعے کا ہے، جس کے قوافی عیش و طیش و جیش

ہیں ۔ فرہنگ لکھنے والوں نے اساتذہ کے کلام میں جو لغت پایا ، اس کو جس قیاس میں آیا تلفظ میں لائے ۔ لسانِ عربی کے سے قواعد زبانِ فارسی میں کہاں منضبط تھے، جو ان قواعد کے مطابق لغات پر غور کرتے ۔ جو جس کو سوجھی وہ بات اس نے ٹھہرا لی ۔ ۱۳ صفحے میں جو منشی جی نے رقص میمون شروع کیا ہے اس کا مشاہدہ نشاط انگیز ہے ۔ حاشیے پر لکھتے ہیں: ''فروزہ بالضم بمعنی روشنی و نور'' ۔ اچھا میرے منشی جی فروزہ بالضم تم کو کس نے بتایا اور صفت کے معنی تم نے کیوں ترک کئے؟ ۔ فروز صیغہ امر کا ہے بحذفِ الف ، افروختن کے مشتقات میں سے ، مابعد اس کے ہای مختفی، جیسے لرز اور لرزہ، سوز و سوزہ ۔ پس فروزہ بفایِ مفتوح چاہیے نہ بفای مضموم ۔ یہاں فایِ مضموم، مذموم ہے ۔ پھر اسی حاشیے پر لکھتے ہیں ''شوراسہ طعم ذایقہ و ہم غوغا است'' اولوا الابصار پہلے حسنِ ترکیبِ الفاظ دیکھیں ، پھر معانی کے نون پانی کا مزا چکھیں ۔ ہے ہے جس کو شورامہ و شورابہ میں تمیز نہ ہو وہ متصدیِ فنِ تحریر ہو اور تحریر بھی مقابلے اس کے کہ جو آج انشاد(۱) اور انشا کے مجموعِ فنون میں ایک آیت ہے آیات الٰہی میں سے، یعنی نوابِ معالی القاب نجم الدولہ دبیرالملک اسداللہ خان بہادر نظام جنگ سلمہ اللہ العلی العظیم ۔ یہاں اس طالب علم سیاح سیف الحق کو میاں جرأت کے مخمس

---

۱ ۔ دیکھیں تعلیقات

کا ایک بند یاد آیا ۔ بحسبِ مناسبتِ مقام لکھ دیا جاتا ہے :

دیا سلائی جو بیچیں تھے یا کہ سرکنڈا
ہوئے وہ صاحبِ لشکر بنا کے اک جھنڈا
ہوائے باغِ جہاں سے ہو کیوں نہ دل ٹھنڈا
کہ ٹیٹی مرغی کا بچہ کھٹکتے ہی انڈا
حضورِ بلبلِ بستاں کرے نواسنجی

حقِ تحقیق کہ یہ بھی اسی نسبت کا فیض ہے جو میں **حضرتِ غالب** کی جناب میں رکھتا ہوں ، ادا کرتا ہوں ۔ **اورامہ** و **شورامہ** دو زمزمے ہیں اہل **پارس** کے ، مختلف الاصول والاصوات جیسے ہندی میں ٹپا اور ٹھمری ۔ شورابہ و تلخابہ و خونابہ اور زردابہ یہ ترکیبیں اور ہیں ۔ معنیِ مرقومہ حاشیہ **منشی جی** نے اپنی گٹھری سے نکال کر لغات کو پہنائے ، لیکن صد حیف کہ لغات کے بدن پر ٹھیک نہ آئے ۔ ۶۳ صفحے کی ۱۶ سطر میں ایک مولوی صاحب کا نام لے کر کہتے ہیں کہ ''انھوں نے **قاطعِ قاطعِ برہان** میں خوب کچھ لکھا ہے'' اہا ہا ہا ! اب بھید کھلا **منشی جی** کو اپنی کتاب کے تسمیے میں **مولوی** صاحب کا تتبع منظور ہے ، **قاطعِ قاطعِ برہان** اور **محرقِ قاطعِ برہان** ۔ **مولوی** جی نے **قاطعِ برہان** کو کاٹا **منشی جی** نے جلایا ۔ بہر حال **منشی** جی کو **مولوی صاحب** کے ذکر سے اپنے کو اس مثل کا مصداق بنانا ہے کہ میں مرد نہیں میرا بھائی مرد ہے ۔ بات یہ ہے کہ فارسی دانانِ **ہند محقق** نہیں ہیں ، مقلد ہیں ۔ اکثر تو **قتیلِ**

بے سرمایہ کے بچاری ، اس کی تالیفات کو آنکھ کی پتلی بنائے ہوئے ہیں - جو بلند پرواز ہیں وہ برہانِ قاطع کو عرش المعرفت جانتے ہیں اور اس کے اقوال کو مانتے ہیں - پس جب کوئی محقق حق و باطل کا ممیز ہو اور دکنی کی اغلاط ظاہر کرے تو وہ حضرات طیورِ آشیان گم کردہ کیوں نہ بن جائیں ؟ جب ان کا ماخذ تباہ ہوگیا تو وہ اب سند کس کو ٹھہرائیں ؟ جس میں یہ دوصفاتِ ثبوتی جمع نہ ہونگی، یعنی حقیقتِ زبانِ فارسی سے آگہی اور انصاف کا ملکہ ، معلہذا یہ دو صفتیں سابی بھی معاً موجود ہوں گی ، یعنی مردہ برست نہ ہوگا اورحسد بیشہ نہ ہوگا ، وہ تو غالب کی قدر جانے گا اور اس محقق مدقق کے قول کو مانے گا اور ایسے لوگ دنیا میں کم ہوں گے - بس اس صغریٰ اور کبریٰ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرتِ غالب کے منافقین و منکرین ہزار در ہزار پیدا ہو جائیں گے - ہر چند اہلِ حق انہیں سمجھائیں گے، لیکن وہ انکار سے باز نہ آئیں گے- جہل مرکب کا علاج محال ہے - علمِ عربی کی قوت سے فارسی‌دانی محض وہم و خیال ہے - پھر منشی جیِ مخبط ٦٥ صفحے میں حضرتِ غالب کی طرف جنون کو منسوب کرکے ایک طبیب خاص سے رجوع کرنے کا حکم دیتا ہے - کوئی اس تہی‌مغز سے پوچھے کہ حکیم کے نام کی قید کیا ضرور ؟ اس قدر لکھنا کافی تھا کہ غالب کو سودا ہوگیا ہے، اطبا سے رجوع کرے، فصد کھلوائے ،

سمجھ لے، ماء الحبن ہیے۔ اہلِ عقل بے اس کے کہ میں کہوں، سمجھ جائیں گے کہ منشی جی سڑی ہیں، پاگل ہیں۔ صفحہ ما قبل یعنی صفحہ ۶۴ سے آخر صفحہ ۶۵ تک جو صاحبِ خبرت و بصیرت منشی جی کی عبارت کو بہ امعانِ نظر دیکھے گا اور مبتدا و خبر و شرط و جزا کی تباہی اور روابط کی برہمی دریافت کرے گا، کیوں کر نہ کہے گا کہ یہ عبارت مجذوب کی بڑ یا پاگل کا غل ہے۔ بارے دفعِ اعتراضات کی تقریر منشی جی نے تپِ محرق میں تمام کی۔ اب حضرتِ غالب کی عیوب شماری پر آمادہ ہوئے ہیں۔

تو کارِ زمین را نکو ساختی
کہ با آسمان نیز پرداختی

۱۵

چرگر اور وچرگر کے باب میں جو ۶۶ صفحے سے ۷۰
صفحے کی پہلی سطر تک جو کچھ منشی جی نے لکھا ہے ،
عقل سلیم اس کو قبول نہیں کرتی کہ چرگر پیمبر کو بھی کہیں
اور مطرب کو بھی کہیں ۔ یہ بھی مثل خاور اور باختر کے
متقدمین کے کلام میں آیا ، مگر متوسطین نے سوء ادب سمجھ کر
ترک کیا اور متاخرین کا اتفاق رائے اسی پر رہا ۔ واہ منشی جی!
چرگر کو کہیں 'میر' کا نظیر سمجھے ہو کہ سادات کو بھی میر
کہیں اور گندھی بھی میر کہلاتے ہیں ۔ حضرت وچر فتویٰ اور
وچرگر مفتی ۔ بطریق تنزل وچرگر پیمبر کو بھی کہہ لو، چرگر نہ
مفتی کو کہا جائے نہ پیمبر کو ۔ اگر کسی فرہنگ والے نے
لکھا تو وہ غلط فہم ، اگر کسی شاعر نے لکھا تو وہ غلط گو ۔
صفحہ ۵۹ میں منشی جی ایسا کچھ لکھتے ہیں جس سے معلوم
ہو کہ ہرمزد جس کو حضرت غالب اپنا استاد بتاتے ہیں ، وہ
وجود خارجی نہیں رکھتا تھا ۔ ہاں سچ ہے۔ وہ ایسا وجود خارجی
نہیں رکھتا تھا کہ ناصحی کے ساتھ مترادف بالمعنی ہو ۔ ساسان پنجم
کی اولاد میں سے ، رہنے والا یزد کا ، ایک امیر زادۂ جلیل القدر

جس نے پچاس برس علمائے عرب و بغداد سے علومِ عربیہ حاصل کیے
اور طریقہ زردشتیہ چھوڑ کر دائرۂ اسلام میں آیا اور پھر ہندوستان
میں تشریف لایا اور حضرت غالب سے ملا اور دو برس ان کا
مہمان رہا ۔ اس کو منشی جی کس دلیل سے جھوٹ کہتے ہیں ؟
نجم الدولہ جھوٹ نہ بولیں گے، مگر ہاں بموجب اس مصرع کے۔ ع

کاذب ہمہ را بکیشِ خود پندارد

منشی جی جیسے آپ ہیں ویسا اور کو بھی سمجھتے ہیں ۔
مخالفینِ مذہبِ اسلام اس طریق کو جھوٹا جانتے ہیں اور وہ
از روئے شمار لاتعدو لاتحصلی ہیں۔ عیاذاً باللہ، کیا اس اجماع سے مذہبِ
اسلام باطل ہوا جاتا ہے ؟ منشی جی ایک آدمی اور وہ بھی بہ
اعتبارِ فقدانِ علم و ادب نیم آدمی ۔ اگر آدھے آدمی نے ایک امرِ
ممکن کے وقوع کا انکار کیا ، تو ان کے انکار سے کیا ہوتا ہے ۔

۱٦

۷۰ صفحے میں حضرتِ غالب کی عبارت لکھ کر منشی اس کا مجیب ہوتا ہے۔ عبارت یہ ہے ''آکنون در دبستانِ مذاہب مینگرم کہ پشتن و پشتہ بہ تحتانی نوشتہ اند۔ حاشا کہ رقم سنجِ دبستان مذاہب کہ گران مایہ ایست ، بہ غوامض دین زردشتیان و نطق پارسیان دانا درین منطق خطا کند و پشتن را پشتن بیای حطی نگارد۔ اتفاقِ کاروان کاروان کاتبان است بر غلط نوشتن۔ نگرندگان مشاہدہ را شاہد گرفتند وہم برین جادہ رفتند'' اب یہاں ایک نشاط انگیز بات سنیے۔ منشی جی صفحہ ۱۷ کی سطر ۸ میں لکھتے ہیں کہ ''مرزا اسداللہ غالب مینگارد کہ ''آکنون در دبستانِ مذاہب مینگرم کہ پشتن و پشتہ بیایِ تحتانی درست و بجا'' یارب یہ حمقِ مجسم اور کذبِ مصور کیا لکھتا ہے ! یہ وہی مثل ہے کہ من چہ میگویم و تنبورۂ من چہ میگوید(۱)۔ حضرتِ غالب کب لکھتے ہیں کہ درست و بجا ، بلکہ لکھتے ہیں کہ حاشا ! صاحبِ دبستان مذاہب پشتن کو بیایِ حطی لکھے! ، کاتبوں کی غلط نویسی ہے۔ دکنی کی تخطئہ ہای عدیدہ ثابت ہونے سے یہ غصہ آیا کہ منشی جی کی عقل کا چراغ گل ہو گیا۔ بات کچھ ہے ، سمجھتے کچھ ہیں۔

---

۱ - دیکھیں تعلیقات

پھر بعد اس دہرپت کے ایک ٹھمری یہ گاتے ہیں کہ ”صاحب قاطع برہان رقم می‌زند کہ پوزیدن بمعنی عذر آوردن است، لو صاحب یہ منشی جی کی تحریر تو میرے مفید مطلب ہے۔ فی الحقیقت پشتن بہای فارسی مصدر اور 'پوزد' مضارع اور 'پوزدن' مصدر مضارعی اور 'پوزیدن' مزیدعلیہ۔ جیسے 'آوردن' اور 'آوریدن'۔ 'یشتن' بیای حطی سہو کتابت ہے اور مستند سہو کاتب ہونا حماقت۔ پھر اسی صفحے میں منشی جی کا ماحصل تقریر یہ ہے کہ رشیدی پوزش کو بمعنی 'عذر' اور 'می پوزد' کو بمعنی 'عذر میکند' لکھتا ہے۔ پس ازروی فرہنگ رشیدی بھی پوزش و 'می پوزد' کا وجود متحقق ہوگیا۔ اللہ رے فقدان قوت عاقلہ اور انعدام قوت متعلہ کہ لکھتا ہے کہ 'پوزدن' و 'پزدن' کہیں نظر نہیں آیا۔ کوئی پوچھے کہ دیکھ دکنی بھی 'پوزیدن' بمعنی 'عذر آوردن' لکھتا ہے اور واقعی جب 'پوزیدن' نہ ہو تو 'پوزد' کس کا مضارع ٹھہرے۔ اور جب 'پوزد' نہ ہو تو 'می پوزد' کہاں سے آجائے۔ اصل مصدر 'پشتن' اس کے مضارع میں سے 'بوزیدن' پیدا ہوا، 'پوزدن' اس کا مخفف ہے جیسے 'پرداختن' باالف 'پردختن' بے الف۔ یہ مدارج لکھ کر ہم پوچھتے ہیں کہ 'پوزیدن' و 'پوزش' کے منشی جی قائل ہیں، پس اب یہ فرمائیں کہ اگر 'پشتن' بہای فارسی مضموم اصل مصدر نہیں تو 'پوزد' کس کا مضارع اور 'پوزیدن' کیوں کر بنا۔ جب منشی جی کے نزدیک پشتن بہ تحتانی

صحیح ہے تو اس میں سے 'یوزد' اور یوزش بہ تحتانی پیدا ہوگا، نہ 'پوزد' و پوزش ببای فارسی۔ میاں داد خان! کیوں اپنا دماغ خالی کرتا ہے، منشی جی کیا جانیں کہ مصدر اصلی کس درخت کو کہتے ہیں اور مضارع کس پھل کا نام ہے اور مصدر مضارعی کون سی ترکاری ہے۔ تماشے کی بات ہے یہ پیر نابالغ جس لغت یا جس ترکیب کو آپ نہیں جانتا اس لغت اور اس ترکیب کی موجودیت کا قایل نہیں ہوتا۔ جو بات اس کے احاطۂ علمی سے باہر ہے وہ اس کے نزدیک معدوم ہے۔ ایک فقرہ سب فقرات سے زیادہ لطیف ہے۔ فقیر اگرچہ اس کے معنی نہیں سمجھا لیکن لطف اٹھا رہا ہے۔ "ادعای مرزا اسد اللہ غالب بہ پوشتن و پشتن و پوشتہ و پشتہ ببای فارسی بدون از سند مثل دیگریان ہذیانست،، اگر لفظ 'یان' دیگر کے ساتھ ربط رکھتا ہے تو 'دیگریان' کے معنی کیا ہیں اور اگر یان ہذیان جملۂ مرکبہ ہے تو اس کے معنی پوچھنے سے گزیر نہیں۔ حاشیے پر منشی جی لکھتے۔ "یان بہ تحتانی 'یوز جان' سخن نامربوط آنرا ہذیان ہم خوانند،، بادی النظر میں 'یوزجان' کا لفظ کھٹکتا ہے کہ آیا یہ چغدی فارسی کا لغت ہے یا سغدی فارسی کا! بایِّ حال اس کے اعراب کی کیا صورت ہے؟۔ بعد خوض اور غور کے قیاس کیا جاتا ہے کہ 'یان' بوزن 'جان' ہے۔ کاپی لکھنے والا نون لکھنا بھول گیا۔ اب اب یہاں سوال وارد ہوتا ہے کہ 'یان' بوزن 'جان' بمعنی ہذیان

کس فرہنگ سے منقول ہے ۔ مانا کہ گو ہم نے نہیں سنا ، لیکن وجود اس لفظ کا ہوگا جب اتنے مرحلے طے کیے ۔ سہوِ کاتب اور وجودِ لفظ بمعنی ہذیان ، ان ہفوات کو تسلیم کرلیا تو اب ہم یہ کہتے ہیں کہ الفاظِ مترادف بے واوِ عاطفہ نہیں آیا کرتے 'غم والم' لکھیں گے ، 'غم الم' نہ لکھیں گے ۔'عیش و عشرت' لکھیں گےعیش عشرت نہ لکھیں گے منشی جی نے یاں ہذیان بحذفِ حرفِ عطف کیا سمجھ کر لکھا ؟ ۔

۱۷

اب منشی جی دفعِ اعتراضات سے فراغت کر کے خانِ غالب کی عبارت پر اعتراض کر رہے ہیں - یہ وہی بات ہے کہ "مہ نور میفشاند و سگ بانگ می‌زند - کچھ ان اعتراضات کی اصل ہو تو میں اس کا جواب دوں - منشی جی کی عبارت میں کوئی فقرہ ایسا نہیں جس میں غلطی نہ ہو - ان کو ایک فصلِ جداگانہ میں کہنا، گویا منشی جی کو ایک شخصِ عالم و فاضل سمجھنا ہے - معٰہذا تکافو اور تساوی لازم آتا ہے یعنی جیسا کہ اس بزرگ نے نجم الدولہ بہادر کی تحریر پر خردہ گیری کی ہے - جو حق شناس متصدیِ اعلانِ حق ہوا ہے، وہ بطریقِ مکافات بہ مثل منشی کی نگارش کے عیوب ظاہر کرے - بعینہ یہ وہ بات ہے کہ ایک دابتّے نے کسی آدمی کو لات ماری اور وہ آدمی غصہ میں آ کر اس دابتّے کے لات مارے - جس مقام پر کہ فقیر سیف الحق نے منشی جی کی تحریر کی غلطی کا اظہار کیا ہے وہ بہ اقتضائے حقیقت جواب ہے، ورنہ ان کی بے علمی اور فارسی زبان سے ان کی نا آشنائی ایسی نہیں ہے کہ ابراز کی حاجت رکھتی ہو - صفحہ ۷۷ میں ایک مضحکہ ہے کہ

اطفالِ دبستان نشیں بھی ان کو پڑھیں تو منشی جی کے پیچھے تالیاں بجاتے دوڑیں۔ فرماتے ہیں کہ زبانِ دری میں **باس** بمعنیِ قدیم مقابل 'حادث' ہے۔ جھوٹے کو خدا شرمائے۔ موافق منشی جی کے ادعا کے لازم آتا ہے کہ ذاتِ باری کو باستانی کہیں اور یہ جو منشیانِ بلاغت شعار کی عبارات میں کتبِ باستانی اور شاہانِ باستان مرقوم ہے کتابوں پر اور سلاطین پر حکمِ قدیم جاری کر کے تعددِ قدما کا اقرار کیا جائے اور یہ جو بکتے ہیں کہ ''نان و طعام کو باسی باعتبارِ بوی بد کہتے ہیں۔'' بھلا پانی پر بھی یہی حکم جاری کریں گے اور باسی پانی سے بد بو پانی مراد لیں گے؟ نہ منشی جی! لوگوں کو اپنے پر نہ ہنساؤ۔ باس ترجمہ ہے ماضی کا۔ ماضی اور قدیم متحدالمعنی نہیں ہیں۔ اس مسئلے کو تم انہی **مولوی صاحب** سے تحقیق کرلو جن کا تم نے ۶۴ صفحے میں نام لکھا ہے۔

۱۸

ایک دن میرا ایک دوست ظریف طبع ، **محرقِ قاطعِ برہان** کو دیکھ رہا تھا اور میں بھی حاضر تھا ۔ صفحہ ۴۳ سطر ۱۶ میں لکھا دیکھا کہ ''مردمِ عوام جم گفتن آغازید،، ہم دونوں متعجب ہوئے کہ جمع کی خبر کا استعمال مفرد کے ساتھ کیونکر درست ہوگا ۔ آغازید کی جگہ آغازیدند چاہیے تھا ۔ نون دال کہاں گیا ۔ اگر منشی جی کو بھوک لگی تھی دال کھا جاتے ، نون کیا ہوا ۔ اس دوست نے کہا نون عربی میں مچھلی کو کہتے ہیں ، بھلا یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ منشی جی ایسی غذائے لذید چھوڑ دیتے اور ابالی دال پر قناعت کرتے ۔ پھر صفحہ ۸۵ کی ۶ اور ۷ سطر میں یہ فقرہ نظر آیا کہ ''لاحول ولا قوۃ ، من این قدر قلم‌چرا سود،، حیرت ہوئی کہ 'سودن، پیسنا اور 'فرسودن، 'گھسنا، اطفالِ دبستان آمد نامہ میں یوں ہی پڑھتے ہیں ۔'سودن' صندل اور سرمہ اور غالیہ اور لخلخہ وغیرہ کے واسطے موضوع ہے ، قلم کے واسطے 'فرسودن' ہے نہ 'سودن'۔ خامہ فرسائی لکھتے ہیں نہ خامہ سائی ۔ اس دوست نے کہا کہ منشی جی نے خفا ہوکر قلم کو سرمے کی مانند پیس ڈالا ہوگا ۔ میں نے کہا کہ من کی

خبر 'سود'، بھلا اس کی توکوئی وجہ اور تاویل کرو ۔ 'سودم' کی جگہ سود کے کیا معنی؟ اُس ظریف نے کہا کہ 'سودم' میں 'دم کی صورت پائی جاتی ہے اور منشی جی بے 'دم ہیں ۔ من جو حرف متکلم کا ہے یہ 'دم کے ساتھ آتا تو خدا نخواستہ منشی جی 'دم دار بن جاتے ۔ پھر میں نے اُس طالب علم ِ ظریف الطبع سے کہا کہ شاہ عباس ِ ثانی بادشاہ ِ ایران کے عہد میں شفائی ِ اصفہانی بڑا شیوابیاں اور ہمہ‌دان شاعر تھا ۔ مومن خان یوزباشی سے اُس میں عداوت پیدا ہوئی ۔ حکیم شفائی نے اس کی ہجویں لکھیں ۔ ازانجملہ ایک ترکیب بند نے بڑی شہرت پائی اور مقبول ِ طبع ِ خاص و عام ہوا ۔ پہلے بند کے دو شعر یہ ہیں :

مومن ہلم بازی ِ چملان بہ کجا رفت
پا کاری ِ صد در صد ِ کرمان بہ کجا رفت
آن گاو دم از سینہ برون ُرستہ کہ میبرد
جدت بدر ِ خانۂ یاران بہ کجا رفت

الواط و او باش ِ اصفہانی ہر رہگذر میں دف و چنگ کے ساتھ اس ترکیب بند کو گاتے پھرتے تھے ۔ مومن خاں سن کر خفا ہوتا تھا ، مگر اس طائفۂ بے نام و ننگ سے کیا کہہ سکتا تھا ۔ ناچار اپنے گھر میں بیٹھ رہا اور دروازہ بند کر لیا ۔ اس جماعت نے اس کے در ِ دولت پر شد و مد سے گانا بجانا شروع کیا ۔ پایان ِ کار مومن خاں اپنے پیٹ میں چھری مار کر مر گیا ۔

میں ڈرتا ہوں کہ منشی جی بھی اس لطائف کو دیکھ کر کہیں اپنے کو ہلاک نہ کریں۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ میاں داد خان یہ کام غیرت والوں کا ہے۔ منشی جی کی طرف یہ احتمال بے جا ہے۔

۱۹

ایک جگہ جامعِ برہانِ قاطع نے اپنی کتاب میں خونِ خرس کی خاصیت لکھی ہے ۔ جنابِ نواب اسد اللہ خانِ غالب اس کی عبارت کو قاطعِ برہان میں لکھ کر یہ لکھتے ہیں کہ "آیا کس از غم خواران و بیمارداران وے نبودکہ ہر گاہ این بے چارہ آہنگ نوشتنِ برہانِ قاطع کرد و آن مقدمۂ جنون بود خونِ خرس بہ گلو میر یخت و بہ بینی میدمید و بکفِ پاسیالید تا از رنجِ سودا میرست و لب از ہذیان می بست" منشی جی نے محرقِ قاطعِ برہان ، کے ۹۰ صفحے میں اس تحریر کو حضرتِ غالب کے عیوب و ذنوب میں گنا ہے ، حال آنکہ جامعِ قاطعِ برہان کو مرے ہوئے کچھ اوپر دو سو برس ہوئے ۔ اب منشی جی اپنے مجموعۂ ہفوات کے ۶۵ صفحے میں جیسا کہ میں ۱۴ فائدے میں لکھ آیا ہوں حضرت نجم الدولہ کے دشمنوں کو مجنوں کہہ کر ایک طبیبِ خاص سے استعلاج کا حکم دیتے ہیں ۔ میرا اس مقام پر یہ سوال ہے کہ جامعِ برہانِ قاطع اہلِ دین میں نہ تھا عوامِ مسلمین اور رعایائے دکن میں سے ایک آدمی تھا ۔ بعد اس کے مرنے کے اس کا برا کہنا عیب اور جرم ٹھہرا اور ایک

شخص زندہ اپنے شہر کا رہنے والا - یقین ہے کہ باہم شناسائی اور سلام علیک بھی ہوگی - اس کو برا کہنا ، بلکہ برا کہنے سے گزر کر اس کی غیبت میں اپنے گھر میں بیٹھ کر حد سے زیادہ ناسزا باتیں اس کے واسطے لکھنی اور غیبت کے جرم کا مرتکب ہونا کون سا امر خیر اور ثواب کا کام ہے مردے کے برا کہنے والے کو ۴۹ صفحے کی دوسری سطر میں 'الغیبۃ[1] اشد من الزنا' سے ڈرانا حال آنکہ مردے کے برا کہنے کا نام عقلاً و نقلاً غیبت نہیں ہو سکتا اور خود غیبت کا بہ تقریر و تحریر ارتکاب کرنا ، یہ نہ اہلِ دین کا طریق، نہ اہلِ عقل کا منصب وہ طالب علم صاحب میرے اس کلام کے یوں مجیب ہوئے کہ اے سیاح اس حرکت سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی صاحب کو جنابِ مرزا صاحب سے محبتِ مفرط ہے - غیبت سے بدگوئی مراد نہیں ، بلکہ مقصود یہ ہے کہ شارع کے ارشاد کے مطابق منشی جی کے حسنات مرزا صاحب کو مل جائیں - میں نے پوچھا کہ حضرتِ غالب کی طرف جنون کو منسوب کرنے کی کیا وجہ - طالب‌علم صاحب ہنس پڑے اور کہا کہ یہ منشی جی کی عقل کا قصور -

---

۱ - اصل : الغیبت

۲۰

خاتمہ میں جو **منشی جی** نے ایک غریبلہ کیا ہے اس کی بھی داد دینی ضرور ہے۔ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن **محمد حسین دکنی** جامع **برہان قاطع** اپنا منہ نوچتا ہوا اور سر پر خاک اڑاتا ہوا میدانِ رستخیز میں آئے گا اور فریاد کرے گا کہ **غالب** نے دنیا میں میرا منہ کالا کیا اور میری ناموس میں رخنہ ڈالا۔ پھر **غالب** وہاں کیا جواب دے گا؟ یہاں تو **منشی جی** کو **سیف الحق** جواب دیتا ہے۔ وہاں مولانا **غالب** کی زبان جو یاری دے گی وہ کہہ لیں گے۔ میرا جواب تو یہ ہے کہ ہاں **منشی جی** سچ کہتے ہیں اس محکمۂ عالیہ میں مقدماتِ خفیفہ کی ایک کچہری ہوگی اور اس کچہری کے سررشتہ دار **منشی سعادت علی** ہوں گے۔ اپنے علاقے کی دو عرضیاں پیش کریں گے، ایک آسمان کی عرضی، جس میں آسمان مدعی اور مجموع شعرا مدعی علیہ، وجہ استغاثہ برا کہنا، کج رفتار اور ستم شعار نام رکھنا، دوسری عرضی **محمد حسین دکنی** کی جس میں **دکنی** مدعی اور **اسد اللہ خان** مدعی علیہ۔ خلاصۂ نالش ہتکِ حرمت بذریعۂ اظہارِ عیوبِ مخفیِ مدعی، سو آسمان کی عرضی پر دیکھیے کیا حکم ہو! **دکنی** کے دعوے کا

فیصلہ جیسا کہ منشی جی محرقِ قاطعِ برہان کے ۹۵ صفحہ اخیر میں لکھتے ہیں یہ ہوگا کہ اسداللہ خان کے حسنات جامعِ برہانِ قاطع کو ملیں گے ، مگر وہاں حیف و میل نہیں ہے ، معاً منشی جی کے حسنات حضرتِ غالب کو دیے جائیں گے ۔

للہ الشکر و للہ الحمد کہ غالبِ رند مشرب برابر رہا ، دکنی بچا ، منشی دھرا گیا ۔

تعز من تشاء و بیدہ الملک وہو علی کل شی قدیر ۔ فقط

جوہرِ تیغِ فکرِ منشی جواہر سنگھ صاحب تحصیل دارِ بلب گڈھ متخلص بہ جوہر

بسکہ سیف الحق کی یہ تصنیف
فرقِ دشمن اس سے ہوگا ریز ریز

ہے پیِ اظہارِ سالِ عیسوی
قول جوہر کا "زہے یہ تیغِ تیز"
۱۸۶۴ء

ایضاً

جب چھپی یہ لطایف غیبی
بہرِ تاریخ اس کی ہاتف غیب

سرِ احمق کو کاٹ کر بولا
طبع کو بھائے یہ "لطایفِ غیب"
۱۲۸۱ھ

قطعہٴ تاریخِ سراج الشعرا سلطان الذاکرین مرزا یوسف علی خان عزیز

جوابِ محرق چھپا جو ناگہ بصرفِ مضمونِ صد زد و کوب
ہوا یہ ثابت کہ ہے عدو پر عمودِ قدرت کی ضرب لاریب

خیالِ تاریخ جب کہ گزرا عزیز ایسے معاملے پر
کہا سروشِ فلک نے مجھ سے لکھو 'طلسمِ لطایفِ غیب'
۱۲ ۸۱

طبع‌زادِ والا نہادِ مرزا شمشاد علی بیگ خان رضوان ابن نواب عالم بیگ خان مرحوم

جہان فضائل میان داد خان
مخاطب بہ سیف الحق اندر جہان

بہ تردیدِ محرق توجہ گماشت
ز روی حقایق لطایف نگاشت

بہانا ہنرور بفرمانِ حق
در آن نامہ دم زد ز اعلانِ حق

ز سورت بہ دہلی فرستادہ است
رضا خان بہ طبعش رضا دادہ است

بہ افزایشِ حسنِ تمثالِ طبع
ز رضوان طلب کردہ شد سالِ طبع

وفاپیشہ گوہر بہ الماس سفت
حریفانہ آمد ظریفانہ گفت

ز صمصامِ غیبی سرِ بدسگال
۸۱ ۱۲ھ
بریدیم و ہجری شمردیم سال

قطعۂ تاریخ از خاکسار **بہاری لال** کاتب الحروف عفی عنہ،

میاں سیاح ہو تم کو مبارک
ہوئی جو آپ سے تقریرِ غیبی

جواب اچھا دیا **محرق** کا تم نے
غضب سوجھی تمھیں تدبیرِ غیبی

بدی **غالب** کی یزداں کو نہ بھائی
عدو کو دی ہے یوں تعزیرِ غیبی

ہوا جب ختم چھپ کر یہ رسالہ
کہ جس کی ہر کشش ہے تیرِ غیبی

ہوئی جب فکر سالِ عیسوی کی
نظر آئی مجھے تحریرِ غیبی

سر حاسد اُڑا کر دیکھ مشتاق
کہ سالِ طبع ہے "شمشیرِ غیبی"

تمت

الحمد للہ[1] والمنۃ[2] کہ این صحیفۂ سماوی یعنی **لطایفِ غیبی** بشیرین کاریِ کار پردازانِ **اکمل المطابع** بتاریخ بست [و] نہمِ ربیع الثانی ۱۲۸۱ ہجری طبع شد۔

---

۱ - اصل : للہ
۲ - اصل : المنت

لطائف غیبی

کی

تعلیقات

اشاریہ الفاظ زیر بحث

اشاریۂ اسمائے خاص

لطیفہ ۱

محرق میں غالب کی ایک مخلوط ترکیب کو جو انھوں نے قاطع میں لکھی تھی بار بار طنزیہ انداز میں دہرایا گیا تھا ۔ مثلاً ایک جگہ "اگرچہ ادعای مرزا اسد اللہ غالب ببودن طابع سلیم غلط مپسند جز براستی مپیوند است گہان ہیچمدان نیز ہمین است کہ مرزا اسد اللہ غالب طبع سلیم غلط مپسند جز براستی مپیوند دارند" اور پھر آگے چل کر ایک جگہ لکھا تھا "باعتبار گہان ہیچمدان و طبع سلیم غلط مپسند جر براستی مپیوند مرزا اسد اللہ غالب"

لطیفہ ۲

اس لطیفے میں محرق کی عبارت پر غالب نے جو اعتراض کیے ہیں وہ حرف بہ حرف صحیح ہیں ۔

لطیفہ ۳

اس لطیفے کے آخر میں "شنا ساندن" کے مضارع کی جو بحث وہ محرق کے اس حاشیے پر ہے "معرف و پیشگو آنست

کہ در مجلس کسے را بشناساید یعنی گوید کہ این فلان و فلان است“ لطائف میں اس حاشیے کی عبارت 'بشناساید تک نقل کی گئی ہے اور مضارع کے اس غلط استعمال پر اعتراض کیا گیا ہے ۔

مجلس ترقی اردو کے نسخے میں اس کی جگہ ”بشناسد“ چھپا ہے جس سے اعتراض غیر واضح ہو گیا ہے ۔

یہ لطیفہ لفظ 'آبچین ، کی بحث سے شروع ہوتا ہے جو جو لطیفے کا اصل موضوع ہے ۔ 'آبچین' کے بحث کے پس منظر کے لیے تیغ تیز کی متعلقہ تعلیقات دیکھیں۔ جو باتیں مؤید برہان میں اس لفظ کی بحث میں کہی گئی ہیں ۔ انھی میں سے چند محرق میں کہی گئی تھیں ۔

لطیفہ ۴

محرق میں لفظ 'آ بچین“ کی بحث کے آخر میں لفظ ”فراز“ اور ”فراز کردن“ کا ذکر اس طرح آیا ہے ۔ ”پس حال 'آبچین“ مانندِ لغات مشترکہ و اضداد گشت شعر سعدی :

شعر :

بروی خود درِ طماع باز نتوان کرد
چو باز شد بدرشتی فراز نتوان کرد

صاحب فرہنگ جہانگیری میفرماید کہ فراز دوازدہ معنی دارد اول کشادہ و پہن را گویند جامی علیہ الرحمہ می نویسد :

شعر :

حضور مجلس الس است و دوستان جمع‌اند
وان یکاد بخوانید و در فراز کنید

کمال اسمعیل گوید :

شعر :

چو مطرح ارچہ کہ افکندہ ایم و پی سپریم
بہ پشتیِ تو چو مسند شویم سینہ فراز

دوم بمعنی بستہ آمدہ ۔ خواجہ حافظ می فرماید :

شعر :

صنعت مکن کہ ہر کہ محبت نہ راست باخت
عشقش بروی دل درِ معنی فراز کرد

کمال اسمعیل گوید :

شعر :

جہان پناہا از یمن دولتت امروز
دہان عافیت باز است و چشم فتنہ فراز

محرق کی اس عبارت میں حافظ کے بجائے جامی سے شعر کا انتساب اور آخری شعر کے دوسرے مصرعے میں "عافیہ" کے بجائے "عافیت" فاحش غلطی ہے ۔ تعجب ہے کہ لطائف میں اس سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ۔ اس کے علاوہ مذکورہ مصرعے کا متن لطائف میں مختلف ہے ، اگرچہ "عافیہ" بجائے "عافیت" صحیح درج ہوا ہے ۔

اس لطیفے کے آخر میں "یوغ" "آلوسیہ" اور "آویزہ" کا ذکر آیا ہے ۔ منشی سعادت علی نے محرق میں (صفحہ ۱۰ پر) لکھا تھا ۔

کہ غالب نے لکھا ہے ۔ "یوغ" کے معنی ہیں وہ لکڑی جو بیل کی گردن پر رکھتے ہیں ۔ اس کے ضمن میں مرزا اسد اللہ غالب یہ بھی فرماتے ہیں کہ (برہان) "آلوسیہ" جامن کا نام بتاتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ جب یہ پھل ہی ایران میں نہیں ہوتا تو اس کا نام اس زبان میں کیسے ہوگا ۔ فقط میں کہتا ہوں کہ مرزا اسد اللہ غالب ٹھیک فرماتے ہیں لیکن نہیں سوچتے کہ جو چیز عرب و عجم میں نہیں ہوتی اور کوئی شخص وہ چیز عرب و عجم میں لے جاتا ہے تو اہل عرب و عجم اپنی زبان کے مطابق اس کا کوئی نام رکھ دیتے ہیں ۔ اس کے لیے منشی سعادت علی نے فارسی میں لفظ "انبہ" اور عربی میں "انبج" کی مثال دی تھی ۔ پھر کہا تھا کہ

"جامن" کو آلوسیہ مؤید الفضلاء والے نے بھی لکھا ہے - یہ لفظ فارسی الاصل نہ سہی لیکن اہل فارس کے محاورے میں ہے - اسی لیے محمد حسین برہان مغفور نے برہان قاطع میں لکھا ہے - یہ لکھ کر منشی سعادت علی نے تین اور مثالیں دینے کے بعد لفظ "آویزہ" پر غالب کے اعتراض کا جواب دیا تھا ، جس کا جواب الجواب پانچویں لطیفے میں ہے -

لطیفہ ۵

اس لطیفے میں حافظ کے شعر : صلاح کار کجا الخ سے متعلق لطائف کے یہ الفاظ ہیں اور اس شعر میں روی متحرک قافیہ !" یعنی پہلے مصرعے میں حرف روی ساکن ہے اور دوسرے میں متحرک - مجلس کے نسخ میں 'روی' کی جگہ "روئے" چھپا ہے -

لطیفہ ۶

محرق میں مولوی معنوی کا شعر یوں درج ہوا تھا -

دلم دزد و نظر او دزد و آن دزد
عجب آن دزد دزدافشار چواست

اس کے بارے میں، لطائف میں ہے "پہلا مصرع منشی جی

مجھ کو پڑھا دیں اور معنی اس کے سمجھا دیں ۔" در اصل پہلا مصرعہ یوں ہونا چاہیے تھا :

دلم دزد نظر او دزد این دزد

کلیات شمس تبریزی میں رومی کی اس غزل کا افتتاحی مصرعہ یہ ہے :

عجب آن نافہ' تا تار چوتست

لطیفہ ۷

"انگسبہ" (سین سعفص اور ب سے) اور "انگشتہ" (شین قرشت اور ت سے) کی بحث کو چھوڑ کر غالب نے "خاور" اور "باختر' دونوں کے لغات اضداد ہونے کی مزید تردید کی ہے ۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ متقدمین کے ہاں لفظ "خاور" بھی اور لفظ "باختر" بھی مشرق اور مغرب دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے ، البتہ متاخرین کے استعمال میں "خاور' صرف مشرق کے معنی میں اور 'باختر' صرف مغرب کے معنی میں ملتا ہے ۔

محرق میں منشی سعادت علی نے لکھا تھا کہ مؤید الفضلاء میں ہے کہ "باختر" مغرب اور مشرق دونوں معنی

میں ہے اور "خاور" کے معنی بھی اسی طرح ہیں۔ **مدارالافاضل** میں یہ شعر درج ہے :

چو خورشید سر بر زدِ از باختر
سیاہی بہ خاور فروبرد سر

"باختر' سے سورج کا نکلنا دلیل ہے کہ یہ مشرق کے معنی میں ہے اور ظلمت کا "خاور' میں جا چھپنا بتاتا ہے کہ "خاور" مغرب کے معنی میں ہے۔ **فرہنگ جہالگیری** میں ہے کہ باختر مغرب ہے اور مشرق کے معنی میں بھی آیا ہے۔ **عنصری** کا شعر ہے :

چوبرزد درِ فتنہ از باختر
دواجِ سیہ را سفید آستر

پہلا مصرعہ بتاتا ہے کہ "باختر" مشرق کے معنی میں ہے۔ **فرہنگ رشیدی** میں ہے کہ باختر مشرق ہے اور خاور مغرب۔ **فردوسی** کہتا ہے:

چو مہر آورد سویِ خاور گریغ
ہم از باختر بر زند باز تیغ

اور کبھی اس کے برعکس ہے۔ **انوری** :

دی ز خاک خاوران چون ذرہ مجہول آمدہ
گشت امروز اندرو چون آفتابِ خاوری

اس کے بعد منشی سعادت علی نے کہا تھا ۔ تحقیق یہ ہے کہ باختر مخفف ہے بہ اور اختر کا اور اختر چاند اور سورج دونوں کو کہتے ہیں اس لیے "باختر" مشرق اور اور مغرب دونوں کو کہہ سکتے ہیں ۔ اسی طرح "خاور" "خارور" کا مخفف ہے اور "خار" چاند اور سورج دونوں ہیں ، اس لیے "خاور" بھی مشرق اور مغرب دونوں کے معنی میں ہوا ۔

یہ باتیں محرق کے صفحہ ۱۷ میں کہی گئی ہیں ، جنھیں یہاں ہم نے فارسی سے اردو میں منتقل کرکے پیش کیا ہے ۔

لطیفہ ۸

جیسا کہ غالب نے لکھا ہے ۔ ملا عبدالرحمن جامی کے ہاتھ کا لکھا ہوا اُن کا اپنا ایک دیوان راقم نے خدا بخش لائبریری بانکی پور میں دیکھا ہے اس میں کئی جگہ "بلعجب" اور "بلہوس" آیا ہے ۔ اس کے علاوہ دوسرے قدیم مخطوطوں میں بھی اسی طرح دیکھا ۔ ایرانی اساتذہ سے معلوم ہوا کہ ان ترکیبات میں "بل" بمعنی بسیار ہے جو ترکی لفظ ہے ۔ عربی کا "ابو" اور "ال" یہاں نہیں ہے ۔

لطیفہ ۹

"بسمل" کی بحث کا پس منظر تیغ تیز کی متعلقہ تعلیقات میں دیکھیں ۔ **مولوی احمد علی** نے **مؤید برہان** میں اس لفظ پر بہت کچھ لکھا ہے ۔ **محرق** میں انھی باتوں میں سے چند باتیں ہیں ۔

"تدو" اور "تذو" کے بارے میں **محرق** میں تھا :

ہم نے **برہان قاطع** کے اس نسخے میں جو تقریباً تیس فضلاء کی تصحیح سے کلکتہ میں ٹائپ میں چھپا ہے دیکھا ہے اور **فرہنگ رشیدی** اور **فرہنگ جہانگیری** میں دیکھا ہے کہ "تدو" تای قرشت کے زبر سے اور دال غیر منقوطہ کے پیش سے اور "تذو" ذال منقوطہ کے پیش سے ایک جانور کا نام ہے جو سرخ اور پردار ہوتا ہے اور حمام میں پیدا ہوتا ہے ۔ اگر یہ دونوں لفظ عربی ہوتے تو **فرہنگ رشیدی** اور **فرہنگ جہانگیری** والے نہ لکھتے ۔ **صراح** اور **قاموس** اور **بحرالمحیط** میں ہوتے ۔ **مرزا اسد اللہ غالب** نے سچ بات کہی ہے کہ جس طرح خداپرستوں کو خدا غلطی سے بچاتا ہے اسی طرح شیطان پرست کو شیطان کلمہ حق کہنے سے روکتا ہے ۔ اگر **غالب** کہے کہ دال منقوطہ **ژند** ، **پاژند** اور **اُستا** میں نہیں ہے ، مگر زبان ژند و پاژند و اُستا کے علاوہ دوسرے اہل

فارس نے بعض الفاظ میں دال نقطہ دار لکھی ہے ، جیسا کہ
فرہنگ رشیدی اور فرہنگ جہانگیری سے ظاہر ہے -

"تومن" اور جـبّار" کے بارے میں منشی سعادت علی نے
جو کچھ لکھا تھا اسے غالب نے کسی علمی بحث کے قابل
نہیں سمجھا - محرق میں "تومن" کی بحث صفحہ ۳۶ تا ۳۸
"اور جبّار" کا بیان صفحہ ۳۸ اور صفحہ ۳۹ پر ہے -

لطیفہ ۱۰

"جمدھر" کی بحث میں غالب نے محرق کے بیان کی
بنیادی باتیں دہرا دی ہیں ، اس لیے ہم محرق کی متعلقہ بحث
یہاں نقل نہیں کرتے -

لطیفہ ۱۱

اس لطیفے میں بھی محرق کے متعلقہ بیان کے حوالے
کافی آ گئے ہیں ، اس لیے محرق کا اقتباس پیش کرنا غیر ضروری
ہے -

لطیفہ ۱۲

اس لطیفے میں "اسمائے ستہ" سے مراد یہ الفاظ ہیں :

-جنیور (بروزن ابی ذر) ، جیتنور (بروزن کینہ ور) ، چینود (بروزن می رود)، خنیتور (برزون طنبور) خینیتور (برزون حلی گر) خینتور (برزون بی خبر) بمعنی پل صراط ۔ یہ ایک لفظ کی چھ صورتیں برہان قاطع میں مختلف فصلوں میں مذکور ہیں ۔

"فرجد" سے متعلق حوالے تو اس لطیفے میں خاصی تفصیل سے آگئے ہیں ، البتہ لطیفے کے آخر میں جو "کفانہ" اور "خکانہ" کا ذکر ہے اس کے لیے ذیل کی تفصیل ضروری ہے :

برہان قاطع میں تھا "'کفانہ' بروزن 'بہانہ' بچہ را گویند کہ نارس از شکم بیفتد ۔"

غالب نے قاطع برہان میں لکھا تھا "آفرین صد آفرین ای فرزانہ دکنی لغتے صحیح آوردی و این قلب فکانہ است مثل نیام و میان و کنار و کران ۔ این قدر من در آگہی می افزایم کہ 'کفانہ' و 'فکانہ' ہر دو لغت بکاف عربی ست و در ہر لفظ حرف نخستین مکسور ۔"

اس پر منشی سعادت علی نے جو تبصرہ محرق میں درج کیا ہے اسے ہم اردو میں منتقل کرکے پیش کرتے ہیں :

حکیم محمد حسین تبریزی کو آفرین صد آفرین ، خدا مغفرت کرے ، کتنا صحیح لفظ بتایا ۔ **فرہنگ رشیدی** کے مؤلف نے افکانہ ، افکنہ اور فکانہ لکھا ہے اور **مسعودِ سعدِ سلمان** کا شعر بطور سند درج کیا ہے ۔

شکم حادثات آبستن
از نہیب تو آفکانہ کند

خسرو نے کہا ہے :

فلک سہمش از در خانہ افتد
حوادث ز اشکمش افکانہ کند

(شعر اسی طرح غلط صورت میں درج کیا ہے ۔) یوں ہونا چاہیے تھا :

فلک را ز سہمش درِ خانہ افتد
حوادث ز اشکمش افکانہ افتد)

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ "فگانہ" ف اور کافِ فارسی سے ف کے زبر کے ساتھ وہی "افگانہ" ہے ۔

اگر **مرزا اسد اللہ غالب** کا **ہرمزد ثم عبدالصمد** کے زیر تعلیم رہنا جو بڑے کمال و دانش کا آموزگار تھا ۱۲ سے ۱۴ سال کی عمر تک ٹھیک اور پسندیدہ ہے تو لیجیے صاحب **برہان قاطع**

نے یہ بھی لکھا ہے "فگانہ" زبر سے اور کافِ فارسی سے بروزنِ زمانہ ہے اور زیر سے اور کافِ عربی سے بھی آیا ہے۔

مرزا اسد اللہ غالب نے اعتراضات کی بھرمار کرنے کے شوق میں عبارت آخر تک نہیں دیکھی بالکل اسی طرح جیسے لا تقربوا الصلوٰۃ تک آیت پڑھ لیں اور باقی چھوڑ دیں۔ اگر آخر تک دیکھ لیتے تو زیر اور زبر بھی نظر آ جاتا۔

لطیفہ ۱۳

"گلہری" کی بحث تیغ تیز کی تعلیقات میں دیکھیں۔

لطیفہ ۱۴

"آتش" اور "آتیش" کی بحث تیغ تیز کی تعلیقات میں دیکھیں۔

مولوی امین الدین کی کتاب کو **منشی سعادت علی** نے محرق میں صفحہ ۱۴ پر "قاطعِ قاطعِ برہان" توصیفی طور پر کہا ہے۔ کتاب کا اصل نام قاطع القاطع ہے جو قاطع برہان کے جواب میں ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء میں شائع ہوئی تھی۔

لطیفہ ۱۵

منشی سعادت علی نے ملا عبدالصمد کے بارے میں غالب پر طنز کرتے ہوئے محرق کے صفحہ ۶۹ پر لکھا تھا:

"گر ہرمزد ثم **عبدالصمد** ہنوز پیکرِ ہستی را نگذاشتے مثل آغا **عبدالرشید** خوشنویس کہ وی اشعار در حق خواجہ محمود نگاشتہ بوادی مرزا **اسد اللہ غالب** ہمچنین فرمودندی ۔

ابیات :

خواجہ محمود آنکہ یک چندے
بود شاگردِ این فقیرِ حقیر

در حقِ او نرفتہ تقصیرے
لیک اوہم نمی کند تقصیر

می نویسد ہر آنچہ از بد و نیک
جملہ را می کند بنامِ فقیر

لطیفہ ۱۶

منشی سعادت علی نے لکھا تھا "دُرُون" (دال ابجد پر پیش اور رے پر پیش اور واو ساکن اور نون کے ساتھ) دعا کے معنی میں ہے جو مُغ خدا اور آذر (آتش) کی ستایش میں پڑھتے ہیں اور پڑھکر کھانے پینے کی چیزوں پر دم کرتے ہیں اور ان چیزوں کو جن پر دعا دم کی ہو "یشتہ شدہ" کہتے ہیں اور جس چیز پر یہ دعا نہ پڑھی ہو اسے "نایشتہ" کہتے ہیں ،

اس لیے کہ "یشتن" کے معنی پڑھنے کے ہیں ژند اور پاژند میں اور برہان قاطع میں یہی ہے -

اس لطیفے کے آخر میں غالب نے جو یہ جملہ لکھا ہے "بادی النظر میں بوزجان کا لفظ کھٹکتا ہے . . ." یہ منشی سعادت علی کے ایک حاشیے پر طنز ہے جو محرق کے صفحہ ۱۷ پر ہے اور واقعی اسی طرح چھپا ہے : یان بہ تحتا نے (ی) بوزجان سخنِ نامربوط کہ آنرا ہذیان ہم خوانند" محرق میں یہ در اصل سہوِ کتابت ہے -

لطیفہ ۱۷

اس لطیفے کے آخر میں جن مولوی صاحب کی طرف اشارہ ہے وہ امین الدین امین دہلوی ہیں ، جو پٹیالے میں مدرس تھے اور قاطع القاطع کے مؤلف ہیں -

لطیفہ ۱۸

محرق میں منشی سعادت علی نے یہ جملہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ من این قدر قلم را چرا سود" واقعی لکھا ہے لیکن لفظ "من" میں سہوِ کتابت معلوم ہوتا ہے - شاید اس کا مضاف چھوٹ گیا ہے - البتہ جملے کا فعل "سود" ہی ہے -

لطیفہ ۱۹

اس لطیفے میں "ایک طبیب خاص" سے مراد دہلی کے خاندانِ شریفی کے **حکیم محمود خان** ہیں۔ منشی **سعادت علی** نے محرق میں لکھا تھا **غالب** کے لیے میں ایک نسخہ تجویز کرتا ہوں وہ استعمال کریں۔ "قرصِ کافور عجب و پندار نکردن، خود بین خود پسند نبودن، بر کردۂ دیگر رشک و حسد نبردن بہ نمایش ہای خویش نیک کارِ دیگر را بہ بد نسبت نکردن، ہمراہِ عرقِ صندلِ شکیبائی و تحمّل و بردباری و بشربتِ انارینِ شیرین زبانی و ترش کلام نکردن ہر روز صبح و شام استعمال فرمایند تسکینِ دل خواہد بخشید" اس کے بعد کہا تھا کہ **غالب** ۵۲ سال سے اس مرض میں مبتلا ہیں۔ سوزشِ دل سے یبوست بڑھ گئی ہے۔ فصد با سلیق مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ **حکیم محمود خان** (خلف الصدق حاذق الملک مسیح الزمان **حکیم صادق علی خان** ابن حاذق الملک مسیح الزمان **حکیم شریف خان**) سے جو اپنے زمانے کے مسیحا ہیں اپنا یہ مرض بیان کریں اور جو کچھ **حکیم محمود خان** نسخے میں لکھیں یا جوماً الجبن تجویز کریں اس پر عمل کریں۔

لطیفہ ۲۰

اس لطیفے کے آخر میں غالب نے محرق کی جس عبارت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے : ”بعد ازین اگر اعمال حسنہ ستم گار پسندیدۂ درگاہِ دادار روز شمار آمد در اعمال حسنۂ ستم دیدہ محسوب آیند و الا آنچہ شدنی است خواھد شد ۔“

سوالاتِ عبدالکریم

اضعفِ بندگانِ ربِ کریم عاصی عبدالکریم ، منشی سعادت علی صاحب کی خدمتِ با برکت میں عرض کرتا ہے کہ میں محرّقِ قاطع برہان کو دیکھ کر آپ کی فارسی دانی بلکہ ہمہ دانی کا معتقد ہوا ، مگر اپنے فہم کے قصور سے بعض ترکیبوں کو نہیں سمجھا ۔ ناچار ان کی حقیقت آپ سے پوچھتا ہوں اور متوقع ہوں کہ ہر سوال کا جواب جداگانہ بعبارتِ سلیسِ عام فہم لکھیے گا ، اور یہ سوالات محرّقِ مطبوعہ کے ۵۰ صفحہ سے متعلق ہیں ۔ اس نسخۂ بے نظیر کے ۶۴ صفحے اور باقی ہیں ، جب ان سوالوں کے جواب پاچکوں گا ، تو باقی سوالات پیش کروں گا ۔

سوال پہلا :

صفحہ ۲ سطر ۸ ، آپ لکھتے ہیں کہ ''پیش ازین چند سالے کتاب مسمّٰی بہ**حدایق العجایب** تالیف کردہ بودم''۔ عاصی عرض کرتا ہے کہ ''چند سالے'' کیا ترکیب ہے ۔ ہاں 'سالے

چند، و 'ماہے چند، و 'روزے چند، یا 'چند سال' و 'چند ماہ، و 'چند روز ، مستعملِ فصحاء ہے ۔ سعدی بجا کہتا ہے : ع

چار پائے برو کتابے چند

اب ''چند سالے'' کی سند اساتذہ کے کلام سے آپ ہم کو دیں ۔ میں تو آپ کے کلام کو سند مان لوں گا ، لیکن منکرین کو کیا جواب دوں گا ؟

سوال دوسرا :

صفحہ ۳ سطر ۹ ، آپ رقم کرتے ہیں ''کہ باوجودِ این کثرت چون ہمہ لغت باہم ترتیبِ حروفِ تہجی از اولِ لغت تا آخرش چہ جایِ باب و فصل بتقدیم وتأخیر مرقوم شدند''۔ مجھ کو اس فقرے میں تردد یہ ہے کہ جب تک ترتیب کے قبل 'باے موحدہ، نہ آئے ترتیب متعلق بفعل کیونکر ہو ۔ اسی صفحے میں اس فقرے کے بعد بےفصل ۱۰ سطر میں تم لکھتے ہو ۔ ''احدے از فرہنگ لویسان چنین عرق ریزی درترتیب نگردیدہ'' میرے نزدیک یہاں ''نگردیدہ'' غلطِ محض اور مخلِ معنی ہے ۔ ''نکردہ'' ہوتا تو 'احدے، اس کا فاعل ٹھہرتا ۔ ''نگردیدہ'' فعلِ لازمی ہے ۔ احدے اس کے ساتھ ربط کیونکر پائے گا ؟ اسی صفحہ کی ۱۵ سطر میں تم لکھتے ہو ''بدون از کتبِ لغتِ مندرجۂ اشعارِ اسنادِ اساتذۂ سخنورانِ اہلِ زبان ایران ۔'' سائل حیران ہے کہ یہ عبارت فارسی ہے یا مجذوب کی بڑ ہے ۔ سب کسرات

مہمل ہیں خصوصا ''اساتذۂ سخنوران،، اساتذہ بھی بصیغۂ جمع اور سخنوران بھی بصیغۂ جمع - اگر اساتذہ کے آگے سخنور بصیغۂ مفرد ہوتا تو اساتذہ کا کسرہ توصیفی گنا جاتا، اساتذہ موصوف ہو جاتے اور سخنور ان کی صفت ٹھہرتی - ''اساتذۂ سخنوران،، کا کسرہ کسی طرح توصیفی نہیں ہو سکتا، مگر ہاں اضافی ہو سکتا ہے - اس صورت میں اس کی ہندی یہ ہو گی کہ ''سخنوروں کے استاد،، اور یہ نہ تمھاری مراد، نہ مقام کے مناسب پھر ''سخنورانِ اہلِ زبانِ ایران" یہ ترکیب سخت نامربوط اور نا مالوس ہے - اہلِ زبان تک فقرہ تمام ہو جاتا ہے - **ایران** کو اپنے مابعد سے سرِمو ربط نہیں - اہلِ انشأ کے محاورے میں اہلِ زبانِ فارسی سے شعرائے **ایران** مراد ہیں - چاہو شعرائے ایران کہو، چاہو اہلِ زبان، اسمِ "ایران" کیا سمجھ کر لکھا ہے ؟

سوال تیسرا :

۴ صفحہ کی ۶ سطر کا فقرہ مخدوش ہے - "حالی" ضمیرِ خردمندانِ حق گزینِ دقیقہ رسِ سخنِ شناسِ مقلدانِ اساتذۂ سخنورانِ اہل زبانِ پیشین خواہد بود - ''حالی''مضاف ضمیرِ مضاف الیہ پھر ضمیر مضاف ''خردمندان'' مضاف الیہ - ''حق گزین،، صفت ''دقیقہ رس'' صفت در صفت ''سخن شناس،، علی ہذالقیاس - اب احقر کی تقریر سنیے - حالی کا کسرہ اضافی،

ضمیر کا کسرہ اضافی ، خرد مندان کا کسرہ توصیفی ، ''حق گزین'' اور ''دقیقہ رس'' کا کسرہ قایم مقامِ واوِ عاطفہ ۔ یہاں تک تو میں سمجھ گیا ۔ اب ''حق شناس'' کی سین کو موقوف پڑھوں تو سارے فقرے کو اپنے مابعد سے ربط باقی نہیں رہتا اور اگر متحرک پڑھوں تو اس کو توصیفی نہیں کہہ سکتا ۔ ناچار اضافی کہوں اور ''سخن شناس'' کو مضاف ٹھہراؤں اور ''مقلدان'' کو مضاف الیہ بناؤں ۔ ''سخن شناسِ مقلدان'' کے کوئی معنی پوچھے تو کیا بتاؤں ۔ ''مقلدان'' کا کسرہ بے شبہہ اضافی ہے ۔ ''مقلدانِ اساتذہ'' یعنی اساتذہ کی تقلید کرنے والے لیکن وہاں تو ''اساتذۂ سخنوران'' ہے ۔ اس کا حاصل وہ ہے جو میں اوپر لکھ آیا ہوں ۔ اس صورت میں ہندی اس طولانی فقرے کی یہ ہوئی ''سخنوروں کے استادوں کے مقلدوں کے سخن شناس'' ۔ پھر یہاں بھی تو حضرت کو سکوت نہیں ۔ سخنوران کے آگے ''اہلِ زبان'' اس کو کہاں کھپاؤں ؟ خیر اس کو بھی آپ کی پیچھے کی عبارت میں بزور ٹھونس دیا ، ''پیشین'' کو کہاں گھسیڑوں ؟ کچھ فرمائیے کچھ بتائیے ، تاکہ آپ کا خادم کشاکش سے نجات پائے ۔

سوال چوتھا :

صفحہ ۵ سطر ۶ ، یہ ہے ''در زمانش آمد شد از ایران و رواجِ زبانِ پارسی و شاید از شعرأ کلیم ہم بود'' ۔ ہر چند

رواج زبانِ پارسی ہند میں **غوریوں** کے عہد سے اور **ہمایوں** کے عصر میں مجدّداً ہوا ہے اور آپ کی عبارت میں ،زمانش، کی شین کی ضمیر صاحبِ **'فرہنگ جہانگیری'** یا جامعِ **'برہان قاطع'** کی طرف راجع ہے اور یہ دونوں **ہمایوں** بادشاہ کے بعد ہیں ، لیکن میں تم کو زیادہ دکھ نہیں دیتا ، اسی قدر پوچھتا ہوں کہ 'آمدشد' کا مضاف کہاں ہے ۔ کون لوگ **ایران** سے آتے جاتے تھے ؟ اگر زبانی تم نے کہہ دیا کہ شعراء' میں کب مانوں گا ۔ اپنے اس فقرے کی رو سے مجھے سمجھا دو گے تو میں تم کو استاد جانوں گا ۔

سوال پانچواں :

صفحہ ۹ سطر ۱۰ ، آپ کا یہ فقرہ عجیب الترکیب ہے "رنجِ چشم زخم وغیرہ آنہا کہ بہ احبابِ مجلسِ آنس کہ مخاطب اند نرسد" 'رنج چشم زخمِ آنہا ، کافی تھا ، "وغیرہ" بیچ میں کیوں لائے ۔ یہ تو بے محل اور مخلِ معنی ہے ۔ پھر آگے ایک اور ٹھوکر ہے، یعنی 'مجلسِ آنس' کے آگے کاف کیسا ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کے اقوال کو وہ سمجھے جس نے حضرت سلیمان کو خواب میں دیکھا ہو ۔ میرا کیا منہ جو حضرت کے مدعا کا استنباط کر سکوں !

سوال چھٹا :

صفحہ ۱۳ سطر ۱۱ میں تم نے ایک شعر **مولوی روم** کی

مثنوی کا لکھا ہے ع

این چہ کفر است این چہ ژاژ است و فشار
پنبہ اندر دہان خود بفشار

میں اس شعر کو موزوں نہیں پڑھ سکتا۔ پہلا مصرع بے شک مولوی روم کی مثنوی کا ہے اور دوسرا مصرع از روئے وزن حدیقۂ حکیم سنائی غزنوی کی بحر کا معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے مصرع کا ہموزن کرنا مجھ کو سکھا دیجیے۔ یہ سوال ہے بہت جواب طلب۔ زیادہ حد ادب۔

سوال ساتواں :

صفحہ ۱۴ سطر ۵، ٦ اور ۷ کی عبارت یہ ہے "از حکومت دزدان را میگیرد و مال از آنہا ستیدہ میگذرد و دزدان ازین سبب مال بہ وے مید ہند کہ اگر ندہم، مارا قید خواہم کنانید،،۔ یہاں "از حکومت،، ٹکسال باہر ہے، 'بحکومت' چاہیے۔ پھر "ستیدہ،، کس ملک کی فارسی ہے؟ 'ستدن' بضمتین و فتحۂ دال مصدر، ستد بحذفِ نون و بقای ضمتین ماضی، ستدہ بہ اضافۂ ہای مختفی مفعول۔ آپ 'ستیدن' اور 'ستید' اور اور 'ستیدہ' کسی استاد کے کلام میں دکھا دیجیے تو میری تشفی ہو۔ اس سے بڑھ کر یہ پرسش ہے کہ "دزدان" صیغۂ جمع، مارا" صیغۂ جمع پھر "ندہم،، کہاں کی بولی ہے؟ میرے نزدیک 'ندہیم' مناسب تھا۔ تم نے 'ندہم' کیا سمجھ کر لکھا ہے،

مجھے بھی سمجھا دو۔

سوال آٹھواں :

۱۸ صفحہ کی ۱۶ اور ۱۷ سطر میں مرقومِ قلمِ طرفہ رقم ہے ''دو مثال بہ اندراجِ لفظِ فراز و لفظِ عین تقیداً **مرزا اسد اللہ غالب** ترکیب دادہ نگاشت'' ۔ اس نگارش میں نہ معنی درست ، نہ لفظ صحیح ۔ معنی کی نادرستی یہ کہ تم لفظِ کثیر المعنی کو اضداد میں شمار کرتے ہو اور یہ تمھارا عقیدہ غلط ہے ۔ لفظِ کثیر المعنی اور ہے اور لفظِ مشترک المعنی اور ہے ۔ لفظ کی غلطی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ ''تقلیداً **مرزا اسد اللہ غالب**'' لکھتے ہو ۔ پیر و مرشد یا آپ نے ''بہ تقلید فلانی'' لکھا ہوتا یا ''تقلیداً للفلانی'' لکھا ہوتا ۔ تقلیداً فلانی'' نہ ترکیبِ فارسی ، نہ ترکیبِ عربی ۔ یہ وہی مثل ہے 'نہ اِدھر نہ اُدھر یہ بلا کدھر' !

سوال نواں :

۲۳ صفحہ میں آپ نے ''سیرابیِ بیان'' کو جائز نہیں رکھا ۔ ذرا سوچیے کہ آپ کیا کہتے ہیں ۔ رنگینی اور سیرابی اور شادابی بیان کی صفت کیوں کر نہیں ہو سکتی ؟ یہ بیان کی خوبی کا استعارہ ہے ۔ فنِ استعارہ کو آپ غلط ٹھہرائیں تو ''سیرابیِ بیان'' کی صفت بھی غلط ہو جائے ۔ آپ کا قول یہ ہے کہ اس آدمی یا اس جانور کو سیراب کہو ، جس نے پانی

پیٹ بھر کر پیا ہو یا آس کشت و باغ و سبزہ‌زار کو کہو جس کو خوب پانی دیا ہو۔ یہ قید تو محض تحکم ہے اور اس قید سے لازم آتا ہے کہ فقط پھول کو شگفتہ کہیں اور جبین کو شگفتہ کہیں اور سوا کپڑے کے کسی چیز کو رنگین نہ کہیں۔ میں تو آپ کا معتقد ہوں، اس قید کو مان لوں گا لیکن اوروں کو کیا کروں؟

شاعر کہتا ہے غ

نمودِ گوہرِ سیراب در بنا گوشش
چو شبنمے کہ کشد برگِ گل در آغوشش

بہاردانش کے دیباچہ میں ہے:

بود از فیضِ معنی ہایِ سیراب
روان در جدولِ اوراقِ او آب

اسی صفحے میں تم نے ''اوشان'' کے تلفظ کو ضمیرِ جمعِ غائب لکھا ہے۔ حال آن کہ ضمیرِ واحدِ غایب 'شین' اور ضمیرِ جمعِ غائب 'شان' ہے۔ ضمیرِ واحدِ حاضر مثناۃِ فوقانی اور ضمیرِ جمعِ حاضر 'تان' ہے۔ دونوں جگہ الف نون جمع کا ہے۔ 'اوشان' اور ''شمایان'' اور ''مایان'' وہ متصدیانِ عامی لکھتے ہیں جو بڑے دربیے کے دروازے پر اور ڈاکخانے کی راہ میں اور کچہریوں کے میدان میں بیٹھے رہتے ہیں۔ دو باتوں کا متوقع ہوں۔ ایک تو یہ کہ ''سیرابیِ بیان'' جو قاطعِ برہان میں مندرج ہے، صرف وہ

غلط ہے یا "سیرابیِ گوہر،، اور "سیرابیِ معنی،، یہ بھی غلط ہے۔ دوسری بات یہ کہ " اوشان ،، کی سند از روئے نظم و نثرِ اساتذہ عنایت کیجئے۔

سوال دسواں :

صفحہ ۴۲ سطر ۱۰ آپ کی یہ عبارت "بودن بہ بای فارسی نہ در **فرہنگِ رشیدی** و **فرہنگِ جہانگیری** و در **مؤید الفضلا** و **مدارالافاضل** دیدم،، سراسر بے ربط بلکہ خبط ہے 'نونِ نافیہ' ابتدایِ عبارت میں اور "در،، کا لفظ دو جگہ ، پھر دو طرف ذکر کر کے 'واوِ عاطفہ' اور اس کے آگے دو طرف اور ، **گلستان** ، **بوستان** پڑھنے والا لڑکا بشرطِ آنکہ پاگل نہو گا ، کبھی نہ لکھے گا۔ اس مطلب کی گزارش کی طرز بے تکلف یہ ہے "بودن بہ بایِ فارسی در **فرہنگِ رشیدی** و **فرہنگِ جہانگیری مؤید الفضلاؑ** و **مدار الافاضل** ندیدم"۔ اس فقرے کے بعد بے فصل یہ فقرہ اور زیادہ تر مضحک ہے کہ "گمان کہ دارند کہ بران بای موحدہ بر آورندگانِ کتاب از راہِ تصحیف زیادہ کردہ باشند" کمترین پوچھتا ہے کہ گمان کے آگے کا کاف کیسا ہے اورکیا معنی دیتا ہے اور "بر آورندگانِ کتاب" سے کون لوگ مراد ہیں۔ نہ مؤلف 'برآورندۂ کتاب' ہو سکتا ہے نہ کاتب۔ بھلا میں تم کو قسم دیتا ہوں **سعدی** کو 'برآورندۂ **گلستان**' کہو گے یا وہ **گلستان** اگر تمہارے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے تو

اپنے کو اُس گلستان کا 'برآورندہ' لکھو گے۔

سوال گیارھواں :

صفحہ ۲۶ سطر پہلی میں تم لکھتے ہو۔ "ندانم کہ مرزا اسد اللہ غالب بہ کہ رہبرے بای موحدہ اصلی بپساویدن و بپسودن را زایدہ انگاشتند"۔ فدوی پوچھتا ہے کہ 'بہ کہ رہبرے' کے کیا معنی یا 'بہ کدام رہبرے' لکھتے یا 'بہ رہبری کہ' لکھتے۔ سبحان اللہ اس تحریر پر دعویٰ تالیف اور تصنیف کرنا اور پھر جناب حضرت غالب مد ظلہ العالی سے پوچھنا کہ بای پساویدن و بپسودن کو کس راہ سے زایدہ جانا۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم اس موحدہ کو اصلی اور جزو کلمہ کس راہ سے جانتے ہو۔ 'پسودن' مصدر اصلی اور 'پساود' اس کا مضارع اور 'پساویدن' مصدر مضارعی جیسا 'رستن' بمعنی اوگنے کے مصدر اصلی اور 'روئیدن' مصدر مضارعی۔ اب ایک بات اور سمجھو۔ مصدر کو بہ اضافہٴ بای زایدہ متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے استعمال نہیں کیا۔ ہاں صیغہ ہای ماضی و مضارع و امر ببای مقدم موحدہ لاتے ہیں۔ 'رفت' کو 'برفت' اور 'رود کو 'برود' اور 'رو' کو 'برو' لکھتے ہیں۔ محمد حسین دکنی' نے 'پساود' کو 'بپساود' لکھا۔ سوائے تمھارے اور کون ایسا احمق ہوگا کہ 'بپساود' کے با کو خبرو کلمہ اور حرف اصلی سمجھے گا۔ قصہ مختصر،

میرا سوال بسبیلِ استفادہ یہ ہے کہ خاص 'پساود' کے بایِ موحدہ کو حرفِ اصلی سمجھیں یا 'بروڈ' و 'بگوید' و 'بنماید' جتنے مضارع ہیں اور ہزار در ہزار ہیں ، اس پرجو بایِ موحدہ لاتے ہیں ، عموماً اُن سب کو حرفِ اصلی اور جزوِ کلمہ سمجھوں اور چونکہ حرفِ اصلی کا حذف دستور نہین ، پس جب 'بپساود' کو لفظِ مستقل قرار دوں تو 'پساود' کو مہمل سمجھوں یا مخفف ؟

سوال بارھواں :

صفحہ ۳۰ سطر ۱۹ ، حضرت نے "مردمانِ دور و دراز" لکھا ہے - 'دور و دراز' راہ کی صفت ہے ، 'مردمان' کی صفت لفظ 'دور' البتہ، 'دراز' کا عطف کیسا ؟ اگر 'دراز' سے 'دراز قد' مراد ہیں تو 'دراز قد' لکھنے سے کیا مراد ہے ؟ عیاذاً باللہ 'مردمِ بلادِ بعیدہ' یا 'مردمِ شہرهایِ دور دست' کی جگہ "مردمِ دور و دراز" لکھنا اور پھر فارسی‌دانی اور منشی‌گری اور فرہنگ نویسی کا دعویٰ کرنا ! پیر و مرشد پہلے منہ بنانا تھا ، پھر شیروں کا مقابلہ کرنا تھا !

سوال تیرھواں :

صفحہ ۴۰ سطر ۸ "ما سخن فہمانِ انصاف گزینِ حق پسند را تکلیفِ دعوت نمیدہیم" 'ما' کی خبر 'میدہیم' مسموع و معقول ہے ، 'نمیدہیم' کہاں کی بولی ہے - اس جملۂ مرکبہ کی ہندی

یہ ہوگی "ہم سخن فہموں کو دعوت کی تکلیف نہیں دیتا"۔
اب آپ ہی سوچئے کہ یہ اردو ہے یا انگریزی لہجہ ہے۔
اس عبارت میں آپ نے "خندستان" کا لفظ لکھا ہے۔ آپ بڑے محقق فارسی دان ہیں۔ میں متوقع ہوں کہ "خندسنان" کی سند اساتذہ عجم کی نظم و نثر میں سے مجھ کو عطا کیجیے۔

اسی صفحہ کی ۹ سطر میں مرقوم قلم اعجاز رقم ہے۔
"بہر دیدن تماشای خندہ خویش آنان مانند رقاصان می طلباند" میں پوچھتا ہوں کہ "آنان" کے آگے لفظ 'را' جو مفعول کی علامت ہے کیوں نہ لکھا اور 'میطلبد' کی جگہ "می طلباند" کیوں لکھا۔ تعدیہ کی کیا حاجت تھی ؟

سوال چودھواں :

صفحہ ۵۴ یہاں بھی ۱۰ سطر میں "برآورندگان کتاب" بمعنی مصنفان کتاب لکھا ہے۔ گویا کتاب ٹیسو ہے جو کہا جائے کہ اب دسہرہ آیا ہے، لڑکے ٹیسو نکالینگے۔

اسی صفحے کی ۱۱ سطر میں تم یہ لکھتے ہو "از سرمہ ہمبری دیگر کتاب رفع گردیدہ" مطلب تمہارا یہ ہے کہ اور کتاب کے مقابلہ سے رفع ہو گیا۔ واہ کیا خوب "سیرابی بیان" غلط اور 'سرمہ مقابلہ' صحیح ! خیر یہ بھی سہی "ہمبری" بمعنی 'مقابلہ' کہاں سے ڈھونڈ کر لائے ہو؟ "ہمبری" لفظ غریب اور مقابلے کا استعارہ غلط۔ اگر بہ تکلف تمام 'ہمدوشی' اور

ہمسری کا مرادف ٹھہرائیں تو ''ہمبری'' مثلیت کے معنی ادا کرے گا ۔ مقابلے کے معنی کبھی نہ دے گا ۔ مقابلہ ضدیت چاہتا ہے نہ مثلیت ۔ ۱۳ سطر میں لکھتے ہو : ''این ہمان میمانند'' اس مقام پر این 'بدان ماند' یا 'بدان می ماند' چاہیے تھا ۔ 'این ہمان میمانند' کے کیا معنی ؟ پھر اسی صفحہ کے ۱۵ اور ۱۶ سطر میں لکھتے ہو ۔ ''دیدہورانِ انصاف و حقیقت بر این صنعت میخندند و حمقا ظاہر بین می سرایند'' ۔ پہلے تو یہ ارشاد ہو کہ ''دیدہ ورانِ انصاف و حقیقت'' کیا ترکیب؟ پھر یہ کہیے کہ 'حمقا ظاہر بین' کے کیا معنی ۔ حمقا کے آگے تحتانی یا ہمزہ ہو تو ظاہر بین حمقا کی صفت ٹھہرے ۔ خیر اس کو تم نے ناظرین کے وجدان پر محمول کیا ۔ 'می سرایند' مجازاً 'میگویند' کے مرادف ہے ، یعنی کہتے ہیں ۔ پس اس کے آگے ایک کاف اور اس کے بعد ایک تقریر ضرور ہے ۔ جب تم نے نہیں لکھا تو کوئی کیوں کر جانے کہ ''حمقای ظاہر بین'' کیا کہتے ہیں ۔ جس مجمع میں یہ صفحہ دیکھا جاتا تھا ، ایک شخص ظریف حاضر تھا ۔ اس نے سب کو ڈانٹا اور کہا تم لوگ نادان ہو ، جناب منشی صاحب نے ''می ستایند'' کی جگہ ''می سرا یند'' لکھا ہے ۔ ہم سب نے کہا یہ امر سند طلب ہے ۔ 'سرودن' کے دو معنی ہیں : گانا اور کہنا ، 'تعریف کرنا' کس طرح مسلم ہو سکتا ہے ؟ اس ظریف نے

کہا کہ سنو ! ہندی میں تعریف کرنے کو سراہنا کہتے ہیں ۔ منشی جی نے از روئے تفریس 'می سرایند' لکھا ہے ۔ ہم نے کہا اگر یوں تھا تو ''می سراہند'' چاہیے تھا ، نہ ''می مرایند'' ۔ ظریف نے کہا کہ منشی جی پیرو ہیں دکنی کے جس نے برہان قاطع میں 'ارتنگ' کو 'ارژنگ' اور 'ارجنگ' اور 'ارژنگ' اور 'ارسنگ' اور 'ارغنگ' لکھا ہے ۔ منشی جی نے بھی ''می سراہند'' کو ''می مرایند'' لکھ دیا تو کیا غضب کیا ؟ منشی صاحب ! تمھارے سر کی قسم ، اس مجمع میں بہ نسبت آپ کی فارسی عبارت کے ، وہ لطائفِ ذوق انگیز درمیان آئے ہیں کہ سب اہلِ محفل ہنسی کے مارے مرے جاتے تھے ۔ آخر کو باتفاقِ رایِ ہم‌دگر یہ ٹھہری کہ فرہنگ‌نویسوں نے فارسی کو سات قسم پر منقسم کیا ہے ۔ ان اقسام سبعہ میں سے ساتویں فارسی سغدی ہے ۔ منشی سعادت علی نے آٹھویں فارسی نکالی ہے ۔ اس کا نام چغدی ہے ۔ چونکہ فدوی آپ کا معتقد اور خیر خواہ ہے ، اس امر سے بہت خوش ہوا اور آپ کی خوشی کے واسطے اس امر کی آپ کو اطلاع دے دی ۔

سوال پندرھواں :

محمد حسین دکنی جامعِ برہان قاطع پیر طریقت نہ تھا ، شیخِ وقت نہ تھا ، مفتی نہ تھا ، مجتہد نہ تھا ، عالم نہ تھا ، رعایائے دکن میں سے ایک شخص متوسط الحال ہو گا ، غایتِ

ما فی الباب یہ کہ پڑھا لکھا ہو گا ۔ اس کی بہ نسبت جو حضرت غالب مدظلہ العالی نے کچھ کلمات ِ ظرافت آمیز لکھے ، آپ نے اس کے عوض میں حضرت کو وہ کچھ لکھا کہ اشراف کسی ادنٰی آدمی کو بھی ایسی باتیں نہ کہے گا نہ لکھے گا ۔ کوئی نہ لکھے گا ۔ بس صاف گالیاں ہیں ۔ یہ آپ کا معتقد آپ سے باکمال عجز و انکسار پوچھتا ہے کہ ایک دکنی ِ دنی کے واسطے آپ کو اتنا غصہ کیوں آ گیا کہ آپ نے مناظرے کو پھکڑ بنا دیا اور فحش بکنے لگے اور بھوگ دینے لگے، اس سوال کا جواب شافی لکھیے ۔

سوال سولھواں :

آپ سنی ہیں اور اہل سنت و جماعت خلفائے راشدین کو اپنا پیر و مرشد اور اُن کی تعظیم و تفضیل کو اپنے پر واجب اور سبّ ِ صحابہ کو گناہ بلکہ کفر جانتے ہیں ۔ آپ کے حقیقی بھائی نے مذہب ِ رفض اختیار کیا ، محرّم میں حاضریاں کھاتے اور تعزیہ خانوں میں بھس اُڑاتے پھرتے ہیں ، تم ان سے کبھی خفا نہ ہوئے ؟ مقام ِ حیرت ہے کہ جامع ِ قاطع برہان کی مذمت پر تو وہ استیلائے غیظ و غضب ہو اور لعن و طعن ِ صحابہ سن کر کان پر جوں نہ پھرے اور تیوری پر بل نہ پڑے ۔ کہو گے ہمارے بھائی نے ہمارے سامنے کبھی تبرّا نہیں کیا ۔ تو میں عرض کروں گا کہ حسبي عملک بعاله ۔ میر ارادت علی صاحب

کا امامیہ ہونا اور مذہبِ امامیہ میں سب صحابہ کا استحسان بلکہ و جوب مشہور اور اظہر ہے۔ آپ کا سننا اور نہ سننا برابر ہے۔ للہ جلد بتائیے کہ سبّ ِ صحابہ کیوں ناگوار نہ ہوا ؟ باوجود اس تسنّن اور تقدّس اور تورّع کے جو تم کو حاصل ہے ، حمیّتِ دین کی رگ جنبش میں کیوں نہ آئی ؟ جیسے وہاں غضب ناک ہونے کا باعث لکھیے گا ، یہاں خشم گیں نہ ہونے کی وجہ لکھیے گا۔

خاتمہ :

آپ کا دستور یہ ہے کہ جب فقدانِ مادۂ علمی کی جہت سے حریف کو جواب نہیں دے سکتے ، تو غصّے میں اندھے بن کر گالیاں دینے لگتے ہو۔ نجم الدولہ اسداللہ خاں بہادر غالب ، امیرِ نامدار اور مع ہذا حلیم اور بردبار ہیں ، تمھاری نا سزا باتیں سن کر چپ ہو رہے۔ سنیے میں نے ایک دن نواب صاحب محتشم الیہ سے پوچھا کہ آپ نے منشی سعادت علی صاحب کی بد زبانی کا جواب کیوں نہ دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر راہ چلتے سڑک پر گدھا تم کو لات مار بیٹھے ، توکیا تم بسبیلِ تلافی سڑک پر ٹھہر جاؤ گے اور گدھے کو لات مارو گے؟ میں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ حضرت نے ارشاد کیا کہ پھر میں منشی جی کی خرافات کا جواب کیوں دوں۔ اس امر کے اظہار سے میری عرض یہ ہے کہ حضرت غالب تمھارے مقابلے

کو ننگ و عار سمجھ کر سکوت کر گئیے ۔ میں دلّی کا روڑا ہوں ۔ آب ہتھ زور تو میں کوڑا ہوں ۔ اگر آپ پھکڑ لڑنے کا قصد کیجیے گا تو میں خم ٹھوک کر موجود ہو جاؤں گا ، ایک کہو گے، دو سناؤں گا ۔ زنہار میرے سوالوں کا جواب جیسا طریقہ شرفاء کا ہے دیجیے گا اور بد زبانی ، ژاژخائی نہ کیجیے گا ۔

تمت الخطاب بعون الملک الوہاب و نحن منتظر الجواب ۔

تم تم تم

سوالات عبدالکریم

کی

تعلیقات

تعلیقات

سوالات عبدالکریم

سوال ۱ : زیر بحث جملہ جو **محرق قاطع برہان** کے صحفہ ۲ کی سطر ۸ سے شروع ہو کر سطر ۱۱ پر ختم ہوتا ہے ، یہ ہے : ''پیش ازین چند سالی کتابی مسملی **بحدایق العجایب** بتقدیمِ لغاتِ ہندی مستعملہٗ زبان اردو و تاخیر لغاتِ فارسی و عربی ہم معنی لغاتِ ہندی مذکورہ مندرجہ کتاب **برہان قاطع** و **فرہنگ رشیدی** و **غیاث اللغات** و **شمس اللغات** وغیرہ فارسی و **صراح** و **قاموس** وغیرہ عربی تالیف کردہ بودم ۔''

غالب نے جملے کے اواسط کو حذف کر کے حوالہ دیا ہے ۔ **غالب** کا اعتراض صحیح ہے ، بلکہ اس جملے میں دو جگہ وغیرہ اور اس کے بعد ایک جگہ ''فارسی'' اور دوسری جگہ ''عربی'' اس طرح آیا ہے کہ نحوی ترکیب ناقص رہتی ہے ۔ ''فارسی'' اور

نسخے میں متعلقہ جملے میں 'آمد شد' غلط چھپا ہے۔
محرق کے متن میں 'آمد و شد' ہے۔

سوال ۵ : غالب نے یہاں محرق کے ایک جملے کی ساخت پر دو اعتراض کیے ہیں۔ دونوں صحیح ہیں۔

سوال ۶ : یہ سوال محرق کی عبارت مندرجہ صفحہ ۱۳ کی سطر ۱۱ سے متعلق ہے۔ مجلس کے مذکورہ نسخے میں یہاں صفحہ ۱۴ غلط درج ہوا ہے۔ مثنوی مولوی کا زیرِ بحث شعر دوسرے دفتر کی حکایت بعنوان "مناجات کردنِ شبان باحق تعالیٰ در عہدِ موسیٰ علیہ السلام" کا پندرھواں شعر ہے، لیکن شعر کے صحیح متن میں پہلے مصرعے کے الفاظ کی ترتیب ذرا مختلف ہے در اصل مصرعہ یوں ہے:

این چہ ژاژاست این چہ کفر است و فشار

اس شعر کا دوسرا مصرعہ اس طرح ہے:

پنبۂ اندر دہانِ خود فشار

جسے محرق میں لفظ پنبہ کی اضافت کے بغیر اور 'فشار' کو باضافۂ حرف با 'بفشار' درج کیا گیا تھا، جس پر غالب نے مزاحیہ انداز میں اعتراض کیا۔

"عربی" سے پہلے کوئی حرف جار لازم تھا ۔

سوال ۲ : اس سوال کے تحت **غالب** نے **محرق** کی عبارت پر تین اعتراض کیے ہیں ۔ یہ تینوں صحیح ہیں ، لیکن آساتذہ سخنوران اہلِ زبانِ **ایران** ، کے بجائے محرق کی عبارت میں صرف 'اساتذۂ سخنورانِ اہل زبان، ہے۔ اہل زبان کے بعد لفظ **ایران** جو **غالب** کے حوالے میں ہے **محرق** کے اصل متن میں نہیں ہے ۔

سوال ۳ : یہ سوال **محرق** کی عبارت مندرجہ صفحہ ۴ سطر ۲ سے متعلق ہے ۔ **مجلس ترقی ادب لاہور** کے شائع کردہ **مجموعۂ نثرِ غالب** میں شامل **سوالات عبدالکریم** میں یہاں سطر ۲ کے بجائے سطر ۶ غلط چھپا ہے ۔ **غالب** کا اعتراض کہ زیر بحث فقرہ مخدوش ہے صحیح ہے ۔ اس کے ثبوت میں **غالب** نے جملے کا تجزیہ کر کے جو سقم بتایا ہے وہ اس جملے میں واقعی موجود ہے ۔

سوال ۴ : یہ سوال **محرق** کے اس جملے سے متعلق ہے جو صفحہ ۵ کی سطر ۱۴ سے شروع اور ۱۵ پر ختم ہوتا ہے ۔ **مجلس** کے مذکورہ بالا نسخے میں یہاں سطر ۶ غلط درج ہوا ہے ۔ اس کے علاوہ **مجلس** کے

سوال ۷ : مجلس کے نسخے میں زیر بحث عبارت دو جگہ غلط درج ہوئی ہے۔ محرق کے اصل متن میں زیر بحث جملوں میں "این سبب" سے پہلے "از" اور "خواہند کنانید" کے بجائے "خواہد کنانند" ہے۔ غالب نے ان جملوں پر جو اعتراض کیے ہیں وہ دونوں صحیح ہیں۔

سوال ۸ : غالب نے لفظ "فراز" کی بحث کے ضمن میں کثیرالمعانی اور مشترک المعانی کا جو فرق قائم کیا ہے وہ درست ، لیکن "فراز کردن" کو لغاتِ اضداد میں سے نہ ماننا درست نہیں۔ غالب کا دوسرا اعتراض جو محرق کے جملے میں تقلیداً کے غلط طور پر استعمال سے متعلق ہے درست ہے۔ زیرِ بحث جملے میں 'تقلیداً مرزا اسد اللہ غالب' ہے۔ غالب نے اپنے حوالے میں اختصار کی غرض سے نام کے بجائے "فلانی" اپنی طرف سے استعمال کیا ہے۔ اس سوال کی عبارت میں جو مثل آئی ہے "نہ ادھر نہ آدھر یہ بھلا کدھر؟" اس میں "بھلا" کے بجائے "بلا" ہونا چاہیے۔ مجلس کے نسخے میں "بھلا" ہے۔

سوال ۹ : غالب نے قاطع برہان میں یہ جملہ لکھا تھا "اگر ہمچنین بہر میرابیِ فصل بای عربی با بایِ فارسی

مضارعی را بافزایشِ بای موحده بایستی آورد
در بند ایلاوس یعنی القباضِ طبع چرا فروماند ؟"
یہاں لفظ 'سیرابی' کے استعمال پر محرق میں اعتراض
کیا گیا تھا جس کا جواب غالب نے اس سوال کے
ضمن میں دیا ہے اور حوالے کے لیے ''سیرابی بیان"
کہا ہے ۔ اس سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ
غالب نے زیرِ بحث جملے میں ''سیرابیِ بیان" لکھا
ہوگا ۔ در اصل ایسا نہیں ہے ، جیسا کہ مندرجہ بالا
اقتباس سے ظاہر ہے ، غالب نے اسی طرح جیسے
پہلے ایک جگہ اپنے نام کے بجائے جو حوالے میں
آیا تھا ''فلانی" لکھا ہے ، یہاں بھی "فصل. . ."
کے بجائے ''بیان" لکھ دیا ہے اس بنیاد پر کہ
لکھی ہوئی فصل بہر حال بیان ہی تو ہے اور بیان
کی طرف سیرابی کی نسبت زیرِ بحث ہے ۔ منشی
سعادت علی نے لکھا تھا کہ "سیرابی" کے بجائے
''سیری،، لکھنا چاہیے تھا ۔ جس کے معنی ہیں
"پرکردن،، ۔
منشی کا اعتراض بیجا ہے ۔ ''سیرابی فصل،، میں
فصل کے ایہام تناسب سے عبارت میں ایک لطف
پیدا ہوتا ہے ۔ لیکن تعجب ہے کہ غالب نے

یہ پہلو نمایاں نہیں کیا۔
اس سوال کے تحت غالب نے لفظ ''اوشان،، پر اعتراض کیا ہے جو منشی سعادت علی نے محرق میں استعمال کیا تھا۔ غالب کا مقصد یہ ہے کہ یہ ''سوقیانہ،، لفظ ہے۔ غالب نے اساتذۂ عجم کی نظم و نثر سے اس کی سند چاہی ہے اور کہا ہے کہ اوشان، شایان اور مایان وہ سقصدیان عامی لکھتے ہیں جو بڑے دربیے (کے) دروازے پر ڈاکخانے کی راہ میں اورکچہریوں کے میدان میں بیٹھے رہے ہیں۔ غالب نے ٹھیک کہا۔ ایران میں بھی جیسا کہ ڈاکٹر محمد معین نے قاطع برہان کے متعلقہ حاشیے میں بتایا ہے یہ لفظ مقامی بولیوں میں ملتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ فصیح فارسی میں استعمال کیا جائے تو اجنبی اور دیہاتی محسوس ہوگا۔ یہاں تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ لفظ ''برہان قاطع'' میں درج ہوا ہے، لیکن غالب نے اس طرف اشارہ نہیں کیا، نہ قاطع میں اس پر اعتراض درج کیا۔ فرہنگ انجمن آرای ناصری میں بھی جو گذشتہ صدی کی تالیف ہے یہ لفظ درج ہوا ہے۔ جہاں تک فارسی زبان کی کتابوں کا تعلق ہے۔

یہ لفظ ملفوظات صوفیہ میں راقم کی نظر سے گذرا ہے ، چنانچہ **ملفوظات بابا شاہ مسافر** میں جو **حیدر آباد دکن** کی مطبوعہ اٹھارہویں صدی عیسوی کی تالیف ہے یہ لفظ استعمال ہوا ہے ، لیکن یہ ظاہر ہے کہ صوفیہ کے ملفوظات میں اور صوفیانہ ادب کی کتب مقامات میں عامیانہ ، سوقیانہاور دیہاتی لفظ اکثر ملتے ہیں ، اس لیے کہ صوفیوں کا رشتہ عوام سے رہا ہے اور انھوں نے اکثر عوام کو انھی کے محاورے میں مخاطب کیا ہے جس کا نقطۂ اوج **ہرات** کی بولی میں شیخ **عبداللہ انصاری** کی مترجمہ **طبقات الصوفیہ** اور **بابا طاہر عریاں** کی دوبیتیاں ہیں ۔

سوال ۱۰ : پہلا اعتراض **محرق** کے جس جملے پر ہے وہ اصل متن میں تصحیح شدہ ہے ، یعنی اس جملے میں 'در **موید الفضلاء**' سے پہلے 'نہ' بنایا گیا ہے اور "کہاں" کے بعد لفظ "کہ" مٹایا گیا ہے ۔ ظاہر ہے یہ سہو کتابت ہوگا جس کی اصلاح شاید کتابت شدہ کاپی میں کی گئی مگر مغشوش رہی ۔

اسی سوال کے ضمن میں "برآورندگان" کتاب" پر **غالب** کا اعتراض بالکل صحیح ہے ۔

سوال ۱۱ : زیر بحث جملہ محرق کے صفحہ ۲۵ کی آخری سطر کے آخر سے شروع ہوتا ہے ، صفحہ ۲۶ کی پہلی سطر پر آیا ہے اور پھر دوسری سطر کے شروع میں ختم ہوا ہے ۔

غالب کا اعتراض ''بکہ رہبری'' پر بالکل درست ہے ۔ لیکن اسی سوال کے تحت **غالب** کے 'بپسودن' اور 'بپساویدن' پر بحث کرتے ہوئے جو کہا ہے کہ متقدمین اور متاخرین کے ہاں کہیں مصدر کے ساتھ بای زائدہ نہیں ملے گی یہ درست نہیں ۔ البتہ **غالب** کی یہ بات **مولوی احمد علی** نے بھی **مؤید برہان** میں صحیح مانی ہے کہ یہ ب جزو مصدر نہیں زائدہ ہے مگر مصدر کے مصدّر بہ بای زائدہ ہونے کی فارسی ادب سے کئی مثالیں دی ہیں جن میں **سعدی** کی بوستان کا یہ شعر بھی ہے :

مشقت نیرزد جہان داشتن
گرفتن بہ شمشیر و بگذاشتن

ظاہر ہے کہ **غالب** یہاں اپنے حافظے سے زیادہ مدد نہیں لے سکے ، ورنہ یہ چیزیں آن کے مطالعے میں آ چکی ہوں گی ۔ اس کے علاوہ **غالب** کی نظر میں

نہیں کہ بیہقی کی تاج المصادر میں متعدد مصادر
بای زائدہ کے ساتھ آئے ہیں ۔ جیسے برسیدن ،
بترسانیدن وغیرہ ۔

سوال ۱۲ : غالب کا اعتراض صحیح ہے ۔ مجلس کے نسخے میں
اس سوال کی عبارت میں ان الفاظ میں "پہلے خود
بنوانا تھا" لفظ 'خود، کی خ پر زبر غلط چھپا ہے ۔

سوال ۱۳ : غالب کے یہاں تین اعتراض ہیں ، جن میں سے دو
صحیح ہیں ، لیکن لفظ 'خندستان، پر جو انھوں نے
اعتراض کیا ہے وہ 'اوشان، والے اعتراض کی طرح
ہے جو پہلے مذکور ہوا ۔ یہ لفظ بھی برہان قاطع
مں آیا ہے ، لیکن غالب نے اس طرف اشارہ نہیں
کیا بلکہ قاطع میں بھی معترض یا متعرض نہیں
ہوئے ۔ یہ لفظ فرہنگ انجمن آرای ناصری میں بھی
درج ہوا ہے ۔ عصرِ حاضر میں فکاہیِ ادب میں
اس کا استعمال ملتا ہے ۔ البتہ غالب نے اساتذۂ عجم
کی نظم و نثر سے جو اس کی سند مانگی ہے اس سے
یہ مترشح ہے کہ ان کے نزدیک اس لفظ کو فصیح
فارسی کے متین ادب میں جگہ نہیں ملی ہے ۔

سوال ۱۴ : غالب کے تمام اعتراض صحیح ہیں ۔ البتہ 'سرمہ
همبری، اگرچہ فصیح نہیں لیکن اس بنیاد پر

قابل اعتراض بھی نہیں کہ 'همبری' بمعنی مقابلہ نہیں آ سکتا ۔ خود برہان قاطع میں 'همبر' کے معنی میں 'مقابل نشستن' بھی درج ہے یعنی مؤلف برہان کا مقصد ہے همبرشدن کے معنی بتانا ۔ عضر حاضر کے ادب میں بھی یہ لفظ کتاب کے مختلف نسخوں کے مقابلے کے لیے استعمال ہوا ہے ۔

مجلس کے نسخے میں محرق کے صفحہ ۴۵ سطر ۱۳ کے الفاظ "این همہ می ماند" نقل ہوئے ہیں ، لیکن محرق کے اصل متن میں "این ہمان می ماند' ہے غالب کا اعتراض بہر حال درست ہے ۔ لیکن شاید "ہمان" سے پہلے "بہ" کا حذف محرق میں سہو کتابت ہو ۔

سوال ۱۵ : غالب نے یہاں اخلاقی نقطہ' نظر سے ایک سوال کیا ہے جو واقعی معقول ہے ۔

سوال ۱۶ : غالب کا اعتراض جذباتی ہے جس کا علم و ادب سے کوئی تعلق نہیں ۔

خاتمہ : خاتمے کی عبارت میں غالب کا پہلا جملہ ضمائر کے استعمال میں شتر گربے کی بڑی لطیف مثال ہے جو یہاں طنز و مزاح کی خاطر بہت برمحل ہے ۔ اس طرح

صرفی و نحوی اختلاف فارسی اور اردو دونوں کے
روزمرہ میں مسلم حیثیت رکھتا ہے ، بلکہ اونچے
درجے کے ادب میں بھی دونوں زبانوں میں
ملتا ہے -

استفتا

آن صفحات میں جو 'استفتا' کے عنوان کے تحت ہیں
صرف ایک ہی مسئلہ ہے ، یعنی فعل امر یا اصل المصدر کے
آخر میں الف و نون کا لاحقہ کس معنی میں آتا ہے ؟ غالب
مخالف تھے اس قول کی تردید کرتے تھے کہ اس طرح جو اسم
مشتق بنتا ہے وہ اسم فاعل ہوتا ہے وہ کہتے تھے یہ اسم فاعل
نہیں اسم حالیہ ہے ، جیسا کہ صرف و نحو فارسی میں مسلم ہے
غالب ٹھیک کہتے تھے ، مگر انھیں اس حقیقت پر بڑی نظر
کرنی چاہیے تھی کہ اسم حالیہ جو حالت بتاتا ہے وہ بہر حال
اسم فاعل کی حالت ہوتی ہے -

تیغِ تیز

اللہُ جلّ شانہٗ ، اپنے بندوں کو ورزشِ امورِ خیر کی توفیق دے ۔ اچھا ہے وہ بندہ جس کو ظلم کی خو نہ ہو ۔ اور ظلم کی انواع ہیں ، از آں جملہ ایک سخن پروری ہے کہ اس کو بے ایمانی کہا چاہیے ، یعنی کتمانِ حق اور اعلانِ باطل بہ اصرار ۔

اسد اللہ خانِ غالب کہتا ہے کہ میں نے خاص نظر بہ اعلانِ حق برہان قاطع کی عبارت کی سستی اور بیان کی غلطی اور اطنابِ ممل کی نکوہش میں ایک رسالہ لکھا اور اس کا نام قاطعِ برہان اور درفش کاویانی رکھا ۔ جب بعدِ انطباع وہ رسالہ مشتہر ہوا تو پہلے پہل اس مثلِ ہندی کے مطابق 'بیل نہ کودا کودی گون' ایک مردِ بےمغز معوج الذہن ، نہ فارسی دان نہ عربی خوان ، نے میری نگارش کی تردید میں ایک کتاب بنائی اور چھپوائی ۔ محرقِ قاطع اس کا نام رکھا اور اس کو مشتہر کیا ۔ میرے ایک یار نے اس کتاب کے جواب میں کچھ لطائف

جمع کئے اور لطائفِ غیبی اس کا نام رکھا ۔ وہ نسخہ بھی مشہور ہوا ۔ پھر ایک مرزا رحیم بیگ میرٹھ کے رہنے والے بروئے کار آئے اور ایک تحریر مسمّٰی بہ ساطعِ برہان نکال لائے ۔ مطالبِ مندرجہ لغو ، بیشتر محرقِ قاطع کے مضامین منقول ۔ فقیر نے صرف ایک خط مرزا جی کو لکھ بھیجا ۔ زیادہ اس طرف التفات کو تضئیعِ اوقات جانا ۔

ثالثاً میاں امین الدین کہ اب پٹیالے میں ملقب بہ مدرس ہیں ، انھوں نے ایک قاطع القاطع چھپوایا ۔ استعدادِ علمی میں سے بعدِ صرف مقاصدِ نحو و صرف فارسیت کی اسی قدر رعایت منظور رکھی کہ حقیر کے بعض فقروں کی ترکیبیں اپنی عبارت کے قالب میں ڈھالیں ۔ باقی سوائے عربیِ قشری اور فارسیِ مسروقہ کے ، وہ مغلظ گالیاں دی ہیں ، جو کنجڑے بھٹیارے استعمال کرتے رہتے ہیں ۔ کمال یہ کہ ان کا منطق ہندی اور حضرت کی عبارت فارسی ہے ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی جلاہے ان دنوں میں علم تحصیل کر کے مہذب ہو گئے ہیں ۔ عمامہ باندھے ہوئے پھرتے ہیں ۔ فحش نہیں بولتے خلاف اپنی قوم کے ۔ صاحب و قبلہ ان کا روزمرہ ہے ۔ یارب میاں امین الدین کس بری قوم کے اور کس پاجی گروہ کے ہیں کہ مولوی کہلائے مدرس بنے ، مگر الفاظِ مستعملۂ قوم نہ چھوڑے ۔ اگر میری

طرف سے ازالۂ حیثیت کی نالش دائر ہو جاتی تو میاں پر کیسی بنتی ، مگر میرے کبرِ نفس نے ازالۂ حیثیت کے لفظ کو گوارا نہ کیا ۔ ان کی تحریر ان کے باجی پن پر سجل ہے بہ مُہرِ ذرّہ تا آفتاب ۔

رابعُہم[1] مدرس **احمد علی صاحب**، عربیت میں امین الدین سے بڑھ کر ، فارسیت میں برابر ، فحش و ناسزا گوئی میں کمتر، جتنے الفاظ توہین و تذلیل کے ہیں ، وہ چن چن کر میرے واسطے صرف کئے اور یہ نہ سمجھا کہ **غالب** اگر عالم نہیں ، شاعر نہین ، آخر شرافت و امارت میں ایک پایہ رکھتا ہے ، صاحبِ عزّ و شأن ہے ، عالی خاندان ہے ۔ امرائے **ہند**، رؤسائے **ہند** ، راجگان **ہند** ، سب اس کو جانتے ہیں ۔ رئیس زادگانِ سرکارِ انگریزی میں گنا جاتا ہے ۔ بادشاہ کی سرکار سے **نجم الدولہ** خطاب ہے ، گورمنٹ کے دفتر میں 'خان صاحب ، بسیار مہربانِ دوستان' القاب ہے ۔ جس کو گورمنٹ 'خان صاحب' لکھتی ہے[2]، اُس کو سڑی اور کتّا اور گدھا کیونکر لکھوں ۔

فی‌الحقیقت یہ تذلیل بفحوائے ضربُ الغلامِ اہانت[3] المولٰی ،

(۱) سورۂ کہف، آیہ ۲۲ کے الفاظ 'رابعہم کلبہم' کی طرف اشارہ ہے ۔ **مؤید برھان** کے مؤلف پر چوٹ کی ہے ۔

(۲) اصل : 'ہیں' ۔ جو ، ظاہر ہے ، سہوِ کتابت ہے ۔

(۳) اصل : کذا ، 'اہانۃ' ، ہونا چاہیے ۔

گورمنٹ بہادر کی توہین اور وضیع و شریف ہند کی مخالفت ہے ۔ میرا کیا بگڑا ، مولوی نے اپنا پاجی پن ظاہر کیا ۔ میں نے معلم امینِ بے دین کو شیطان کے حوالے کیا اور احمد علی کے الفاظِ مذموم سے قطعِ نظر کر کے مطالبِ علمی کا جواب اپنے ذمے لیا ۔ اس نگارش کا نام تیغِ تیز رکھوں گا اور بعدِ اتمام اس کو چھپواؤں گا اور اپنے احبابِ دور و نزدیک کی خدمت میں بھجواؤں گا اور اگر مرگ نے امان نہ دی تو خیر ۔ ع

ای بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب یہاں سے آغازِ فصول ہے ۔ داد کا طالب، غالب ۔

فصل ۱

نظم

برآنم به نیروی ابن 'نسغ تیز'
که مغز عدو را کنم ریز ریز
عدو آن که 'برہان قاطع' نوشت
بگفتار سست و بہنجار زشت
اگر گفته آید که او مُرد و رفت
ز مغزش چه خواہی ہمی ای شگفت
ز مغزش خرد جُستم اماچه سود
که در زندگی نیز مغزش نبود
امید آنکه گفتار آن بے ہنر
کنم ہم بگفتار زیر و زبر
امید آنکه چون کارسازی کنم
بدین نامه دشمن گدازی کنم
زہے نامه کز فرّ اقبال او
یکے 'تیغ تیز' آمده سال او[1]

---

(۱) 'یکے تیغ تیز' سے اس رسالے کا سال تألیف ۱۸٦۷ء حاصل ہوتا ہے۔

نادرستی عبارت امر وجدانی ہے 'فہم' من 'فہم' - فی الحال وہ عیوب جامع برہان کے لکھتا ہوں کہ جو بدیہی ہیں اور حسن بصر ان کا مُدرِک ہو سکتا ہے -

سینکڑوں لغت پہلے تے سے لکھے ہیں اور پھر طوئے سے - پہلے حائے حطی سے لکھے ہیں اور پھر ہائے ہوز سے - جو الفاظ واو معدولہ سے ہیں اور جو بے واو ہیں ، دونوں کو ایک کر دیا ہے مثلاً 'خوردہ' بواو جو صیغہ مفعول ہے 'خوردن' کا ، اور 'خردہ' بخای مضموم بے واو ، جو ترجمہ ہے دقیقہ کا اور نقدی کو بھی کہتے ہیں ، ان دونوں کا تفرقہ اٹھا دیا ہے -

'ہف' بالفتح ایک لفظ ہے ثنائی - اس میں سے ایک سو کئی لغت پیدا کئے ہیں - مزا یہ ہے کہ برہان قاطع میں بھی لکھے اور پھر سواد ملحقات میں بھی رقم فرمائے - مولوی صفحہ ۴۰۲[1] میں اس لفظ کے باب میں ایک صفحہ پورا سیاہ کرتے ہیں - میرا اعتراض[2] یہ ہے کہ 'ہف' بمعنی کارگاہ جولاہ یا بمعنی شانۂ جولاہ و 'ہفوش' اسم طعام - 'ہف ہف' بمعنی آواز سگ - این سہ لغت اگر 'غریب' است ور 'صحیح'، در اول و آخر نگاشت - باقی یک صد و

(۱) 'مؤید برہان' میں یہ بحث صفحہ ۴۰۱ پر ہے صفحہ ۴۰۲ پر متعلقہ عبارت کی آخری چار سطریں ہیں -

(۲) ذیلہیں بدلیہات -

چند لغت از ہفت کہ عددیست معروف مرکب ساخت ، سراسر کنایہ از[1] ہفت ستارہ و ہفت کشور و ہفت پردۂ چشم ۔

مولوی جی پہلے تو مجھ پر اعتراض کرتے ہیں[2] کہ 'صحیح' کے مقابل 'غلط' ہے ، نہ 'غریب' ، پھر نظائر کا حوالہ دے کر 'ہفت کشور' وغیرہ کی صحت میں غلو کرتے ہیں ۔ کوئی پوچھے کہ **غالب** نے ان الفاظ کو کب غلط لکھا ہے ، جو تم اس کی صحت کے گواہ گذرانتے ہو ۔ ایک لفظ سے سو لغت بنانے کا عذر کہاں ، بس خاتمۂ عبارت میں لکھ دیا کہ ''عبارتِ دانای تبریز ہمہ معقولست و قولِ معترض نا مقبول ۔'' میں کہتا ہوں کہ اس عذر نہ کرنے کو میں نے معاف کیا ۔ دوبارہ ملحقات میں انہی[3] سو لغت کے لکھنے کا تو **مولوی جی** جواب دیں ۔ اغلب لغات کے معنی دس دس بیس بیس بلکہ سوا بھی لکھے ہیں ۔ بعض مترادف بعض ضدِ ہمد گر ، 'بسمل' کے معنی لکھنا ہے ''ہر چیز کہ آن را ذبح کردہ باشند ۔' میں نے اس مقام پر لکھا ہے ۔ ذبح بہر جانداران است ، نہ از برای اشیا۔'' اب یہاں صاحبانِ فہم و علم و داد سے انصاف چاہتا ہوں کہ اس بیان میں میں حق پر ہوں یا مولفِ برہان ۔ جامع برہان 'آتش' کی تے کو مکسور بتاتا ہے اور میاں انجو کے قول

(۱) '**قاطع برہان**' میں بھی اس مقام پر صرف 'از ہے' ۔ 'از قبیل' ہونا چاہیے تھا ۔ **قاطع** کی اصل عبارت کے لیے دیکھیں تعلیقات

(۲) دیکھیں تعلیمات ۔

(۳) اصل مطبوعہ نسخے میں : 'انہیں'

کو سند لاتا ہے ، مگر جس حال میں کہ **نظامی** یہ نقش بٹھاتا ہے :

مئے کوست حلوای ہر غم کشے
نہ یدہ بجز افتاب آتشے

خاقانی یوں فرماتا ہیں :

باعین کمالت ای ملک وش
طوبیٰ خسک است و کوثر آتش

ہر چند **سعدی** کی نظم میں اور بہت سے اساتذہ کے کلام میں فتحہ ٔ ثانی[۱] 'آتش' کالنقش علی الحجر ثابت ہے ، لیکن میں دو بانغ نظروں کے کلام کی سند دیکر بلغا اور کبرا سے پوچھتا ہوں کہ کیوں حضرت خاقانی اور نظامی سچے یا **انجو فرہنگ جہانگیری** والا اور **دکنی برہان قاطع** والا سچا ۔ وہ دو ایرانی بلندپایہ اور یہ دو ہندی فرو مایہ ۔ **برہان** والا اندھا ہے اور **فرہنگ جہانگیری** اس کی عصا ہے ۔ جامع **فرہنگ** سے تعجب ہے کہ فارسی زبان کے مالکوں کے خلاف اپنے وہم کی رو سے آتش بہ کسرہ لکھتا ہے ۔ اہل انصاف سے جواب کا طالب ، **غالب** ۔

(۱) اصل نسخے میں ''تحتانی'' ہے ۔

فصل ۲

اب مولوی احمد علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں ۔ مؤیدِ برہان کے دوسرے صفحے میں تأکید کرتے ہیں کہ زنہار محمد حسین کو دکنی نہ کہو ، وہ تبریزی ہے ۔ آخر ظہوری و نظیری بھی ایران سے آ کر دکن اور ہند میں رہے ہیں ۔ یہ دکنی ، وہ ہندی کیوں نہ کہلائے ۔ واہ رے قیاس مع الفارق ! ان دونوں میں سے ایک کا مولد ترشیز ، ایک کا مولد نشاپور ۔ بطریقِ سیر و سفر ہند میں آئے ۔ ان کو دکنی اور ہندی کون کہہ سکتا ہے ۔ محمد حسین بے چارے کا دادا پردادا تبریز سے آیا ہوگا ۔ یہ دکن میں یا ہند کے کسی اور شہر میں پیدا ہوا ہوگا ۔ اچھا مولوی صاحب ، اگر اس کو تبریزی مولد کہتے ہیں اور صاحب تخلص تھا تو اس کا دیوان دکھائیں ۔ شاہجہان کا عہد تھا ۔ محمودِ غزنوی کے وقت کے شعراء کے کلام جابجا موجود ہوں اور شاہجہان کے زمانے کے شاعر کے اشعار نہ پائے جائیں ۔ دیوان نہ سہی، کسی تذکرے میں اس کے کلام کا پتا دیں ۔ ہاں یوں ہو سکتا ہے کہ یہ شخص شعر کہتا ہوگا ، مگر پوچ اور واہی ۔ ان اشعار کی

تدوین کیا ہو اور ان کو تذکرے میں کون لکھے ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ 'ماقال' کو دیکھو ، 'من قال' سے قطع نظر کرو ۔ فقیر پوچھتا ہے کہ یہ کیا ، جس کو دیکھیں ، نظم مفقود ، نثر مردود ۔ نثاران عمدہ کا ذکر نہیں کرتا ۔ منشآت مادھورام ، انشای خلیفہ اور جو چھوٹی چھوٹی نثریں فی الحال تألیف ہوئی ہیں ، ہر ایک کی عبارت برہان قاطع کی طرز تحریر سے بہتر ہے ۔ اب یہاں بھر توقف کر کے خاص اس باب میں والانظروں سے انصاف چاہتا ہوں ۔ انصاف کا طالب' غالب ۔

فصل ۳

'... **مؤید** کے پانچویں صفحے میں **مولوی** جی لوگوں کی منتیں کرتے ہیں اور بلاتے ہیں کہ آؤ اور دکنی کا سر پکڑو۔ پھر مولانا **مؤید** کے صفحہ ۶ میں **اسدی طوسی** اور حکیم **قطران** کو دو فرہنگوں کا مؤلف بتاتے ہیں۔ بھلا صاحب، اگر **اسدی طوسی** نے فرہنگ لکھی ہوتی تو **محمودِ غزنوی** کے عصر سے آج تک سب فرہنگ نگاروں کا ماخذ وہی ہوتا اور اختلافِ لفظ و معنی کسی لغت میں راہ نہ پاتا، لیس[1] فلیس۔

صفحہ ۱۲ میں حضرت **مولوی** صاحب موافق مذہبِ مولوی **ارشد**، جامعِ **فانوسِ خیال** کے 'شکم' و 'اشکم' و 'سپید' و 'اسپید' و 'بکو' و 'بشنو' ان لفظوں کی حقیقت اک بتاتے ہیں۔ 'اشکم' و 'اسپید' اور 'بکو' اور 'بشنو' کو دری بتاتے ہیں۔ 'شکم' اور 'سپید' اور 'کو'[2] اور 'شنو'[2] کے حق میں خدا جانے کیا فرماتے ہیں۔ اصل اس کی نہ ہے کہ 'سپید' و 'شکم' دو لغت جامد ہیں، ان پر الفِ وصل لاتے ہیں۔ چاہو

(۱) یہاں کئی جملے ہم نے اس بنا پر چھوڑ دئے ہیں کہ فحش تھے۔
(۲) اصل: 'بکو' 'بشنو'

عکس یعنی 'اشکم' و 'اسپید' دو لغت اصلی اور 'شکم' و 'سپید' کو مخفف کہو ۔ 'بگو' اور 'بشنو' دو صیغۂ امر ہیں ، 'گفتن' اور 'شنیدن' کے اور ان پر موحدہ زائدہ بھی[1]۔ گوید ، 'شنود' مضارع اور امر 'گو' اور 'شنو' ۔ کہاں اسم جامد مع الف وصل ، کہاں صیغۂ امر مع موحدۂ تحتانی ۔ کیوں حضرات کثیرالبرکات اس بیان میں میں حق پر ہوں یا **مولوی احمد علی صاحب ؟**

داد کا طالب ، **غالب** ۔

---

(۱) اصل : 'بھی' لیکن یہاں سیاق کلام کے لحاظ سے 'ہے' کا محل تھا ۔

فصل ۴

جناب مولانا ۱۸ صفحہ میں حکم دیتے ہیں کہ 'پیدائی' و 'زیبائی' صحیح ، 'پیدایش'[1] و 'زیبایش'[2] غلط ۔ آخر حاصل بالمصدر بنانے کے لئے دو ہی حرف موضوع ہیں یا آخر میں شین یا تحتانی ۔ موافق مولوی حی کے اجتہاد کے سینکڑوں لفظ متروک و مطرود ہو جائیں گے ۔ ہم کہتے ہیں کہ 'زیبایش'[3] اور 'پیدایش'[4] و 'گنجایش'[5] کو 'زیبائی' و 'پیدائی' و 'گنجائی' بھی کہہ سکتے ہیں ، مگر 'آرایش'[6] و 'آسایش'[7] 'کاہش' و 'رنجش' کے آگے بے ترکیب شین کی جگہ یای حطی نہیں لاسکتے اور یہ مقدمہ نہ دلائل کا محتاج ہے ، نہ نظائر کا حاجت مند ۔

پھر صفحہ ۱۹ میں 'کندن' کو صحیح اور 'کندیدن' کو غلط بتاتے ہیں ۔ یا رب 'کندن' مصدرِ اصلی اور 'کندیدن' مصدر فرعی ، بنا ہوا مضارع سے جیسے 'آوردن' اور 'آوریدن' یا 'رُستن' بہ رای مضموم مصدرِ اصلی اور 'روئیدن' مصدرِ فرعی ،

(۱ تا ۷) اصل مطبوعہ نسخے میں زیبائش ، پیدائش، گنجائش، آرائش ، آسائش لکھا ہے ، حالانکہ ہمزہ کے بجائے ان الفاظ میں یای منقوطہ ہونی چاہیے ۔

نکلا ہوا 'روید' سے جو 'رستن' کا مضارع ہے۔ 'خواہد' و 'باید' و 'تواند' ما قبلِ صیغۂ ماضی آتے ہیں، کلیۂ دستور ہے۔ 'فرستادن' مصدر، 'فرستاد' ماضی، 'فرستد' مضارع، 'فرست' امر۔ کون اندھا ہوگا جو صیغۂ ماضی کو چھوڑ کر یعنی 'خواہد فرستاد' کی جگہ 'خواہد فرست' لکھے گا۔ 'فرستن' مصدر ٹھہرے' تب 'فرست' صیغۂ ماضی بنے اور اس سے پہلے 'تواند' وغیرہ گنجائش پائے۔ جو لوگ 'خواہد فرست' و 'باید فرست' لکھیں گے وہ زمرۂ بنی آدم سے خارج ہیں اور قابل خطاب نہیں، مگر مولوی جی نے قتیل کی پیروی کی ہے کہ وہ غلط غلط محاورے لکھ کر اس کی تصحیح کرتا ہے مثلاً "نان از مربای سیب خوردم" کو غلط کہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے کہ "نان با مربای سیب خوردم" کہو۔ انصاف کا طالب، غالب۔

فصل ۵

اسی صفحے میں مولوی صاحب آگہی دیتے ہیں کہ 'فرستادن' کا مضارع 'فرستد' ہے، نہ 'فریسد'۔ سلّمنا، لیکن اگر برعایتِ قافیہ نثر یا نظم میں منشی یا شاعر، 'نویسد' و 'فریسد'، لکھ جائے تو ایسی قباحت لازم نہیں آتی۔ ہاں 'شمیدن' بمعنی 'بوئیدن' ٹکسال سے باہر ہے۔ شنیدن کے دو معنی ہیں، 'سننا' اور 'سونگھنا' جیسا کہ **حافظ** فرماتا ہے،

بیت :

بوئ خوشِ تو ہر کہ ز بادِ صبا شنید
از یارِ آشنا خبرِ آشنا شنید

اسی ۱۸ اور ۱۹ صفحے میں جہاں 'کَندبدن' کو غلط بتاتے ہیں 'ماند' و 'خواند' کو بروزنِ چاند غلط بتاتے ہیں اور 'مُند' و 'خُند' کو بروزنِ 'تند' و 'کند' صحیح فرماتے ہیں۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ 'ماندن' و 'خواندن' بھی بے الف بروزن 'کُندن' ہو، جو ہندی میں اسم زرِ بےغش ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ خواندن مع الواو[1] معدولہ و الف اور

(۱) اصل مطبوعہ نسخے میں یونہی ہے۔ مع 'الواوالمعدولہ' یا 'مع واو معدولہ' ہونا چاہیے تھا۔

ماندن مع الالف اور خواندن مع الواو اور الف اور 'ماند' مع الالف مولوی جی کی مثال کے مطابق بر وزن 'جاند' صحیح ہے ، لیکن اہلِ ایران الف کو سلا دیتے ہیں اور نہ لہجہ ہے ، نہ قاعدہ ۔ شاعر اور منشی کو تتبع قواعد کا چاہیے ۔ لہجے کی تقلید بہروپیوں اور بھانڈوں کا کام ہے ۔ یہ سب ایک طرف اور صفحہ ۲۰ میں 'چشمِ عیب ساز' ایک طرف ۔ صاحبو ، واسطے خدا کے چشم کی صفت 'عیب بین' ہے یا 'عیب ساز' ۔ آنکھ کا کام عیب کا دیکھنا ہے یا عیب کا بنانا ؟ جواب کا طالب ، **غالب** ۔

فصل ٦

مؤید کے ۱۲ صفحہ میں **مولوی** جی لکھتے ہیں کہ صاحبِ **فرہنگِ سامانی** اور **خان آرزو** بھی مانعِ **تخصیص** 'آبچین' ہیں اور عموماً 'رومال' کو لکھتے ہیں - پھر نتیجہ اس شکل کا یہ نکالتے ہیں کہ یہ اعتراض ان دو شخصوں کا ہے - **غالب** سارق ہے اس اعتراض کا - سبحان اللہ ، مضمون کا سرقہ سنا تھا ، سرقۂ اعتراض نہ سنا تھا - اتفاقِ رائے کا نام سرقہ رکھنا کتنی بڑی ناانصافی ہے - جامعِ **برہان** کی رائے کا اور فرہنگ نویسوں کی رائے سے متفق ہونا استناد اور میری رائے کا **سامانی** اور **آرزو** کی رائے سے اتفاق مجھ پر باعثِ الزامِ سرقہ -

مؤید کے پانچویں صفحے میں جہاں **مولوی جی** لوگوں سے **دکنی** کا سر پکڑواتے ہیں : وہاں ایک فقرہ لکھتے ہیں "غمِ گفتارِ پارسی زبان خورد" اور یہ فقرہ **"درفشِ کاویانی"** کا ہے مندرجہ صفحہ ۴۶ مگر اس طرح ہے "غمِ تباہیِ آئینِ گفتارِ پارسی خورد" - **مولوی** نے بے معنی کرکے لکھا - بھلا "غمِ گفتارِ پارسی زبان خورد" کے کیا معنی - غم مترتب ہوتا ہے ہلاک پر ، فوت پر ، گفتار کا غم کیا اور پھر گفتار بھی اور زبان بھی ! یہاں **مولوی** کی

فارسی‌دانی اور سخن‌رانی کی ٹھیک نکل گئی ۔ اہلِ عقل و انصاف سے یہ سوال ہے کہ اتفاقِ رائے اگر سرقہ ہے، تو چاہیے سراسر فقرہ بے تغیرِ لفظ لکھنا اوچکا پن اور اوٹھائی گیرا پن ہو ، جس فعل کے فاعل یعنی اوچکے اور اوٹھائی گیرے کو اہلِ ایران 'بردار و بدو، کہتے ہیں ۔ سرقۂ فقرہ بے تبدلِ لفظ سن لیا ۔ اب سرقۂ مضمون بہ تغیرِ الفاظ سنئے ۔ فقیر نے **درفشِ کاویانی** کے ۱۲ صفحہ میں عبارت لکھی ہے ''آرے دبیرانِ پارس را قاعدہ چنان بود کہ بر سرِ دالِ ابجد نقطہ نہادندے ۔ چوں درین اندیشہ وجودِ دالِ بی نقطہ از میان مبرفت وہمہ دال منقوطہ می ماند ، اکابرِ عرب قاعدۂ قرار دادند و تفرقۂ دال و ذال را برآن قاعدہ اساس نہادند'' ۔ منصفین ملاحظہ کریں کہ مولوی عربی‌خوانِ فارسی مدان **مؤید** کے ۴۲ صفحے میں یہ عبارت یوں لکھتا ہے ۔ ''بہ خاطرِ فاتر چنین میرسد کہ چون در زمانِ قدیم و عہدِ باستان بر زبرِ دال نقطہ می نہادہ اند ، متأخرین کہ ازین قاعدہ آگاہ نیستند ، آن را خیال ذالِ منقوطہ کردہ اند'' حضرات کو میں اس امرِ خاص میں بہت تکلیف دوں گا اور داد طلبی میں اصرار و ابرام کروں گا ۔ فرہنگ ہای پیشین میں کوئی مجھ کو یہ مطلب دکھا دے تو میں گنہگار ، ورنہ **مولوی** اوٹھائی گیرا ۔

یہ راز مجھ سے نشت برمزد ثم مولانا و اولٰنا حضرت

مولوی **عبدالصمد** علیہ الرحمہ نے کہا ہے ۔ دوسرا کوئی اس کو نہیں جانتا تھا ۔ ایسی نئی بات کو چرانا اور اپنا قول بنانا چوری اور سر زوری ، خیرہ رائی اور بے حیائی ہے یا نہیں ؟

مصرع :

اے اہلِ عقل کوئی تو بولو خدا لگی

جواب کا بہ ابرام طالب ، غالب

فصل ۷

درفش کاویانی کے ۱۶ صفحہ میں فقیر لکھتا ہے کہ 'آرا' بمعنی 'آرایش[1]' کجاست و 'آرایندہ' را کے گویند ۔ 'سخن آرا' و 'بزم آرا' نظیر نمی تواند بود ۔ این خود کلام معترض خواہد بود کہ صیغۂ امر بی افزایش[2] اسم در اول افادۂ معنیِ فاعلیت نمی کند" ۔ مولوی جی موید کے ۴۹ صفحہ میں فرماتے ہیں کہ "آرا بمعنی 'آرایش' نزاری نے لکھا ہے"۔ اور یہ شعر سند لاتے ہیں :

نمی باید بر افزودن اگر مشاطۂ فطرت
جمالے را بزیبائی نگارے کرد و آرائے

فقیر عرض کرتا ہے کہ میں تو گستاخی نہیں کر سکتا ، مگر خدا سے میرا زور نہیں چلتا کہ وہ فرماتا ہے "لعنۃ اللہ علی الکاذبین" ۔ یہ جھوٹ ہے ۔ نزاری نے 'آرا' کو بمعنی 'آرایش' نہیں لکھا ۔ 'آرائے' کو بمعنی 'آرایش' لکھا ہے ۔ 'آرائے' ، مبی

---

(۱) اصل : مطبوعہ نسخے میں 'آرائش' ہے اور اسی طرح اس صفحے پر آگے بھی ہر جگہ ۔
(۲) اصل : افزائش ۔

مصدری تحتانی آ گئی ہے ، پھر 'آرایش' کے معنی کیوں نہ لئے جائیں ۔ یہ شعر اس بات کی سند ہے کہ بے تقدمِ اسم بھی آخر میں یای مصدری لاتے ہیں ۔ مجرد 'آرا' مصدر کے یا حاصلِ مصدر کے معنی کہاں دیتا ہے ۔ وہ 'سوز و گداز' و 'آہنگ' وغیرہ کے واسطے خاص ہے ۔ پھر ایک اور استاد کا شعر لکھتے ہیں ، شعر :

روی بنما و بزم را آرا
چون توئی آفتابِ بزم آرا

غالبِ خستہ جگر متحیر ہے کہ یہ بیت تو میرے مفیدِ مطلب ہے ۔ پہلے مصرع میں بمعنی امر ، دوسرے میں بعدِ تقدمِ اسم بمعنی فاعل ۔ پھر **مولوی جی** نے کیوں لکھے ۔ بس اس بھروسے پر کہ میں مولوی اور مدرس ہوں ، آنکھ بند کر لی ہے اور لکھنا شروع کیا ہے ۔ نہ برمحل دیکھنا نہ بے محل دیکھنا ، سند کے اشعار لکھ دئے ۔ اور سنئے ، میں نے **درفش کاویانی** کے ۱۵ صفحہ میں لکھا ہے کہ "بمعنی خیر و خیرات 'ارزانش' است بروزن ہردانش" مقصود اس سے یہ کہ **دکنی** نے **برہان قاطع** میں خیرات کے معنی پر 'آرازش' لکھا ہے ۔ **مولوی مؤید** کے ۱۵ صفحہ میں رد کرتا ہے میرے قول کو، اور سند لاتا ہے **آرزو** کے کلام کو ۔ راقم ان اوراق کا ، **آرزو** کا ایسا معتقد کب ہے کہ اُس کے ہر قول کو معتبر جانے ۔

شاهنامے میں مولانا **فردوسی** علیہ الرحمہ نے ہزار جگہ 'ارزانش' بمعنی خیر و خیرات اور 'ارزانی' بمعنی محتاج و خیرات خوار لکھا ہے ۔ **دکنی** اور آرزوے **دہلوی** کون ہوتے ہیں کہ ان کا وہ قول جو شہنشاہِ قلمروِ زبانِ **دری** و **پہلوی** کے خلاف ہو ، اس کو کوئی زبان پر لاوے ۔ استغفر اللہ !

فصل ۸

حضرت مولوی صفحہ ۵۸ میں 'اروند' اور 'صمد' کے معنی میں مجھ سے الجھتے ہیں ۔ سو 'اروند' کے معنی میں میرا اور مولوی جی کا بیان ایک ہے ۔ الفاظ میں تغیر بالمرادف ہو تو ہو ۔ رہے 'صمد' کے معنی ۔ جب مولانا عبدالصمد قدس سرہ نے کہ وہ علمِ عربی کا فاضلِ متبحر تھا 'اروند' کے وہ معنی شرح کیے کہ جس کا ترجمہ ہندی زبان میں 'ٹھوس' کا لفظ ہوتا ہے ، اور بتایا مجھ کو کہ عربی میں ان معنوں میں لفظ 'صمد' ہے کہ ایک اسم اسمائے الٰہی میں سے بھی ہے۔ ہاں سچ، بہت اسمائے اقدسِ مقدس ایسے ہیں کہ عباداللہ پر بھی ان کا اطلاق ہو سکتا ہے ، جیسے 'غنی' بمعنی بے پروا، 'کریم' بمعنی سخی ۔ یہاں اور نظائر کے لکھنے کی حاجت نہیں ۔

قصہ مختصر ، بعد ایک مدت کے جب میں دلی آ رہا اور مولوی فضلِ حق مغفور سے بعدِ ملاقات ربط بڑھا ، ایک روز بحسبِ اتفاق برمزد کا ذکر درمیان آ گیا اور اس کے ذکر کے آنے کی تقریب معنی 'صمد' اور 'اروند' کے اتحاد کی شرح ۔ چونکہ حضرت کو مذہبِ اسلام میں تعصب بہت تھا، ایسا کہ

اسی فرطِ تعصب میں جان دی ، 'اروند' کے لفظ کو برا بھلا کہہ کر فرمانے لگے 'صمد' اسم صفت ہے ۔ معنی اس کے "نہ چیزے از وے برون رود و نہ چیزے بہ درون آید ، نہ زیادہ شود و نہ کم گردد" یہ چاروں فقرے اس مرحوم کی زبانی ہیں، البتہ مجھ کو تو اب اس میں کوئی تردد نہ رہا' باعتبارِ فارسیت ہرمزد مالکِ زبان، بہ اعتبارِ عربیت دونوں فاضل ۔ اسی فصل میں یہ مصرعِ استاد کا جو حضرت نے لکھا ہے، اس کا وزن آپ سے پوچھتا ہوں ۔ جس طرح حکم ہو، اس طرح پڑھوں ۔ جانتا ہوں کہ کاپی نگار کی شامت آنے کی اور غلطی اس سے منسوب ہو جائے گی ، لیکن مجھے مدرس صاحب سے استفادہ منظور ہے ۔ مصرع یہ ہے اور مدرس صاحب اس کو استاد فرخی علیہ الرحمہ کا بتاتے ہیں :

چشمِ مخالفان بیاژن بہ تیر

پھر صفحہ ۷ میں مولوی مجھ کو ابوجہل ہندی اور دکنی کو دانائے تبریز لکھتا ہے ۔ ہر چند اس کو میں ابولہب جہانگیرنگری لکھ سکتا ہوں ، لیکن چونکہ نگارش میں شرط کی ہے کہ مطالب کا جواب دوں گا ، فحش و ناسزا کا پاسخ نگار نہ ہوں گا ، اس واسطے طرزِ نگارش میں کلام کیا جاتا ہے ۔

"ابوجہلِ ہندی" اور "دانائے تبریز" بےجوڑ بات ہے ۔

'جاہلِ ہند، و 'دانائے تبریز' لکھتے یا 'ابوجہلِ ہند، 'پیمبرِ تبریز' لکھتے ۔ ہاں صاحبانِ فہم و فراست للہ فرماؤ کہ یہ دخل میری طرف سے بجا ہے یا بیجا ۔ جواب کا طالب ، دادخواہ غالب ۔

فصل ۹

مولوی **احمد علی** صاحب نے پانچ سات صفحے 'آوازہ' اور 'آئینہ دار'(۱) اور 'آوند' اور 'آہنگ' کے بیان میں سیاہ کئے ہیں۔ بارے ظرفِ شراب کو 'آوندی' نہیں مانا اور **دکنی** کے قول کو اس باب میں جھوٹ جانا۔ الحمدللہ، اور بھی بعض [جگہ(۲)] ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو میں بھی نہیں کہتا کہ جامعِ **برہان** مجموعِ لغات کے معنی غلط لکھتا ہے، البتہ چونکہ اور کتب سے نقل کرتا ہے، پھر معنی غلط کیوں کر ہوں گے، مگر یہاں ایک امر ہے خاص اور ایک امرِ عام ہے۔ امرِ خاص عبارت ہے عامیانہ تر کیب، ٹکسال باہر [سے]۔ اس میں مختص ہے مولفِ **برہان**۔ امرِ عام غلطی قیاس کی کہ اس میں سب فرہنگ نویس مبتلا ہیں۔ خصوصاً جامعِ **برہان** کا قیاس تو ایسا بھونڈا اور دور از صواب ہے کہ اس کے حامی ہر چند توجیہاتِ بارده ڈھونڈ لاتے ہیں، مگر اس کی قباحت کو مٹا نہیں سکتے۔ سینہ زوری کرتے

(۱) مطبوعہ اصل میں 'آینہ دار' ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ لفظ کی مخفف صورت کا محل نہیں ہے۔

(۲) یہ لفظ ہم نے بڑھایا ہے۔ ظاہر ہے یہ لفظ یا اس کے مترادف الفاظ مثلاً 'مقامات پر' کتابت میں حذف ہوگئے ہیں۔

ہیں ۔ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اکثر و اغلب ان کی تقریر بطور 'سوال دیگر جواب دیگر' ہوتی ہے ۔

عیاذاً باللہ اگر میں صاحب **موید برہان** کے ہر بیان کا **تیغ تیز** میں ذکر کرتا ، تو ساری تلوار زنگ میں چھپ جاتی اور سیاہ تاب بن جاتی ۔ ازانجملہ میں نے **درفش کاویانی** کے ۱۰ صفحے میں تحت "تنبیہ" دربارۂ لغت 'آہنگ' جو کچھ لکھا ہے ، خلاصہ اس کا یہاں لکھتا ہوں ۔

'آہنگ' را ماضی 'کشیدن' قرارداد و برعایت توضیح لفظ 'یعنی کشید' برآن افزودہ و سپس در فصل دیگر 'آہنگیدن' آورد و گفت مصدر 'آہنگ' است کہ بمعنی 'کشیدن' باشد ۔ بعد نقل عبارت **برہان** میں نے لکھا ہے کہ "قاعدہ دانان، حسبتہ للہ! چون فاعدۂ استخراج صیغۂ ماضی بر افگندن نون مصدر است ، ہر آینہ ماضی 'آہنگید' خواہد بود، نہ 'آہنگ' ۔"

مولوی جہانگیر نگری نے **موید برہان** کے ۸۳ اور ۸۴ صفحے کو سیاہی سے لیپ دیا ہے ۔ بارہ معنی 'آہنگ' کے لکھے اور ہر معنی کی سند ایک شعر ۔ مثال اس کی یہ کہ ایک گندھی عطر فروش محفل میں آیا اور تنکوں پر روئی لپیٹ کر ہر ایک تنکے کی روئی کو ایک ایک شیشی میں بھگویا اور اہل محفل کو سنگھایا ۔ یہ گلاب کا ہے اور یہ سہاگ کا ہے اور یہ موتیا کا ہے ۔ اسی طرح **مولوی** کہتا ہے کہ یہ شعر فلاں کا ہے اور

یہ شعر فلاں کا ہے ۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ **مولوی** نے سب فرہنگوں کو دیکھ کر دس بارہ شعر نقل کیے ہیں ۔ یہ تو سب کچھ ہوا ، لیکن میرے اس فقرے کا جواب کہاں ہے کہ "ہر آینہ ماضی 'آھنگید' خواہد بود نہ 'آھنگ' ۔" سوال کا جواب نہیں اور خرافات ہزار در ہزار ۔ جواب کا طالب، **غالب** ۔

فصل ۱۰

مولوی برہان پرستِ فارسی‌مدان صفحہ ۱۰۱ میں **مؤیدِ برہان** کے 'فازہ'، و 'خمیازہ' کی بحث میں لکھتا ہے - ''ظنِ غالب آنکہ **غالبِ** عربی مدان را **غیاث** گمراہ کردہ باشد'' عیاذاً باللہ ، اگر **غالب** جامعِ **غیاث اللغات** کو آدمی جانتا ہو ، تو وہ خود آدمی نہیں - ایک بار ''علم شے بہ از جہل‌شے'' کی رعایت کرکے اُس کتاب کو سراسر دیکھ لیا - جب دیکھا کہ جا بجا **قتیل** کے کلام کا حوالہ دیتا ہے اور ماخذ اُس کا فنِ لغت میں **چار شربت** اور **نہرالفصاحت** ہے ، کتاب پر اور مؤلف پر لعنت بھیجی - مدرس جی اتنا نہ سمجھے کہ جو **میاں انجو** کو نہ مانے گا ، وہ میانجی **غیاث الدین** کو کیا جانے گا - بارے جب **رام پور** جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں کے صاحبزادگانِ عالی تبار اور رؤسائے نامدار سے ملاقاتیں اور صحبتیں رہیں ، تو اس شخص کا حال یہ معلوم [ہوا] کہ ایک ملائے مکتب دار تھا ، نہ رئیس[1] کا روشناس ، نہ اکابر شہر کا آشنا - ایک گمنام ملا ، مکتب‌دار، چند صاحب مقدور لڑکے اُس کے مکتب میں پڑھتے تھے - انھوں

---

(۱) رئیس سے یہاں مراد ہیں 'نواب رامپور' -

نے صرفِ زر میں اُس کو مدد دی ، مثل بندر کے ، کہ جس نے بہار کی تقلید کی تھی ، ایک فرہنگ لکھ کر چھپوائی ۔

خدا کا شکر ہے کہ **غالب** مانند **مدرس** صاحب کے ہر دل عزیز نہیں ۔ **گل محمد خاں بلوچ** کو ایرانی اور **سراج الدین علی خان آرزو** کو نواب اور **لالہ ٹیکچند** کو راجہ کبھی نہ لکھے گا ۔

مولوی **احمد علی جہانگیرنگری** عالم ہیں ، مگر ان معنوں میں کہ صرف و نحو کے دو چار رسالے پڑھ لئے ہیں اور فاعل مفعول سے لگتا لگا رکھا ہے ۔ باقی فہم ، تمیز ، انصاف ، حیا ، ان چاروں صفتوں کا پتا نہیں ۔ مدرسی کا عہدہ ہاتھ آنا بحسبِ اتفاق ہے ، نہ از روی استحقاق ، شعر :

ز دلبری نتوان لاف زد بآسانی

ہزار نکتہ دریں کار ہست تا دانی

فصل ۱۱

راقمِ **مؤیدِ برہان** صفحہ ۶۷ میں لفظ 'پاچایہ' کو اسی معنی پرکہ **دکنی** نے ٹھہرائے ہیں ازرویِ فرطِ رغبت مزا لے کر استعمال کرتا ہے ، اور سوچتا نہیں کہ کیا بک رہا ہوں کہ "پاخانہ' بےمعنی نیست و 'پاخانہ' و 'پاجایہ' ہر دو بیک معنی نیست"۔ ہم کہتے ہیں کہ دونوں متحدالمعنی ہیں ۔ وہ پاؤں کا گھر، یہ پاؤں کی جگہ ۔ 'قدم جای' و 'قدم خانہ' دونوں ان دونوں کے مرادف ۔ مستمی ایک اور اسم چار ۔ پہلا[1] 'پاجایہ' میں **مولوی جی** ہای نسبت لا کر اسم مستراح قرار دیتے ہیں ۔ 'خانہ' میں تو ہائے مختفی اصلی ہے ، خیر 'خانہ' کا لفظ معنی پورے کر دے گا ، مگر خیال رہے کہ 'پاجایہ' میں ہائے ہوز نسبتی نہیں ، بائے زائدہ ہے ۔ جیسے 'بوس' و 'بوسہ' ، 'آتشگیر' و 'آتشگیرہ' ، بلکہ عربی لغات میں بھی جیسے 'موج' و 'موجہ' یا جیسے سبز کے آگے ہائے ہوز بڑھا کر 'سبزہ' ایک اسم قرار دیا ہے ، اسی طرح 'پاجائے'[2] کے

(۱) اصل مطبوعہ نسخے میں یونہی ہے ۔ ظاہر ہے 'پہلے' ہونا چاہیے ۔

(۲) اصل : کذا ۔ 'پاجای' ہونا چاہیے تھا ۔

آگے ہائے ہوز لا کر اسم بنا دیا ۔ دراصل نہ 'پاخانہ' پاؤں کا گھر نہ 'پا جامے' پاؤں کی جگہ ۔ 'پای' اور 'پا' زبان فارسی میں ادون اور ارزل چیز کو کہتے ہیں ، جیسے کناس کو 'پاکار'۔ چونکہ یہ گھر اور جگہ ذلیل ہے اس کو 'پاخانہ' اور 'پاجایہ' کہا ۔ براز کو 'پاجایہ' اگر مجازاً بطریق تسمیۂ الحال بالمحل یا تسمیۂ الظرف بالمظروف کہو تو مضائقہ نہیں ۔ دیکھو اردو میں بھی تو یہی روزمرہ ہے کہ آج ہم کو پاخانہ کھل کر نہیں آتا ، آج ہم کو خلافِ معمول پاخانہ تین بار آیا ۔ براز کے دفع نہ ہونے کو پاخانے کا نہ آنا کہتے ہیں ۔ اسی طرح فارسی میں براز کو 'پاجایہ' کہو تو کہو ۔

فصل ۱۲

مدرس صاحب کا یہ قاعدہ کہ سوال کا جواب نہ دیں اور خارج از بحث دفتر [کے] دفتر لکھے جائیں ، ایسا استوار ہے کہ کبھی جو کتے نہیں - چنانچہ صفحہ ۱٦۸ اور صفحہ ۱٦۹ میں 'پازاج، کی بحث میں حضرت نے کیسے کیسے کنوئیں جھانکے ہیں - 'زاج، کو جیم سے بھی جائز رکھتے ہیں - میں کہتا ہوں کبھی نہیں ہو سکتا - 'زچّہ، بجیمِ سہ نقطہ ، زاچ بجیم سہ نقطہ ہے جو اس کو جیم ابجد سے کہے وہ غلط گو اور اس کا قول مردود ۔

پھر اسی صفحے میں زحل کے پاسبان طارمِ نہم کے ہونے کے باب میں دو ایک سرد گوبوں کے کلام لکھ کر آپ ہی آپ اپنی خاطر جمع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "بہر حال در ہرسہ لفظ یعنی 'یاجایہ' 'پاژاچ' و باسبان طارم نہم ، برہان را ماخذے پیدا ہست"۔ بست - پھر دوسرے صفحے میں یعنی ۱۸۰ میں 'پادیر، کو دال سے اور ذال سے اور زے سے تینوں حرفوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں - بڑی بات ہے کہ 'ارتنگ، کی طرح آدھے حروفِ تہجی اس لغت میں درج نہیں کئے - اہلِ زبان اسدی و فردوسی سے لے کر حزین و قاآنی تک

سب[1] کا کلام سندِ کامل اور مکمل ہے اور تبدل حرف بحرف و تبدل اسکان و حرکت و تخفیف و زیادتی کے بھی جو قاعدے مقرر ہو گئے ہیں ، وہ بھی ہر ایک قاعدہ مضبوط ہے ۔

میاں انجو وغیرہ تصحیفات میں بال بال گرفتار ہیں اور ہر ایک کا اپنے اپنے قیاس پر مدار ہے ۔

کوئی احمق ہی ہو گا کہ مجموعِ قیاس ہای بے شمار کو حق جانے گا ۔ ابطالِ ضرورت میں 'عفو' کو بروزنِ 'رفو' لکھا ہے اور یہ مصرعِ شیخ سعدی سند لایا ہے ۔ مصرع :

عفو کردم از وی عمل ہای زشت

میں جانتا ہوں اس تصرف کو اور مانتا ہوں ، مگر سر پیٹتا ہوں کہ یہ مصرع یوں ہے ۔ مصرع :

ز وی عفو کردم عمل ہای زشت

باقی اور قصاید میں اور مثنویوں میں قدما کی 'عفو' بروزن 'رفو' آیا ہے ۔ سکون و حرکت و تخفیف و زیادتی کا ہمدگر بدل جانا محض برائے ضرورتِ وزنِ شعر ہے ۔ نثر میں اسی طرح لکھنا اور اس کو بجائے خود ایک لغتِ مستقل جاننا حماقت ہے ، اور یہ سب سے زیادہ جامعِ برہان قاطع کا ڈھنگ ہے ۔

پھر مولوی ۴۹۴ صفحے میں لکھتا ہے کہ 'گرفتن' بکسرتین

[1] ۔ اصل مطبوعہ نسخے میں 'سب' کی جگہ 'سب کا' ہے ۔

ہے ۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا 'رفتن' بھی بکسرۂ اول ہے جو فردوسی شاہنامے میں لکھتا ہے ، شعر :

سر و دل بر از کینہ کرد و برفت
تو گوئی کہ عہدِ فریدون گرفت

خاقانی تحفہ العراقین میں بمقامِ نعت لکھتا ہے، بیت :

مہ پیش تو رہ پیادہ رفتہ
خور غاشیۂ تو بر گرفتہ

اور جوازِ اختلافِ حرکتِ ما قبلِ روی سے قدما کے دیوان بھرے ہوئے ہیں ، خصوصاً قصہ ویس و رامین میں فخرِ گرگانی نے قیدِ حرکاتِ ثلثہ اٹھا دی ہے ۔ 'کشتہ و کشتہ' قافیہ ۔ وہ مثنوی منطبع ہو گئی ہے ۔ جو چاہے دیکھ لے ۔ انھی صفحوں میں مولوی مجھے لکھتا ہے کہ غالب "سگِ کیست" ۔ میں کہتا ہوں کہ غالب آستانِ شیرِ خدا کا کتا علیہ التحیتہ و الثناء ۔ اسی مقام پر یہ شعر لکھا ، بیت :

سگِ کیست روباہِ نا زورمند
کہ شیرِ ژیان را رساند گزند

'شیر' 'اسد' کا ترجمہ ہے اور میرا نام 'اسد' ہے، پس میرا مقابل 'روباہ' ہے اور چونکہ میرا مقابل مولوی ہے تو وہ بخوبی 'لومڑی' ٹھہرا ۔ البتہ مجھ کو کیا گزند پہنچائے گا ۔ صاحبو !

انصاف چاہتا ہوں ۔ مولوی احمق ہے یا نہیں ۔ اگر عقل رکھتا ہوتا تو 'اسد' کے مقابل میں یہ شعر نہ لکھتا ۔

صفحہ ۱۸۱ میں 'پالوانہ' اور 'پالوایہ' کے باب میں بہت کچھ بکے ۔ مگر وہ جو دکنی نے لکھا ہے کہ 'پالوایہ' بروزن 'چار خایہ پرستوک باشد ، اور فقیر غالب نے اسکے جواب میں لکھا ہے کہ "مگر 'چار پایہ' بموزن نتوانست شد کہ 'چارخایہ' آورد" اس کا کیا جواب ؟ اگر مولوی جی منصف ہوتے تو یہاں اتنا لکھ دیتے کہ یہ صاحبِ برہان کا حمق ۔

فصل ۱۳

مولوی جہانگیرنگری نے صفحہ ۱۷۲ اور صفحہ ۱۸۳ میں برابر 'پادیاب' کے لغت کے بیان میں کیا گل کترے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں - پہلے تو مجھ سے جھگڑتا ہے کہ تو نے موافقِ ترتیبِ جامعِ برہان الفاظ کیوں نہ لکھے- یا رب، یہ کیا واہی مواخذہ ہے - مجھے اس کے طرزِ تتبع سے کیا کام - افسوس کہ مولوی بالغ نظر اور دقیقہ رس نہیں ہے - اپنی بدمستی اور ہرزہ سرائی میں یہ نہ دیکھا کہ ابتدا ہی سے میں نے ہر لغت کے پہلے صرف ایک حرف کی رعایت منظور رکھی ہے ، لیکن برابر برہانِ قاطع کو دیکھتا گیا ہوں - اس صورت میں مطابق برہانِ قاطع کے تقدیم و تاخیر چلی آئی ہے - کتاب اٹھائی ، بے نشان رکھے ، رکھ دی - پھر جب دیکھنے کو کھولی ، پہلے حرف کو دیکھ لیا اور لکھنا شروع کیا - قصہ مختصر، مولوی جی اڑ گئے - ہر چند ایڑ مارو ، نہیں چلتے - اور مٹے اس بات پر ہیں کہ 'پاد' بہدال غلط ہے - یہ 'واو' ہے، جو قافیہ 'راو' کا ہے - نہ مجرد اسی لفظ میں، بلکہ 'پاد زہر' کو بھی بہ واو بتاتے ہیں -

غالب کہتا ہے 'پاد، بڑا پرانا لغت بمعنی بزرگ کے ہے اور اسی سے مرکب ہے 'پادشاہ، یعنی سلطانِ عظیم۔ 'پادشاہ، بہ موحدہ غلط ہے۔ ہندوستان میں 'پاد، گوز کو کہتے ہیں، اس لئے بائے فارسی کی جگہ موحدہ لگا دی ہے۔ 'پادیاب، لفظے است جداگانہ [بمعنی] شستن ۔ برسم اور کُستی دھونے کو 'پادیاب، کہتے ہیں ۔ یہاں یہ بھی معلوم کیا چاہیے کہ برسم کو مسواک از روئے مجاز کہتے ہیں ، ورنہ وہ دانتون نہیں ، جو دانت مانجھنے کا آلہ ہو ۔ ایک روئیدگیِ خاص کی نرم نرم شاخیں ہیں کہ ژند پڑھتے وقت ہاتھ میں رکھتے ہیں اور کُستی بھی مثل زنار کندھے پر نہیں ڈالتے ، کمر میں باندھتے ہیں ، جیسے اس ملک کے ہنود تاگڑی باندھتے ہیں ۔

قصہ مختصر ، نہ 'پادیاب، بدواو ہے نہ 'پاد زہر، ۔ 'پاد، مخفف 'پادیاب' بمعنی شستن ، 'پاد زہر، یعنی شویندۂ زہر ۔ یہ استعارہ ہے ازالۂ سمیت کا اور یہ جو مولوی جی 'پاؤ، بروزن 'گاؤ، کو بمعنی رجل بہ استنادِ خالق‌باری جائز رکھتے [ہیں] ، اس قدر نہیں سمجھتے کہ کچھ کم سات سو برس ہوئے امیر خسرو علیہ‌الرحمہ کو اس عہد میں یوں کہتے ہوں گے اور میں نے خالق باری کو منسوب بہ امیر خسرو اپنی طرف سے نہیں لکھا ۔ قولِ بعض لکھا ہے ۔ بہر حال شاہجہان کے عہد میں کہ قطب شاہ بھی اس کا معاصر تھا ، دلی میں اور

دکن میں کبھی پانو کو بے نون نہ کہتے ہوں گے ۔ یہ ایک حماقت ہے دکنی کی ۔ جیسا 'گاھری' بموزن آکھری کو بوزنِ 'ابتری' لکھا ہے اور پھر بجائے کافِ فارسی کافِ عربی ۔ 'چانول' اور 'چاول' کی نظیر غلط ۔ ہندی لفظ ہے، ثقات اور شرفا مع النون بولتے ہیں ۔ بنیے بقال بے نون بولتے ہیں ۔ خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ انھی صفحوں میں مولوی نے 'پپریشد' بہ دوبائے فارسی کو لغو و پوچ جانا اور دکنی کا عیب ان کو سوجھا ۔ الٰہی اس فقرے کے معنی کس سے پوچھوں ۔ ''پانو' بوزنِ 'ڈانو' را 'پاؤ' بوزنِ 'ڈؤ' گفتن ازانست کہ در زبان فارسی ہیچ لفظے بمعنی [و] بوزنِ گانونیامدہ'' ۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ اس میں کلام نہیں ۔ میں یہ کہتا ہوں 'گانو' کے ہموزن پیدا نہ ہونے سے 'پانو' کا 'پاؤ' ہو جانا کیونکر لازم آتا ہے ۔ فارسی میں 'رجل' کو 'پای' کہتے ہیں اور در صورتِ تخفیف تحتانی کو حذف کرکے 'پا' کہتے ہیں ۔ اہلِ ایران کی جوتی کو کیا غرض پڑی ہے کہ 'پانو' کو 'پاؤ' کہیں ۔

اہلِ ایران پر تہمت لگانی ، جھوٹ بولنا ، لغو بولنا، اور دکنی کی خطا مٹانی اگرچہ خود مصدرِ خطا ہو جائیں، یہ تحریر تو ریشخند اور تمسخر و استہزا ہے۔ کالج کے طالب علموں کے سوا کہ وہ حضرت کے مطیع اور محکوم ہیں ہندی و ولایتی سب اس پر ہنسیں گے ۔

فصل ۱۴

بعد اس تمسخر کے صفحہ ۱۷۲ سے لے کر صفحہ ۱۸۴ تک جو کچھ میاں جی نے لکھا ہے خود بھی نہ سمجھے ہوں گے کہ میں کیا لکھ رہا ہوں ۔ اُن فقروں کا اعادہ اپنے کو بہ تکلف پاگل بنانا ہے ۔ ذال تخذ کے نہ ہونے سے دال ابجد و تای قرشت و فای سعفص و ثای مثلثہ ان الفاظ سے ایک لفظ کا گر جانا مولوی کیوں چاہتا ہے ۔ میں نے اتحادِ مخرج موافقِ تلفظ کہا ہے ، نہ موافقِ قرأت کہ وہ خاص کلام مجید کی تلاوت کے واسطے موضوع ہے ۔ پھر اس جھوٹ کو دیکھیئے کہتا ہے کہ غالب 'آذر'۱ کو اور 'گنبذ' اور 'کاغذ' کو بھی زای ہوز سے بتائے گا ۔ 'آذر' کو تو میں نے ہزار جگہ 'آدر'

---

۱ ۔ اصل مطبوعہ نسخے میں 'آدرم' ہے اور اسی طرح آگے یہ لفظ بصورت 'آدرم' آیا ہے ۔ میم کا اضافہ ہے جو ظاہر ہے کہ سہوِ کتابت ہے ۔ لفظ 'آذرم' اور اُس کی دوسری صورت 'آدرم' بھی **مؤید برہان** میں (صفحہ ۱۸۱ بر) زیر بحث آئی ہے ، لیکن یہاں لفظ 'آذر' ہی مقصود ہے ، جس کا ذکر **مؤید** میں صفحہ ۱۸۰ کے آخر میں آیا ہے اور کہا گیا ہے کہ **غالب** اس لفظ کو زائے ہوز سے لکھے گا ۔

بہ دال بے نقطہ ، اور بہ دال ابجد لکھا ہے اور مولوی نے بھی جابجا دیکھا ہے ۔ پس یہ تو تہمت مجھ پر ہے اور 'گنبد' کو 'گنبذ' بہ ذال نقطہ دار ہم نے لڑکوں کے اور فرومایہ لوگوں کے سوا کسی سے سنا بھی نہیں ، جو اس کی املا میں دخل دیں ۔ ہاں 'کاغذ' دراصل دال ابجد سے ہے، مگر خاص و عام کے تلفظ میں اور ہر کتاب میں عموماً ذال ثخذ سے ہے اور کتابت اور تلفظ کی وہ تعمیم ہے کہ اگر کوئی خلاف اس کے لکھے یا بولے تو سننے والے اس کو مسخرہ بنائیں ۔ اس تلفظ اور اس املا کے احاطے سے نکلا نہیں جاتا ۔ مولوی جی کو چاہیے تھا ، پہلے زبان فارسی میں دال بے نقطہ کا نہ ہونا ثابت کرتے ۔ تب فرماتے کہ غالب کاغذ کو زای ہوز سے لکھے گا ۔ نہ[1] صاحب میں دال سے لکھوں گا اور اس پر نقطہ دوں گا اور تلفظ میں نقطہ دار لاؤں گا ۔ خلاصہ میری تحقیق کا یہ ہے کہ پزیرفتن گزاشتن گزشتن گزاردن اور ان کے مجموع مشتقات اور اسمائے شہور و ایام مثل 'آزر' و 'اسفندارمز' وغیرہ سب 'زائے ہوز' سے ہیں اور 'تدرو' اور 'کاغد' اور 'گنبد' ۔ یہ تین لغت بھی بہ دال ابجد ہیں اور یہ فارسی قدیم کے موافق ہے 'گنبد' کی دال پر نہ اسلاف نقطہ دیتے تھے ، نہ اخلاف دیتے ہیں ۔ 'تدرو'

۱ ۔ اصل مطبوعہ نسخے میں یونہی ہے بجای 'نا' ۔

کی دال پر نقطہ دینے والے لغو اور پوچ اور بے خبر ہیں ۔ کاغذ کا نقطہ دینا اور پڑھنا ناچار قبول کرنا پڑا اور مرگِ انبوہ کو جشن سمجھنا پڑا ۔

فصل ۱۵

مولوی صاحب صفحہ ۱۸٦ میں لفظ 'پندہ' کو از روئے ترجمۂ **دساتیر** و بیانِ **ملا فیروز** بہائے فارسی لکھتے ہیں۔ شاید بائے فارسی سے ہو۔ مگر قیدِ کسرہ کہاں ہے۔ نہ ترجمۂ **دساتیر** میں کسرہ، نہ بیانِ **ملا فیروز** میں کسرہ۔ اگر **دکنی** اور **آرزو** نے بقیدِ کسرہ لکھا، تو ان دونوں کا قول اس امرِ خاص میں میں ہرگز نہ مانوں گا۔ 'پولہ' بروزن 'لولہ' **برہان** میں جس طرح دیکھا، اسی طرح نقل کیا۔ اب **مولوی جی** بخلاف **دکنی** 'پولا'[1] بہ الف لکھتے ہیں، اور بمعنی نرم و میان تہی بتاتے ہیں۔ کاپی میں 'نرم' کا لفظ ایسا اٹھا ہے کہ 'نے' اور 'قاف' میں اشتباہ پڑتا ہے، 'نرم' ہے یا 'قرم' ہے، اور لغاتِ ہندی میں بتلاتے ہیں۔ **برہان قاطع** والے کا طور یہی ہے کہ لغات ہندی درج کرتا جاتا ہے، مگر یہ حضرت کا فقرہ کہ "بمعنی نرم و میان تہی بنظر آمدہ نہ نرم بخصوصیت میوہ" یہ فقرہ یہاں تک تو مکذبِ قول **دکنی** ہے "کہ بمعنی 'خربزۂ مضمحل' نوشت۔" پس یہ تو سراسر میری خوشی ہے۔ خدا

۱۔ اصل مطبوعہ نسخے میں 'پولہ'۔

مولوی صاحب کی اس توفیق کو زیادہ کرے ۔ پس اب میں عاجز آ گیا ۔ کہاں تک لغت بعد لغت دیکھے جاؤں ۔ خرافات، واہیات ، جھوٹ ، لغو ، مہمل ۔ اب ورق ورق اور صفحہ صفحہ کہاں تک دیکھوں گا ۔ دیکھوں گا تو سہی، مگر چھوڑتا جاؤں گا ۔ جستہ جستہ جواب لکھوں گا ۔ آخر مجھ کو آغا محمد حسین کی خدمت میں بھی حاضر ہونا ہے اور وہ لغات لکھنے ہیں جو 'پنج آہنگ'، کے بعد درفش کاویانی میں مندرج ہوئے ہیں ۔ فصل کا اشارہ بنا رہے گا ، اور لغت کا جواب الجواب نہ لکھوں گا ۔

(۱) دیکھیے ضمیمہ تعلیقات ۔

فصل ۱۶

اس فصل میں جی یہ چاہتا ہے کہ مولوی صاحب سے کچھ باتیں کر لوں۔ پھر فصول آئندہ میں برہان قاطع کی دھجیاں اڑاؤں گا۔ مولوی جی! تم نے اپنی کتاب کا نام مؤید برہان کیوں رکھا۔ تم پر تقدّمِ زمانی ہے، جامعِ محرق برہان کو۔ تم اس کے موید و حامی ہوئے۔ پس تمھاری کتاب کا نام مؤیدِ محرقِ برہان مناسب تھا۔ اس راہ سے کہ تم بھی برہانِ قاطع کی خطائیں مٹاؤ گے تو کیا، چھپاتے جاتے ہو، میں تم کو صاحبِ محرق کا مقلد کہہ سکتا ہوں۔ اس شخص کو مجھ سے جامعِ برہان کی محبت کے سبب سے عداوتِ شدید ہو گئی تھی، کیا عجب ہے کہ اس نے واسطہ در واسطہ تم کو ڈھونڈھ نکالا ہو اور عرائضِ عجز آمیز خشم انگیز متواتر لکھ کر اپنے آپ پر برسرِ مہر اور مجھ پر برسرِ قہر لایا ہو۔ وہ تھا دوڑیالا یعنی مالدار۔ بھلا اگر دست مزدِ تحریر نہیں نہ سہی۔ صرف مطبع و کاغذ اپنے بیت المالِ خاص سے بھجوا دیا ہوگا۔ خیر اب منشی جی کے واسطے دعائے تخفیفِ عذاب اور تمھارے لئے دعائے سلامتِ ذات اور توفیقِ انصاف مانگتا رہوں گا۔ تم محمد حسین کے تبریزی

مولد ہونے پر اصرار کیوں کرتے ہو ۔ ظہوری کو نظیر گذرانتے ہو اور یہ نہیں جانتے ہو کہ ظہوری کا مولد ترشبز تھا ۔ اس کو تم نے تبریزی مولد کیوں کر جانا ۔ دلیل اس کے تبریزی ہونے پر وہ بودی گذرانی کہ بہ نسبت اس کے مکڑی کے جالے کو مضبوط کہنا روا ہے ۔ فرماتے ہو کہ لغاتِ ہندی اچھی طرح نہ بولنا اس کے ولایت‌زا ہونے کی دلیل ہے ۔ غور تو کرو ، بولتے اس کو کسی نے سنا ہے ؟ آپ نے بھی تحریر دیکھی ، فقیر نے بھی - جو علماء و شعراء ایران سے آئے ، لہجہ ان کا ہندی نہیں ہوا ۔ املا اہلِ ہند کی املا کے موافق رہی مثلاً 'تھوڑا، 'گھوڑا، جان جائیں گے کثرتِ سماعت سے کہ یہ دونوں ترکیبیں ہندی ہیں ۔ مگر تلفظ میں 'تورا، اور 'گورا، کہیں گے - 'چو کھنڈی، شعر میں اسی صورت میں لکھیں گے ، مگر بولیں گے 'جو کندی' ۔ حضرت ظہوری کے ممدوح کا ایک طنبورہ تھا ، بہت بڑا ، ہاتھی پر چلتا تھا اور نام اس کا موٹے خان تھا ، بواوِ مجہول و تای ثقیلۂ ہندی ۔ مولانا ظہوری اسی طرح جانتے ہوں گے ، مگر تلفظ میں تای قرشت استعمال کرتے ہوں گے ۔

فصل ۱۷

اور یہ فصل آخر ہے - ہم ایک ہی فصل میں وہ لغات لکھیں گے اور وہ قباحتیں برہان‌قاطع کی تالیف کی ذکر کریں گے، جو بعدِ اتمامِ قاطعِ برہان[1] بہم پہنچی ہیں اور صرف درفش‌کاویانی میں لکھی گئی ہیں - ہر لغت کی ابتدا میں فصل نہ لکھیں گے تاکہ عبارت یکدست لکھی جائے اور یہ نگارش جلد اختتام پائے -

'برہان قاطع' والا بیانِ خایِ مخذ میں لکھتا ہے، "خانۂ سیل ریز، کنایہ از شرابِ انگوری باشد -" میں کہتا ہوں کہ 'سیل ریز' گھر کی صفت کیوں کر ہو سکے - سیل پہاڑ سے گرا چاہیئے، نہ گھر سے - ہم نے درفشِ کاویانی کے ۱۶۴ صفحے میں اس کا جواب لکھا ہے - رای قرشت کے ذیل میں دکنی لکھتا ہے کہ "'رم' بمعنی 'رمیدن' و 'نفرت' باشد و بمعنی رمہ و گلۂ گوسپند و اسپ وغیرہ باشد، و بر اجتماع و جمعیتِ مردم ہم اطلاق کردہ اند و گوشتِ اندرون و بیرونِ دہان را نیز گویند و نامِ دشتے و صحرائے ہم ہست و در عربی بہ تشدید

---

۱ - اصل مطبوعہ نسخے میں 'قاطع برہان' کے بجائے 'پنج آہنگ' ہے جو کاتب کا یا خود غالب کا سہو معلوم ہوتا ہے -

ثانی بمعنی گریختن و گربز و چیزے خوردن و بصلاح آوردنِ چیزے باشد و بضم اول موی زہار باشد۔" فقیر نے **درفشِ کاویانی** کے ۵۷ صفحہ میں اس کی حقیقت لکھی ہے ۔ اب **مولوی صاحب** سے عرض کرتا ہوں کہ بندہ پرور 'رم' امر ہے 'رمیدن' کا اور بمعنی مصدری بھی مثلِ 'سوز و گداز' مستعمل ، مخففِ رمہ ہے ۔ مانا کہ جمعیتِ مردم پر اطلاق نہ کیا جائے گا اور گوشتِ اندرون و بیرونِ دہان کو نہ کہیں گے ۔ گوشتِ بیرونِ دہان 'رخسار' اور گوشتِ اندرونِ دہان لثہ و کام و زبان' ہے ۔ نامِ دشت و صحرا ہم نے نہیں سنا ۔ ناقل کو لازم تھا کہ دشت کا پتا بتاتا ۔ پھر عربی میں بمعنیِ فرار بتاتا ہے ۔ گویا توافق بین اللسانین کا مدعی ہے ، اور یہ غلط ہے چیز خوردن کو عربی میں 'رم' کہاں کہتے ہیں ؟ ہاں ترمیم و مرمت کے معنی پر لکھ سکتے ہیں ۔ خیر اس کو بصلاح آوردنِ چیزے کہو اور عربی بضم موی رہار! واہ خواجہ محمد حسینِ دکنی جامعِ برہانِ قاطع ، کہاں عربی کہاں رم ، کہاں مویِ زہار! ہاں روم بہ رای مضموم و واوِ مجہول فارسی میں مویِ زہار کو اور ہندی میں مسام کو کہتے ہیں ۔ شین کے بیان میں لکھتا ہے کہ "شش ضرب لتیجہ' خوب باشد و کنایہ از گوھر و زر باشد و کنایہ از مشک و عسل و اقسامِ میوہھا ہم ہست" جو فقیر نے اس کا جواب لکھا ہے وہ **درفشِ کاویانی** کے ۸۴ صفحہ میں مرقوم ہے ۔ **مولوی صاحب**

اگر چاہیں تو ملاحظہ فرمالیں ۔ یہاں آسے کسی قدر لکھتا ہوں کہ 'اقسام 'میوہھا، کہاں کی ترکیب ہے ۔ اقسام کافی و وافی ہے اور 'شش ضرب، نتیجہٗ خوب کا مسمّٰی ہم کس کو سمجھیں اور اس لغت کو کس عبارت میں صرف کریں ۔ اسی شین کے بیان میں رقم کرتا ہے کہ 'شرک، بفتح اول بروزن فلک ۔ میں مولوی جی سے پوچھتا ہوں کہ 'فلک، بفتح اول کیوں کر ہوا ؟ اس کے تو دو حرف مفتوح ہیں ۔ پھر معنی اس کے کہتا ہے 'شرا، اور عربی اس کی حصبہ ۔ پھر لکھتا ہے کہ عربی میں ریسمانِ گرہ در گرہ کو کہتے ہیں ، جس کی فارسی 'بلغشنہ، ہے اور 'بلغشنہ، کے اعراب نہیں لکھتا ۔ پھر راہِ بزرگِ وسیع کا بھی یہی نام بتاتا ہے ۔ پھر وسط حقیقی راہ کو بھی لکھتا ہے ۔ پھر فتحِ اول و سکونِ ثانی سے پارچہ و جامہ، جس میں دوا باندھیں ، اس کا نام بتاتا ہے ۔ پھر کسرۂ اول و سکونِ ثانی سے بمعنی 'جدری، لکھتا ہے ۔ گویا حقیقت میں یہ بیان ریسمانِ گرہ در گرہ ہے ، جس کو ہندی میں 'گورکھ دھندا، کہتے ہیں ۔ بعد لکھنے درفش کاویانی کے مشاہدۂ کتبِ لغتِ عربی سے ثابت ہوا کہ 'شرک، راہِ وسیع کو کہتے ہیں ۔ مگر 'ریسمانِ گرہ در گرہ، جس کی فارسی 'بلغشنہ، بہ اعراب مجہول لکھنا ہے ، عربی لغات میں کہیں پتا نہ لگا ۔ اور یہ پوچھتا رہا کہ 'حصبہ، و 'جدری، کا تفرقہ کیا اور 'شرا، کا شین حرکاتِ ثلثہ میں سے

کون سی حرکت کے ساتھ ہے ؟ اگر کہا جائے کہ 'شرا' بہ ضمہ ہے تو یہ بتی' جو موحدہ اور تای مشدد مکسور سے ہے' عربی میں اس کو کہتے ہیں ، فارسی میں نہیں ہے اور شاید یہ اتفاق لسانین ہو ۔ پھر دوا کے کپڑے باندھنے کی قید سے کس زبان کا لغت ہے ۔ دوای خشک رومال میں ، دوپٹے میں باندھتے ہیں ۔ اس کپڑے کا اسم خاص ، نہ کہیں سنا ، نہ دیکھا ۔ کاف عربی میں 'کاہنبھارو' و 'کنبھار' لکھتا ہے ۔ پھر کاف فارسی میں بھی انہی معنوں میں لکھتا ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ کاف عربی سے اگر لکھو گے ، تو گھاس کے ڈھیر کے معنی پیدا ہوں گے ۔ 'کاہنبار' بکاف تازی غلط اور بکاف فارسی صحیح ۔ اسی طرح 'کرّا' (حجام) کو کاف عربی سے بتاتا ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ 'کرّا' بکاف فارسی و رای مشدد ہے ۔ پھر 'گُرازان' کو جو بہ کاف فارسی مضموم ہے ، بکاف عربی مکسور بروزن صفاہان لکھتا ہے ۔ ہنسی آتی ہے کہ یہ لکھ کر لکھتا ہے کہ "در جہانگیری بکاف فارسی مضموم آمدہ است" واہ جی واہ ۔ اپنے مطاع کے خلاف ان خرافات کا جواب فقیر نے 'درفش کاویانی' کے ۱۰۰ صفحہ میں جدا جدا لکھا ہے ۔ پھر یہیں لکھتا ہے کہ "کروہ بضم اول و ثانی بواو مجہول رسیدہ و بہ ہا زدہ ثلث

---

(۱) یہ لفظ اصل نسخے میں 'بتی' چھپا ہے ۔

و سہ یک ِ فرسخ را گویند و آن نہ ہزار گزاست و آن را بعربی کراع خوانند،،۔ اب اس مقام میں **مولوی احمد علی** سے فقیر کا سوال ہے کہ لغت میں اور کتب طبّی میں پاچہ گاو و گوسفند کو 'کراع، بروزن صراح کہتے ہیں ، جمع اس کی اکارع ۔ آپ کیا فرماتے ہیں ؟ یقین ہے کہ یہاں بھی **مولوی جی دکنی** کے قول کی تصدیق کریں ۔ کتب ِ لغت و کتب ِ طب میں نہ پایا جائے نہ سہی ، لغات والے بیخبر ، اطبّا احمق ، شاید جس تبریز میں جامع ِ برہان پیدا ہوا ہے ، اس تبریز میں یوں ہی کہتے ہوں گے ۔ پھر انہی دونوں کافوں کے بیان میں **دکنی** صاحب بکتے ہیں کہ بکاف ِ عربی مع الرا 'کرگدن، ایک جانور کا اسم ہے کہ ناک پر ایک سینگ رکھتا ہے ۔ پھر ایک پردار جانور کا نام بتاتے ہیں کہ دو برس کے ہاتھی کے بچے کو چنگل میں اڑا لے جاتا ہے ۔ پھر ایک دابّہ' بزرگ کو فرماتے ہیں کہ جوان ہاتھی کو شکارکرے اور بیٹھ 'پر، اٹھائے اور اپنے بچوں کی طرف لے جائے ۔ پھر دونوں کاف ِ عربی پہلا مضموم ، دوسرا مفتوح ، ظاہر بروزن 'گل بدن، بھی قرار دیتے ہیں ۔ اس بیان میں **دکنی** کے تین حمق ہیں ۔ ایک تو ' درگدن، کے پہلے کاف کو عربی جاننا ، دوسرے ایک پرندہ بھی اسی اسم اور انہی صفات کا پکڑ لانا ، تیسرا حمق 'کرگدن،کو بکاف ِ نخستین مضموم بھی جانتا ہے ۔ یہ بات ہے کہ اگر **دکنی** آدمی کا بچہ ہوتا تو

صفات "گرگردن" تمام لکھ کر یہ کہتا کہ یوں مشہور ہے کہ ایک طائر بھی ایسا ہوتا ہے کہ بانھی کو پنجوں میں اٹھا لے جاتا ہے اور اس کو سیمرغ کہتے ہیں۔ مولوی احمد علی صاحب، تم صورت پرست ہو اور فرہنگ نگاروں کی قرار دی ہوئی صورِ الفاظ کو مانتے ہو۔ اب یہاں ایک صورت کے باب میں کہ ہر صورت کے معنی میں کچھ کچھ تفاوت بھی ہے، کیا ارشاد کرتے ہو؟ مولوی اور کیا ارشاد کرے گا! چونکہ مخالفتِ دکنی کو کفر جانتا ہے، میری تکفیر کرے گا اور کافر کہے گا۔ پھر کہہ بھائی، جہاں اور بڑے بڑے خطاب دئے ہیں، کافر بھی کہہ لے۔ میں تو اس حال میں بھی مولوی کو مسلمان کہے جاؤں گا، بہ قول استاد۔ مصرع:

تا ہر دو دروغ گفتہ باشیم

سبحان اللہ لفظ آفرینِ دکنی لغات متفرقہ میں لکھتا ہے کہ "دچار بضم دال ابجد و میم و جیمِ فارسی بہ الفِ کشیدہ و بہ رای قرشت زدہ رسیدن و ملاقات کردنِ دو کس باشد بیک نگاہ،" فقیر یہ فقرہ بے کمی و بیشی و تبدلِ حرف برہان قاطع سے نقل کر کے مولوی صاحب سے پوچھتا ہے کہ دوچار ہونا بہ معنی مقابل ہونے کے جب درست ہوتا ہے کہ دال کے آگے واو بھی ہووے، تا کہ تثنیہ پیدا ہو اور دو آنکھوں کا چار ہونا ثابت ہو جائے یعنی اظہارِ علامتِ تثنیہ بھی جائز ہے۔ جواب اس

کا **درفش کاویانی** کے ۱۳۰ صفحہ میں میں نے لکھا ہے ۔ یہاں صرف پرسش پر قناعت کی ۔ اگرچہ ابھی پرسشیں بہت باقی ہیں ، لیکن بڑھاپا اور امراض اور ضعفِ مفرط نہیں لکھنے دیتا ۔ صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہتا ہوں ۔ لیٹے لیٹے مسودہ کیا اور احباب کو دے دیا ۔ انھوں نے صاف کرلیا ۔ اب میری تحریر تو تمام ہوئی ۔ احباب صاف کر لیں تو مطبع میں حوالہ کروں اور بعدِ انطباع جیسا کہ دیباچے میں وعدہ کر آیا ہوں ، عمل میں لاؤں ۔ یہ جو کچھ بسبیلِ سوالات لکھا ہے، **مولوی** صاحب سے اس کا جواب جدا جدا مانگتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ سنو صاحب ! نفسانیت کا برا ہو ، اکابرِ امت میں باہم کیا کیا ناخوش و ناشائستہ کلام درمیان آئے ہیں ۔ حکیم **شفائی صفاہانی** نے مولانا **عرفی شیرازی** کی کیا کیا مذمتیں کی ہیں ۔ ایک قصیدہ میں اس مرحوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں ۔ شعر :

هزار قطعهٔ نم کرده در بغل رفتی
ز ناکسانِ جهان تا بمیرزا خانی

اور یقین ہے کہ **عرفی** و **شفائی** کے زمانے میں اسی قدر تقدیم و تاخیر ہو ، جتنی **برہان** و **غالب** کے عہد میں ہے ۔ علمائے **ماوراءالنہر** اور علمائے **مشہد** میں ایسے مکاتبات کی آمد و رفت

درمیان رہی ہے کہ فریقین کی توہین و نفرین سے مملو ہے ، بلکہ خود شاہِ ایران اور سلاطینِ روم کے درمیان وہ نامے جاری ہوئے ہیں ، جن میں سراسر مغلظ گالیاں مرقوم ہیں ۔ غرض اس اظہار سے یہ ہے کہ جہاں عمائدِ اہلِ اسلام و سلاطینِ اہلِ اسلام کی وہ باہم ناسزا تحریریں صفحۂ روزگار پر یادگار رہیں گی ، وہاں تمھاری بھی بد دکھاؤ صفحۂ دہر پر نمودار رہے گی ۔ نہیں نہیں ، صرف اللہ کا نام رہ جائے گا اور کچھ نہیں ، و یبقی وجہ ربک ذو[1] الجلال والاکرام[2] ۔

---

(۱) اصل : 'ذی'

(۲) سورۂ رحمٰن کی ستائیسویں آیۂ مبارکہ ۔

اللہ اکبر

صاحبانِ قوتِ ناطقہ و قوتِ عاقلہ سے کہ وہ مقربانِ بارگاہِ مبدءِ فیاض ہیں ، **غالب** کی یہ استدعا ہے کہ جب یہ تحریر کہ گویا استفتا ہے ، نظر سے گذرے تو احداللغتین میں سے جو لغت صحیح ہو اس کی صحت اور لغتِ غلط کی غلطی لکھ کر خاتمۂ عبارت پر اپنا نام لکھ دیں ، مثلاً جہاں میں نے لکھا ہے کہ 'چشمِ غیب بین' صحیح ہے یا 'چشمِ غلط ساز' اس کے جواب میں رقم فرمائیں کہ چشمِ غیب ساز غلط ہے ۔ یہ عبارت چھاپی جائے گی ۔ اس واسطے ضرور ہے کہ فتوے میں توضیح ہو ، فقط ۔

سوال ۱ : لغتِ فارسی کی حقیقت اور حروف کی حرکت میں **فردوسی** اور **خاقانی** سچے ہیں یا ہندوستانی فرہنگ لکھنے والے ؟ م ۔ ض[۱]

جواب : فردوسی و **خاقانی** سچے ہیں ۔ ہندوستانی ان کے مطابق

---

(۱) یہ اصل مطبوعہ نسخے میں م ۔ ص ہے جو ہر سوال کے آخر میں آتا ہے ۔ م ۔ ض ہونا چاہیے ، **محمد ضیاء الدین** کا اختصار ۔ دیکھیں تعلیقات ۔

لکھیں تو سچے ، ان کے برخلاف لکھیں تو جھوٹے ۔
محمد المدعو بہ **مصطفیٰ** ۔

سوال ۲ : 'پیدائی' و 'زیبائی' صحیح اور 'پیدائش' و 'زیبائش' غلط یا یہ چاروں لفظ صحیح ؟ م ۔ ض

جواب : چاروں صحیح ۱۲ **محمد** المدعو بہ **مصطفیٰ** ۔

سوال ۳ : 'راند' و 'ماند' بروزن 'چاند' صحیح ۔ بروزن 'رند و مند' اچھا ہے ۱۲ م ۔ ض

جواب : 'راند' و 'ماند' دراصل 'بوزن' 'چاند' صحیح 'رند' و 'مند' اچھا ہے ۔ اصل میں بہ وزن 'تند' و 'کند' نہیں ہے ۔ **محمد** المدعو **بہ مصطفیٰ** ۔

سوال ۴ : چشم کی صفت 'عیب بیں' صحیح یا 'عیب ساز' م ۔ ض

جواب : 'عیب ساز' غلط محض اور جو آنکھ کو 'عیب ساز' کہے وہ احمق بلکہ اندھا ۔ **محمد** المدعو بہ **مصطفیٰ** ۔

سوال ۵ : فرہنگ نویس حال کی رائے ، اگر فرہنگ نویس ماضی کی رائے سے مطابق ہو ، خواہی بحسب اتفاق ، خواہی از روی مشاہدہ ، یہ سرقہ ہے یا تطابق رائے م ۔ ض

جواب : یہ تطابق رائے ہے سرقے سے کیا علاقہ ۱۲ **محمد** المدعو بہ **مصطفیٰ** ۔

سوال ۶ : 'شش ضرب نتیجہ خوب شکر و عسل و گوهر و زر و مشک و اقسام میوہ کو کہہ سکتے ہیں یا نہیں ؟
م ۔ ض

جواب : معاذ اللہ ، لاحول و لا قوۃ الا باللہ ۔ کون کہہ سکتا ہے ، مگر کوئی دیوانہ ہے ، یعنی ان چھ چیزوں کو 'شش ضرب نتیجہ خوب' نہ لکھیں گے مگر کوئی اور چھ باتوں کو کہیں تو کہیں ۱۲ محمد المدعو بہ مصطفیٰ ۔

سوال ۷ : یہ مصرع وزنِ شعر میں درست ہے یا نا موزوں ؟
م ۔ ض

چشمِ مخالفان بیازن بہ تیر

جواب : مصرع ہو تو کچھ لکھوں ۔ فقرہ ہے ، اس کو وزن سے کیا علاقہ ۱۲ محمد المدعوبہ مصطفیٰ ۔

سوال ۸ : ' آہنگیدن' کا صیغہ ماضی ' آہنگید' ہو گا یا فقط ' آہنگ' ؟ م ۔ ض ۔

جواب : ' آہنگید' ہو سکتا ہے ۔ نہ ' آہنگ' ۱۲ محمد المدعوبہ مصطفیٰ ۔

سوال ۹ : 'پالوایہ' ایک لغت ہے ۔ فرہنگ نویس کو اس کا ہموزن 'چارپایہ' لکھنا چاہیے یا 'چار خایہ' ؟ م ۔ ض

جواب : وزن دونوں صحیح ہیں ، لیکن 'چارپایہ' لکھنے والا آدمی ہے اور 'چار خایہ' لکھنے والا 'چار پایہ' ۱۲ محمد المدعوبہ **مصطفیٰ** ۔

سوال ۱۰ : 'گرازان' بہ معنیِ خرامان بہ کافِ فارسیِ مضموم ہے یا 'کرازان' بہ کافِ عربیِ مکسور بروزنِ **صفاہان** ؟ م ۔ ض

جواب : 'گرازان' بہ معنیِ خرامان بہ کافِ فارسی مضموم صحیح اور بہ کافِ عربیِ مکسور غلطِ محض ۱۲ محمد المدعوبہ **مصطفیٰ** ۔

سوال ۱۱ : 'کروہ' و 'فرسخ' و 'فرسنگ' فارسی میں مقدارِ مسافتِ زمین کو کہتے ہیں ۔ عربی میں 'کراع' بروزنِ 'صراح' مقدارِ مسافت زمین کو کہتے ہیں یا 'پاچہ' گاو و گوسپند کو ؟ م ۔ ض

جواب : صراح میں بہ معنیِ 'پاچہ' گاو و گوسپند' لکھا ہے ، بمعنیِ مسافت غلطِ محض ۱۲ محمد المدعوبہ **مصطفیٰ** ۔

سوال ۱۲ : 'کلہری' بہ کافِ فارسیِ مکسور بروزنِ 'اکہری' صحیح یا 'کلہری' بہ کافِ عربیِ مفتوح بروزنِ اہتری صحیح ؟ م ۔ ض

جواب : کلہری بہ کافِ فارسیِ مکسور صحیح ۱۲ محمد المدعو

بہ مصطفٰی -

سوال۱۳ : ہندوستان میں دخترِ نارسیدہ کو 'چھوکری' کہتے ہیں۔ اہلِ ولایت 'چوکری' کہیں گے بحذفِ ہای مضمرہ ، 'چکری' بہ حذفِ واو غلط ہے یا صحیح ؟ م - ض

جواب : 'چکری' جو اہلِ ولایت سے بھی زیادہ بد لہجہ ہوگا ، وہ شاید کہے ۱۲ محمد المدعو بہ مصطفٰی -

سوال۱۴ : 'پا' اور 'پای' بہ اضافۂ تحتانی جس کو عربی میں 'رِجل' کہتے ہیں ، ہندی میں اس کا نام 'پانؤ' مع النون ہے یا 'پاؤ' بے نون ؟ م - ص

جواب : 'پانو' کو 'پاؤ' نہ کہے گا ، مگر مجنون ۱۲ محمد المدعو بہ مصطفٰی -

سوال۱۵ : 'پریشیدن' مصدرِ جعلی ہے بنایا ہوا لفظ 'پریشان' سے - خیر بای زائدہ اس کے ما قبل لا کر 'بپریشیدن' کہو 'بپریشیدن' بہ ہر دو بائے فارسی بھی انہی معنوں میں کہیں آیا ہے یا نہیں ؟ م - ض

جواب : کہیں نہیں آیا - اس میں ذہن کو پریشان کرنا کیا ضرور ۱۲ محمد المدعو بہ مصطفٰی -

سوال۱۶ : 'خانۂ سیل ریز' ، شرابِ انگوری کو کہہ سکتے ہیں یا نہیں ؟ م - ض

جواب : 'سیلِ خالہ ریز' شراب کی صفت ہوسکتی ہے۔ انگور کی قید بے جا اور خانۂ سیل ریز مہمل اور غلط اور خبط ۱۲ راقم محمد المدعو بمصطفیٰ ختم اللہ بالحسنیٰ۔

سب جواب مجیب کے صحیح ہیں۔

الطاف حسین پانی پتی عفی اللہ تعالیٰ عنہ

سب جواب دونوں مجیبوں کے بالصواب ہیں۔

محمد سعادت علی مدرس، گورنمنٹ اسکول، دہلی۔

ہر شانزدہ گانہ سوال کے جواب میں میں بھی نواب محمد مصطفیٰ خان صاحب کا ہم زبان و ہم داستان ہوں۔

الراقم الآثم محمد الملقب بہ **ضیاء الدین** عفی عنہ۔

(الحمد للہ کہ این رسالہ نافع مسمّیٰ بہ **تیغِ تیز** در مطبع **اکمل المطابع** باہتمام **فخر الدین** مطبوع گردید۔)

اشاریہ

اشاریۂ الفاظِ زیرِ بحث

اُن الفاظ کا اشاریہ جو تیغ تیز میں زیرِ بحث ہیں یا بحث کے ضمن میں حوالے کے طور پر آئے ہیں ۔ خاص الفاظ جو بحث کا موضوع ہیں پھول کے نشان سے ظاہر کیے گئے ہیں ۔ لفظ کے مقابل ہندسہ تیغ تیز کے صفحے کا ہے ۔

اشاریۂ اسمائے خاص و خطاباتِ واقعی و فکاہی

(مشتمل بر اسمائے اشخاص و اماکن و ادارات و کتب)

(توضیح : نام 'مرزا اسداللہ خان غالب' یا صرف 'غالب' تخلص اور مولوی احمد علی کے لئے لفظ 'مولوی' پوری کتاب میں بتکرار زیاد آیا ہے اس لئے یہ مقامات اشارئے میں شامل نہیں کئے گئے) -

تیغ تیز
کی
تعلیقات

ان تعلیقات میں پہلے تیغ تیز کی قاطع برہان والی لغوی بحثوں کا پس منظر سامنے لایا گیا ہے جو تیغ تیز کی عبارتوں کو بخوبی سمجھنے اور غالب کے مناظرانہ اسلوب اور اشاروں کنایوں سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے بے حد ضروری ہے۔ بحث کے ہر بنیادی لفظ کے تحت برہان قاطع کی عبارت پھر قاطع برہان میں غالب کی نگارش اور آخر میں مؤید برہان کا بیان، یہ تینوں متن اردو میں منتقل کر کے مولفوں کے حوالے سے پیش کیے گئے ہیں۔ جہاں کسی توضیح کی ضرورت ہوئی ہے حاشیے میں درج کر دی گئی ہے۔

آخر میں ان اعتراضات پر تبصرہ کیا گیا ہے جو غالب نے مولوی احمد علی کے بعض اقوال اور موید برہان کی بعض عبارات پر تیغ تیز میں کیے ہیں۔

لیکن غالب نے تیغ تیز کی سترھویں فصل میں قاطع برہان پر جو مزید اعتراضات کیے ہیں اور انھیں درفش کاویانی کے حوالے سے لکھا ہے وہ ہم نے اس مقام پر اس لیے چھوڑ دیے ہیں کہ وہ موید برہان کے حدود سے خارج ہیں۔ موید میں صرف قاطع کا جواب ہے۔ درفش کاویانی موید کی تالیف کے وقت مولف کے پیش نظر نہیں۔ یہ بعد کی چیز ہے۔

——عابدی

'تیغ تیز' کی لغوی بحثوں کا پس منظر

(۱) آبچین

برہان : آب چین جیمِ فارسی سے ہے 'آستین' کے وزن پر 'پارچہ' جامہ' کو کہتے ہیں جس سے غسل دینے کے بعد مردے کا بدن پونچھتے ہیں -

غالب : '''آستین' کے وزن پر'' کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ آب چین ، کا کوئی دوسرا تلفظ تو ہے نہیں جو ذہن میں آتا ہو - 'پارچہ جامہ' بھی درست نہیں - یا 'پارچہ' کہا ہوتا یا 'جامہ' - مردے کا بدن پونچھنے کی قید بھی بیجا ہے - یہ غلط فہمی صرف اسی بیچارے کو نہیں اوروں کو بھی ہوئی ہے - فردوسی کے مصرع

ندارم بمرگ آبچین و کفن

سے معنی کا حصر ثابت نہیں ہوتا - چنانچہ چادر بھی کفن میں ہوتی ہے - لیکن چادر کی کفن سے تخصیص نہیں - آبچین اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے دھونے کے بعد ہاتھ منہ پونچھتے ہیں - یہ وہی چیز ہے جسے عرفِ عام میں رومال کہتے ہیں -

---

۱ - 'آبچین کی بحث مؤید برہان میں صفحہ ۲۱ پر ہے - تیغ تیز صفحہ ۱۷ میں صفحہ ۱۲ غلط درج ہوا ہے -

مولوی احمد علی : آستین کے وزن پر ، کہنا بے ضرورت کیسے ہوا ؟ 'آبِ چین' باضافت بھی ہو سکتا تھا ، خواہ اس معنی میں نہ ہو ۔ 'پارچۂ جامہ' بھی بیجا نہیں ۔ اس ترکیب میں 'پارچہ' 'جامہ' کے معنی میں نہیں ہے ، بلکہ چھوٹے ٹکڑے کے معنی میں ہے ۔ 'پار' 'پارہ' کا مخفف ہے اور فرہنگوں میں درج ہے جس طرح 'پارۂ کاغذ' اور 'پارچۂ کاغذ' وغیرہ ٹھیک ہیں 'پارۂ جامہ' اور 'پارچۂ جامہ' بھی درست ہے ۔ **رقعات مرزا قتیل** میں نویں رقعے میں یہ عبارت ہے : "اما رقعہ دوسین طویل بودہ است ۔ ترجمۂ آن درین کاغذ نگنجید ۔ مجبور ترجمہ عبارتے کہ باقی ماندہ بر پارچۂ دیگر نوشتہ شد" اور رقعہ چہارم میں ہے "ناہر سنگھ در ہمین خط پارچۂ کاغذے گذاشتہ است ملاحظہ باید کرد" اسی طرح **معتمد خان شریف ایرانی** کی تصنیف '**اقبالنامہ جہانگیری**' میں "پارچہ سنگ" دو جگہ میری نظر سے گذرا ہے ۔ ایک جگہ 'وقائع سال بیست و دوم' میں لکھا ہے: "در آن وقت یکے از پیادہ ہای آن مرز و بوم آھو را راندہ آورد ۔ آھو بر پارچۂ سنگے بعسرت جا گرفت "۔

اس کے علاوہ اس کا بھی احتمال ہے کہ **برہان** نے 'پارچہ و جامہ' لکھا ہو واوِ عطف کے ساتھ ، جسے ناقلین نے بگاڑ دیا ہو ، اس لیے کہ صاحبِ **ہفت قلزم** نے یہی الفاظ **برہانِ قاطع** سے "پارچہ و جامہ" کی صورت میں نقل کیے ہیں ۔

اہلِ نقل و کتابت اور اہلِ مطبع کی طرف سے بھی اس کتاب میں سہو و تصرف بہت ہوا ہے ، چنانچہ ہماری اس کتاب مؤید برہان سے یہ چیز واضح ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ ۔

مردے کے بدن کی تخصیص صاحبِ فرہنگ جہانگیری کی پیروی میں ہے ، جس کی عبارت یہ ہے " 'آبچین' جامہ' باشد کہ بعد از غسل بدنِ مردہ بدان پاک کنند ۔ حکیم فردوسی گفتہ است ۔ شعر :

ہمان بہ کہ چیزے نخواہی زمن
ندارم بہ مرگ آبچین و کفن

حکیم اسدی راست ۔ شعر :

بپوشم بآئین بہ جامہ عجم
کفن وابچین دہ ، ز کافور نم"

حوالہ ختم ہوا ۔ اور مجمع الفرس سروری میں ہے "آبچین فوطہ' کہ چون از حمام برآیند عرق را بدان بخشکانند" اور فرہنگ میں ہے "جامہ' کہ بعد از غسل بدنِ مردہ بآن پاک کنند اور فردوسی کا یہ شعر سند کے طور پر دیا ہے : شعر

ہمان بہ کہ چیزے الخ

اور فرہنگِ رشیدی میں لکھا ہے "آبچین جامہایست کہ بعد از غسل بدنِ مردہ بدان پاک کنند و چادرے کہ از حمام برآمدہ

عرق بدان چینند - سامانی گوید "قطیفہ" کہ بدان بدن خشکالند بعد از غسل و خصوصیت بہ منت ندارد ، چنانکہ صاحب جہانگیری گمان بردہ و توہم او از خصوصیت مقام ناشی شدہ و آن معتبر نیست" - حوالہ ختم ہوا - جان آرزو نے بھی سامانی کے قول کو زیادہ صحیح بتایا ہے - بہر حال یہ اعتراض[1] جسے غالب نے اپنی طرف سے ظاہر کیا ہے سامانی کا ہے -"

---

۱ - بالآخر غالب ہی کی بات صحیح نکلی - ایران کے فرہنگ نویس سامانی کے بیان سے غالب کی تائید ہوئی اور سامانی کا درجہ یہ ہے کہ وہ فرہنگ جہانگیری کے مؤلف انجوی شیرازی کی بات کو کہہ سکتا ہے کہ "معتبر نیست" پھر سر زمین پاک و ہند سے خان آرزو جو سراج المحققین کہلاتے ہیں سامانی ہی کے قول کو زیادہ صحیح بتاتے ہیں - مولوی احمد علی کا یہ کہنا کہ غالب اس اعتراض کو اپنے سے منسوب کرتے ہیں کوئی ایسی بات نہیں - غالب نے یہ کب کہا ہے کہ مجھ سے پہلے یہ اعتراض کسی نے نہیں کیا ، یہ بات سب سے پہلے میں کہہ رہا ہوں - (عابدی)

(۲) آتش

برہان تبریزی دکنی : 'آدیش'[1] بکسرِ ثالث (حرفِ دال) و سکونِ یایِ تحتانی و شینِ نقطہ دار 'آتش' کو کہتے ہیں ۔ جاننا چاہیے کہ فارسی کے اکثر حروف کا آپس میں ابدال ہوتا ہے ۔ اس طرح 'آتش' کی ت کو دال ابجد سے بدل کر 'آدش' کہا ہے ۔ اور یہ جو تایِ قرشت کے فتحہ سے یہ لفظ مشہور ہے یہ غلطالعام ہے ، اس لیے کہ لفظ 'آتش' تمام فرہنگوں میں تای ترشت کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے اور (شعرا کے کلام میں) اس لفظ کو 'دانش' کے ساتھ ہم قافیہ استعمال کیا گیا ہے اور چونکہ یہ لفظ اصل میں ت کے کسرہ کے ساتھ وضع ہوا ہے ، دال کے بعد یایِ حطی بڑھائی ہے تاکہ حرفِ ما قبل کے کسرہ پر دلالت کرے اور یہ لفظ 'آدیش' پڑھا جائے ۔

غالب : 'آتش' کا قافیہ 'دانش' کے ساتھ ہونا ایسا دعویٰ ہے جسے دل قبول نہیں کرتا ۔ میں نے اس لفظ کو 'سرکش'

---

۱ ۔ برہان قاطع میں 'آتش' کے تلفظ کی بحث لفظ 'آدیش' کی بحث کے ضمن میں آئی ہے ۔ مؤید برہان میں بھی اس لفظ کا بیان 'آدیش' کے تحت ہے (صفحہ ۴۲ تا صفحہ ۴۶) ۔

اور 'مشوش' کا قافیہ 'دانش' کے ساتھ ہزار جگہ ہم قافیہ دیکھا ہے اور اساتذہ کے کلام کا مطالعہ کرنے والا تفحص سے کام لے تو اُسے بھی یہی بات ملے گی ۔ محمد حسین نظیری نے جس غزل میں 'مشوش' اور 'دلکش' اور 'بیغش' قافیہ ہے اور 'برآمد' ردیف 'آتش' کا قافیہ بھی باندھا ہے ۔ زلالی خوانساری کا ایک شعر مثنوی کا ہے : شعر

یکے گفتا بدو کاے یارِ دلکش
کہ مردہ از عزیزان گفت آتش

'آدیش' کو 'آتش' کا (دوسرا) نام قرار دینا گمراہی ہے اور (یای) تحتانی کو کسرہ کی علامت سمجھنا محض ناواقفیت ۔ اعراب بالحروف کا قاعدہ ترکی الفاظ میں ہے نہ کہ فارسی الفاظ میں ، چنانچہ ترکی میں 'یتیشخانہ' ایک سلطنتی ادارے کا نام ہے اور یہ ہے 'یتشخانہ' بیایِ مفتوح و تایِ مکسور متصل بہ شینِ قرشت ۔ تایِ قرشت کے کسرہ کے اظہار کے لیے تایِ فوقانی کے بعد یایِ تحتانی لکھتے ہیں ۔ 'آدیش' قدیم پہلوی زبان میں ایک الگ لفظ ہے بمعنی تعظیم و تکریم ۔ 'نار' کے لیے فارسی میں لفظ 'آتش' ہے بالفِ ممدودہ و تایِ فوقانی مفتوحہ ، چنانچہ (مؤلف برہان) خود تای فوقانی مع الشین (کے الفاظ) میں 'تش' بتایِ مفتوح بمعنی 'آتش' لکھے گا ۔

مولانا احمد علی نے پہلے زلالی خوالساری کا یہ قطعہ مثنوی درج کیا ہے:

شبے رندے در ایّام زمستان
بہ سر تابوت می بردہ[1] شتابان
یکے پرسید ازو کاے یارِ دلکش
کہ مردہ از عزیزان گفت آتش

پھر کہا ہے "جامع برہان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لفظ 'آدیش' میں یای تحتانی اعراب کے بجائے آئی ہے، اس لیے کہ اس صورت میں حرف ی کا تلفظ نہ ہونا چاہیے تھا اور مولف برہانِ قاطع نے خود کہا ہے کہ اس لفظ میں 'ی' ساکن ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں یایِ حطی لائی گئی ہے تاکہ کسرۂ ما قبل کے وجود پر دلالت کرے اور 'آدیش' پڑھا جائے۔ 'آتش' میں 'ت' کے کسرہ کو نہ ماننا ناواقفیت ہے اور 'آدیش' کو بمعنی 'نار' نہ سمجھنا گمراہی۔ تحقیق یہی ہے کہ لفظ 'آتش' کی اصل وضعی صورت 'ت' کے کسرہ کے ساتھ ہےاور متقدمین کے کلام میں یہ لفظ 'دانش' وغیرہ کے ساتھ ہم قافیہ

[1] ۔ موید برہان (صفحہ ۴۲) 'بردے' چھپا ہے۔ غلط نامے میں بھی تصحیح نہیں کی گئی ۔ می بردے' صریحاً غلط ہے ۔ ظاہر ہے یہاں ماضی ناتمام نقلی 'می بردہ است' کی مخفف صورت 'می بردہ' استعمال ہوتی ہے ۔

ملتا ہے ، چنانچہ فخر الدین گرگانی نے اپنی مثنوی 'ویس و رامین'میں قسمیہ ابیات کے ضمن میں کہا ہے :

به آبِ پاک و خاک و آتش و باد
به فرہنگ و وفا و دانش و داد

اور یہ بیت 'آتش' کے 'ت' کے کسرہ کے ساتھ ذوقافیتین ہے۔

یہی سبب ہے کہ یایِ اشباع کے ساتھ 'آتیش' لفظ بھی آیا ہے۔ متقدمین ہی میں سے کسی نے کہا ہے :

از بسکه تنم سوخته شد ز آتشِ فرقت
در خرقه بجز شعلهٔ آتیش ندارم

'آدیش' دالِ مہملہ سے اسی آتیش، کا مبدل ہے۔

ہاں متاخرین نے 'آتش' بفتحہٴ تا استعمال کیا ہے۔ ت کے فتحہ کو جو غلط بتایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فتحہ وضعِ لفظ کی بنیاد پر غلط ہے نہ کہ استعمال کے لحاظ سے ، خاص طور پر متاخرین کے ہاں ، اور یہ فتحہ غلطالعام ہے نہ کہ غلط العوام۔ اب اس زمانے میں یہی فصیح ہے۔ اسی بنا پر مولفِ فرہنگ جہانگیری اور مولفِ فرہنگ رشیدی وغیرہ نے اور جامع برہان نے خود بھی لفظ تش بمعنی 'نار' کو اور لفظ 'آتشیزہ' اور اس کے دوسرے مرکبات کو تای قرشت کے فتحہ سے لکھا ہے۔ یہ (اختلافِ تلفظ) (فرہنگ نویس کے

بیان کا) تضاد نہیں ہے ، بلکہ یہ بات لہجے کے تغیر کی بنا پر
ہے جو زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ واقع ہوتا ہے۔" آگے چل کر
میرزا احمد علی نے لکھا ہے "ہماری یہ تحقیق لغت نویسوں کے
بیانات سے بھی واضح اور ثابت ہے ۔ صاحبِ جہانگیری نے
جو شیرازی ہیں فرمایا ہے 'آدیش، دالِ مکسور اور یای معروف
سے بمعنی 'آتش' ہے ۔ چونکہ علمای فرس نے زبان کے چوبیس
حروف میں سے ہر ایک کا ابدال جائز قرار دیا ہے بعض الفاظ
میں 'آتش' کی تے کو دال سے بدل کر 'آدیش' کہا ہے اور
'آتش' جو تے کے فتحہ سے مشہور ہے غلط ہے ، اس لیے کہ
اصل میں یہ لفظ تے کے کسرہ سے وضع ہوا ہے ۔ اس بنا پر
دال کے بعد یای تحتانی لائے ہیں تاکہ حرفِ ما قبل کے کسرہ
پر دلالت کرے اور آدیش پڑھا جائے ۔ اگرچہ دال و ذال کے
فرق کا جو اصول مقدمۂ کتاب کے آئین سوم میں بیان ہو چکا
ہے اُس کی رو سے یہ لفظ ذالِ منقوطہ سے ہونا چاہیے تھا ،
لیکن اس لفظ میں اس اصول کو رعایت میں اُس وقت کرتا
کہ یہ دال اصلی ہوتی ۔ صورت یہ ہے کہ یہ اصلی نہیں ہے
بلکہ تای فوقانی کا بدل ہے اور یہ جو فرہنگ نویسوں نے اس
لفظ کی صحیح صورت ذالِ منقوطہ سے قرار دی ہے اُس کا سبب
راقم کی رائے ناقص میں یہ کہ قدیم زمانے میں دال پر نقطہ
لگاتے تھے ۔ متاخرین جو اس دستور سے واقف نہ تھے اسے ذال

منقوطہ سمجھے واللہ اعلم عنداللہ تعالیٰ ۔ حکیم انوری :

گر کند چوبِ آستانِ تو حکم

شحنۂ چو بہا شود آدیش"

یہاں صاحبِ جہانگیری کا بیان ختم ہوا ۔ رشیدی میں اور برہان میں اس سے نقل قول کے طور پر یہی ہے رشیدی نے یہ بھی کہا ہے کہ اس شعر میں

گر کند چوبِ آستان تو الخ

صاحب جہانگیری نے بھی 'آدیش' کے معنی 'آتش' کے بتائے ہیں اور سامانی نے لکھا ہے کہ 'آذیش' بکسرۂ ذال معجمہ چوکھٹ کی لکڑی کے معنی میں ہے اور یہی شعر سند کے طور پر پیش کیا ہے اور اس تصحیح میں خواہ مخواہ کا تکلف کیا ہے ، حالانکہ اس طرح شعر سے کوئی مفہوم حاصل نہیں ہوتا۔ یہاں رشیدی کا بیان ختم ہوا۔

سراج المتقین نے سراج اللغات میں اپنی تحقیق یوں قلمبند کی ہے کہ مجدالدین علی قوسی نے یہی لفظ چوبِ آستانہ کے معنی میں لکھا ہے لیکن یہ معنی لیں تو انوری کا شعر اپنے رتبے سے گر جاتا ہے بلکہ مہمل ہو جاتا ہے ۔ اس لیے کہ اس طرح شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تیرے دروازے کی چوکھٹ کی حکومت ہو تو چوکھٹ کی لکڑی لکڑیوں کی

شعنہ بن جائے اور یہ عجیب سا کلام ہے جو ارباب بلاغت
تو کیا عوام کی زبان سے بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا ۔ اگر
یہاں 'آدیش' کے معنی آگ کے لیے جائیں جیسا کہ صاحبِ
جہانگیری نے بتایا ہے تو شعر کا مبالغہ بھی قائم رہتا ہے اور
در و بست کلام بھی ، چنانچہ جس شخص میں بلیغ الکلام
لوگوں کی عبارتوں کو سمجھنے کا سلیقہ ہوگا اُس پر یہ حقیقت
مخفی نہیں رہے گی ۔ اب اس راقم پر جو حقیقت از روئے تحقیق
واضح ہوتی ہے وہ چاہے کسی دوسرے قول کے خلاف ہو
بلکہ چاہے میرے ہی کسی قول کے خلاف ہو یہ ہے کہ لفظ
'آتش' تے کے کسرہ اور فتحہ دونوں سے صحیح ہے اگر قیاس
کسرہ ہی چاہتا ہے ، جیسا کہ لفظ 'چرا' میں کہ کسرہ اور فتحہ
دونوں صحیح ہیں اگرچہ از روی قیاس علمی کسرہ چاہیے ،
اس لیے کہ یہ لفظ 'چہ' کلمۂ استفہام اور 'را' بمعنی برائے سے
مرکب ہے اور (اس کے تلفظ میں) فتحہ بھی آیا ہے جیسا کہ
عراق عجم والوں کے لہجے میں رائج اور مشہور ہے ۔ تو پھر
'آدیش' بدال مہملہ بمعنیِ 'آتش' یعنی آتیش کا مبدل اور لفظ
اور ('آذیش') بذال معجمہ بمعنی چوبِ آستانہ وغیرہ اور لفظ ہوا
ہوا ۔ اس صورت میں سامانی اور جہانگیری کے درمیان سوائے
مثال کے فرق کے کوئی مخالفت نہیں رہتی ۔ عجیب بات یہ ہے
کہ قوسی نے اس شعر کا مصرعۂ اولی یوں درج کیا ہے :

گر شود مہر بر جنابِ تو گرم

اور اس کا کوئی ربط دوسرے مصرع سے نظر نہیں آتا ۔ سہو قلم معلوم ہوتا ہے ۔ یہاں حوالہ ختم ہوا ۔ صاحب **برہان قاطع** نے بھی 'آذیش' بذال معجمہ بمعنیِ چوبِ آستانہ وغیرہ الگ لفظ کے طور پر درج کیا ہے ۔ **شرفنامہ** اور **مدارالا فاضل** میں 'آدیش' بیایِ مجہول 'آتش' ہے ۔ **انوری** : شعر

گر کند چوبِ آستانِ تو الخ

مؤید الفضلا میں اور **کشف اللغات** میں بھی یونہی ہے اور یہ لفظ 'آدیش' تعظیم و تکریم کے معنی میں جس کا غالب مدعی ہے کسی فرہنگ میں اور دساتیر کے کسی جزو میں فقیر کی نظر سے نہیں گذرا ۔

(۳) آدر

برہان : 'آدر ، بفتحِ ثالث (یعنی دال کے فتحہ کے ساتھ) بروزنِ 'مادر' آذر کے معنی میں ہے یعنی آتش (آگ)

غالب : جب بتا دیا 'آدر' دال کے زبر سے ہے تو پھر 'بر وزنِ مادر' کیوں کہا اور یہ کہنا ہی تھا تو 'چادر' کہا ہوتا ۔ 'چادر' چھوڑ کر 'مادر' کو لے آنا بے حیائی ہے ۔ ہم ذرا ظریفانہ انداز میں بات کر رہے ہیں ۔ اس جملے کے معنی کہ 'آدر' بمعنی 'آذر ہے یعنی 'آتش' اہلِ علم جمع ہوں اور سمجھائیں ۔ کیا 'آدر' اور 'آذر' دو (الگ الگ) لغت ہیں ۔ اس لفظ کا بیان لغت نویس کے عقیدے کے مطابق یوں ہونا چاہیے تھا کہ 'آدر' 'آتش' کو کہتے ہیں اور اس لفظ کو دال منقوطہ سے بھی لکھتے ہیں ۔ پھر اس اسم 'آذر' بذال معجمہ کی بحث کے ضمن میں جو ایک مستقل فصل قائم کی ہے ضرورت سے زیادہ باتیں کی ہیں ۔ میں کہتا ہوں کہ 'آذر' ذالِ منقوطہ سے ہرگز نہیں ہے اور ایام و شہود کے ناموں میں جو 'آذر' ذال سے لکھا جاتا ہے ، وہ زایِ ہوز سے ہونا چاہیے ۔ جن لوگوں کو تحقیق کی پیاس ہے انہیں میرے قلم کی تراوش سے معنی پائی

کی سیرابی نصیب ہو ۔ بات یہ ہے کہ فارسی زبان میں (کہیں)
دو حرف متحدا لمخرج بلکہ قریب المخرج بھی نہیں آئے ہیں ۔
سین سعفص ہے ثای تخذ اور صاد مہملہ نہیں ہے ۔ تای قرشت
ہے ۔ طای حطی[1] نہیں ہے ۔ الف ہے عین نہیں ہے ؛ بلکہ غین
ہے قاف نہیں ہے ۔ پھر چونکہ زای ہوز ہے ، ضادِ ضدیت اور
ظایِ مناظرہ[2] نہیں ہے تو ذال ذلت کیوں ہو اور متحد المخرج
حروف کس طرح جائز ہو سکتے ہیں ۔ بات یہ ہے کہ فارس کے
اہل انشا کا دستور یہ تھا کہ دال ابجد پر نقطہ لگاتے تھے بعد
والوں کو غلط فہمی ہوتی وہ اسے ذال سمجھے۔ چونکہ اس خیال
کی بنا پر دال غیر منقوطہ کا وجود ہی نہیں رہتا تھا سب جگہ
ذالِ منقوطہ ہی رہ جاتی تھی ، بزرگانِ عرب نے ایک قاعدہ
مقرر کر دیا اور دال و ذال کے فرق کی بنیاد اس پر رکھی اور
یہ جو کچھ میں کہتا ہوں میری بات نہیں ہے بلکہ میرے
استاد کا ارشاد ہے جن کا نام شت‌ہرمزد تھا ۔ پارسی نژاد
دانشور تھے ساسانیوں کی نسل سے ۔ بڑا علم حاصل کیا اور
آخر دین اسلام اختیار کر لیا اور اب عبدالصمد نام رکھا ۔

۱ ۔ غالب نے دلچسپی کے لیے مکتب کا لفظ 'طای دستہ دار' لکھا ہے مراد یہی 'طای حطی' ہے ۔

۲ ۔ فارسی میں غالب نے مناظر لکھا ہے ۔ اردو میں غالب کا مفہوم ہم نے لفظ 'مناظرہ' سے ادا کیا ہے تا کہ جو تعریض مقصود ہے وہ اردو میں نمایاں ہو سکے ۔

بارہ سو چھبیس ہجری میں سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان آئے اور اکبر آباد میں کہ اسی مبارک شہر میں میرے وجود کی پیکرپذیری ہوئی اور میری خردآموزی کے دن گذرے دو سال میرے غمکدے میں فروکش رہے۔ میں نے معنیآفرینی اور دین وآئین یگانہبینی کا درس ان ہی سے حاصل کیا ہے۔ سبحان اللہ کیسے بزرگ تھے ان پر خدا کی رحمت ہو۔

شعر :

رشحِ کفِ جم می چکد از مغز سفالم
سیرابیِ نطقم اثرِ فیضِ حکیم است

مولوی احمد علی : (برہان قاطع میں اس لفظ کے) اعراب اظہار مزید احتیاط اور سدِ ابوابِ شک و تردید کے لیے ہے پھر اس اظہار کے باوجود وزن بتانا مزید توضیح، سہولتِ خفظ اور علمی روش کی رعایت کی غرض سے ہے اور (اس کے) مقابل جناب غالب کی ظرافت بہادر ان کی خاص خوبیوں اور ان کے آداب پسندیدہ میں سے۔ بہر حال ظرافت سے میں آگے بڑھتا ہوں اور اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ چونکہ 'آدر' بدال مہملہ قدیم لفظ ہے اور 'آذر' بذال معجمہ اس زمانے میں مشہور اس لیے اول الذکر کو آخرالذکر کے ذریعے واضح کیا اور مزید توضیح کے مقصد سے آخر میں بتایا کہ 'آتش' ہے اور معترض نے یہ جو کہا ہے کہ ذالِ تخذ کے تحت الکب

فصل میں بھی بیان کیا ہے اس کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ 'آدر' بدال مہملہ اور 'آذر' بذالِ معجمہ دونوں کا بیان اسی ایک فصل الف مع الالف (یعنی الف ممدودہ) میں ہے نہ کہ دو جداگانہ فصلوں میں جیسا کہ اس توضیح بعنوان 'تنبیہ' سے جو مویدِ برہان کے دیباچے میں کی گئی ہے ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ اصل زبانِ فارسی میں ذالِ منقوطہ کا ہونا یا نہ ہونا اہلِ لغت کے درمیان اختلافی مسئلہ ہے اور اس موضوع پر بڑی بحثیں ہیں۔ اس حقیر نے یہ تمام مواد 'فوائد احمدیہ' میں جو رسالہٗ عبدالواسع ہانسوی کا حاشیہ ہے تفصیل سے درج کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ رشیدی کہتا ہے:

"حق یہ ہے کہ ذال معجمہ بھی اصل فارسی زبان میں نہیں آئی ہے، وہی دالِ مہملہ ہے جسے متاخرین عجم جن کا عرب سے اختلاط ہوگیا ہے معجمہ کہتے ہیں۔ صاحبِ جہانگیری لفظ 'آدر' کے بیان میں کہتا ہے کہ اس فقیرِ حقیر راقمِ حروف کو ایک پارسی بوڑھا آدمی ملا جو زردشتی مذہب کا تھا اور اس کے پاس کتابِ ژند اور اوستا کے کچھ جز تھے۔ مجھے چونکہ تمام فارسی الفاظ سے دلچسپی اور شغف تھا اور بات یہ ہے کہ فارسی میں ژند اور اوستا سے زیادہ معتبر کتاب کوئی نہیں ہے الفاظ کی تحقیق کے لیے میں اس سے ملا کرتا کرتا تھا اور اکثر الفاظ جو اس کتاب کے خاتمے میں ژند اور

اوستا سے نقل ہوئے ہیں اس زر دشتی بوڑھے کی زبان سے ہیں ۔ وہ جب ژند پڑھتا تھا اور اس لفظ پر پہنچتا تھا 'آذر' دال غیر منقوطہ کے پیش کے ساتھ پڑھتا تھا ۔ وہ کہتا تھا کہ ژند اور اوستا میں یہ لفظ دال منقوطہ سے نہیں آیا ہے ۔ اسی طرح تمام لفظ جن میں 'آذر' آتا ہے جیسے آذر آبادگان ، آذر افروز ، آذر برزتن ، آذرخش ، آذرگون وغیرہ وہ دال مہملہ کے پیش کے ساتھ پڑھتا تھا ۔" حوالہ ختم ہوا ۔

اسی طرح ہر شمسی مہینے کا نام اور فارسی مہینوں میں سے نویں مہینے کا نام اور یہ وہ مدت ہے جس میں آفتاب برجِ قوس میں ہوتا ہے اور خزاں کا آخری مہینہ ہے اور تھوڑے سے فرق سے ہندی مہینے 'پوس' سے اس کی مطابقت ہے یہ بھی دال سے ہے ، وہ منقوطہ ہو یا غیر منقوطہ (یعنی لکھنے میں) لغتوں میں یہی لکھا ہے ۔

یہ جاننے کی بات ہے کہ 'آذر' چاہے 'آتش' کا دوسرا نام ہو چاہے دن اور مہینے کا ، تیسرا حرف (= الف ممدوہ الف یا الف) کے بعد کا حرف) اپنی لغوی اصل کے لحاظ سے پیش کے ساتھ ہے اور استعمال میں زبر کے ساتھ جیسا کہ صاحب جہانگیری نے بھی کہا ہے : "آذر ذالِ منقوطہ کے زبر کے ساتھ مشہور ہے اور جو کچھ اہل رصد و تنجیم نے تحقیق کر کے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ دال منقوطہ کے پیش کے ساتھ ہے ۔

یہاں مؤید برہان کے مولف نے مجالس العشاق سے شیخ آذری اور میرزا الغ بیگ کی گفتگو نقل کی ہے جس کے راوی خود شیخ آذری ہیں ۔ اس گفتگو میں زیر بحث موضوع کے لحاظ سے یہ بات قابلِ حوالہ ہے کہ آذری نے اپنے تخلص کا تلفظ ذال کے زبر سے کیا اور کہا کہ میں ماہِ آذر میں پیدا ہوا تھا اس نسبت سے میرا یہ تخلص ہے ۔ اس پر میرزا الغ بیگ نے ٹوکا اور کہا 'آذر' ذال کے پیش سے ہے زبر سے کہیں نہیں آیا (اس کے بعد مولف برہان لکھتا ہے) : تو معلوم ہوا کہ یہ لفظ دال منقوطہ یا ذال منقوطہ سے آیا ہے ۔ یہ دونوں صورتیں صحیح ہو سکتی ہیں تو معلوم کہ یہ لفظ دال یا ذال منقوطہ کے پیش سے آیا ہے اور دونوں صورتیں صحیح ہو سکتی ہیں دال کے زبر سے ہرگز صحیح نہیں ہے ، لیکن اکثر شعراً مثلاً حکیم انوری ، حکیم خاقانی اور کمال اسمعیل صفاہانی وغیرہ نے آذر ، ذال منقوطہ کے زبر کے ساتھ زر ، 'سر' وغیرہ کے ساتھ ہم قافیہ استعمال کیا ہے ۔ بہر صورت اس لفظ کے چار معنی ہیں (۱) آتش ، (۲) (ایرانی تقویم کا) نواں مہینہ ہر (ایرانی) مہینے کا نواں دن اور وہ فرشتہ جو روز آذر اور ماہِ آذر کے انتظام اور مصالح پر مؤکل ہے ۔ صاحبِ فرہنگ (جہانگیری) کا قول یہاں ختم ہوا ۔

ارباب تحقیق اپنے دل میں اچھی طرح سوچیں کہ شیخ

آذری قدس سرہ کے قول سے لفظ آذر ، میں ذال ثخذ کا وجود ثابت ہوتا ہے یا زای ہوز کا . اب میں دال یا ذالِ آذر کے فتحہ کے ثبوت میں (یعنی یہ دال مہملہ ہو تا معجمہ) چند اشعار لکھتا ہوں ۔ قدیم شعرا میں سے فخر الدین گرگانی نے مثنوی ویسہ (ویس) ورامین ، میں فرمایا ہے

چو ہستی یا فتند این چار مادر
ہوا و باد و خاک و آب و آذر

حکیم سنائی رحمہ اللہ ایک شخص کی مفلسی کے بارے میں فرماتا ہے :

دایہ او را بود کہ مادر نیست
مایۂ او جز آب و آدر نیست

کیا عجب ہے جو جامع لغات (برہان قاطع) نے 'آدر' دالِ مہملہ سے بر وزن مادر اسی طرح کے اشعار کو پڑھ کر لکھا ہے ۔ انوری اس مطلع کے قصیدے میں :

خوشا نواحیِ بغداد جای فضل و ہنر
کہ کس نشان ندہد در جہان چنان کشور

کہتا ہے :

جواب دادم کاے ماہ رویِ غالیہ مو
بہ آبِ دیدہ مزن ہر دلِ رہی آذر

خاقانی اس قصیدے میں :

صبح چون زلفِ شب براندازد
مرغِ صبح از طرب سر اندازد

فرماتا ہے :

ہم آن مرغ کاتش افروزد
خویشتن را در آذر اندازد

عبدالواسع جبلی (قصیدے کے اشعار ہیں) :

کہ دارد چون تو معشوقے نگار و چابک و دلبر
بنفشہ موی و لالہ روی و نرگس چشم و نسرین بر
ندارم در غم و جور و جفا و رنجِ تو خالی
لب از باد و سرا ز خاک و رخ از آب و دل از آذر

مولانا عمعقِ بخاری نے اس قصیدے میں :

الا اے مشعبد معنبر بخار بخوری تو یا گرد عنبر
ہمی رفتمے در چنین حال لرزان چوکتفِ یتیمان عریان در آذر

یہاں آذر ، بمعنی آذر ماہ ہے اور چند ابیات کے بعد

بحکمِ نیاگان او باز گردم
سیاوخش وار اندر آیم بہ آذر

یہاں بمعنی آتش ہے ۔

معلوم ہوا کہ 'آذار' بر وزنِ بازار جو ترکی مہینوں میں چھٹے مہینے کا نام ہے اور وہ مدت ہے جس میں آفتاب برج حوت میں ہوتا ہے اور ہندی میں یہ تقریباً چیت کا مہینہ ہے۔ یہ بات لغتوں میں درج ہے۔ حافظ: ع :

ابرِ آذاری برآمد بادِ نو روزی وزید

سلمان ساوجی : شعر :

آذار بزد آب رخِ آذر و کانون
وز دردِ سر دود امان داد جہاں را

یعنی ماہ آذار نے آگ اور آتشدان پر پانی ڈال دیا۔ لفظ 'آذر' جو فارسی مہینے کا نام ہے اور 'کانون' اور 'آب' جو ترکی مہینوں کے نام ہیں ایک دوسرا کی مناسبت سے آئے ہیں اور شعر میں صنعتِ ایہامِ موشح پیدا ہوگئی ہے۔ مولوی انورعلی نے رسالۂ املای فارسی میں لکھا ہے ''ابر اذری، بذال معجمہ بغیرِ الف کے اور 'ابر آزاری' زای ہوز سے، یہ دونوں غلط العام ہیں۔ 'ابر آزاری' ذالِ معجمہ سے جس کے بعد پھر الف ہے صحیح ہے، اس لیے کہ 'آذار' بہار کا مہینہ ہے اور 'آذر' خزاں کا مہینہ۔ حوالہ ختم ہوا۔ بہر حال زایِ ہوز جس پر غالب کو اصرار ہے یہاں تک کہ قاطعِ برہان کی اس عبارت میں ''در نام ماہ و روز کہ آذر بذال می نویسند ہمہ زایِ ہوز در کار است'' پہلے دالِ ابجد چھپی تھی پھر غلط نامے میں

اس کو زای ہوز کی صورت میں صحیح کیا گیا ۔ ثابت نہیں ہوتی ۔ در حقیقت 'آذر' میں اور دوسرے الفاظ میں جو اس قبیل کے ہیں دال مہملہ تھی ۔ متاخرین عجم دال و ذال کے فرق کا اصول نظر میں رکھتے ہوئے جس کا بیان دیباچے میں ہو چکا ہے اسے معجمہ کہتے ہیں ۔ اور ہاں ، 'آزر' حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و علیہ الصلواۃ والسلام کے باپ یا چچا کا نام زای ہوز مفتوح سے قرآن میں آیا ہے ۔ مؤلف فرہنگ جہانگیری نے اس لفظ کو عربی لکھا ہے اور فرہنگ رشیدی کے موئف نے اسے عبرانی بتایا ہے ۔ سعدی :
شعر :

ہنر بنما اگر داری نہ گوہر
گل از خارست و ابراہیم از آزر

غالب کی عبارت لفظ اکابر عرب ، سے آخر تک کوئی واضح بات نہیں بتاتی ۔ یا الٰہی عربوں کو فارسی زبان سے کیا واسطہ اور عرب عجم کے لیے قاعدے کیوں بنائیں۔ اگر عربوں کے بنائے ہوئے قواعد فارسی ہیں تو کہاں ہے غالب پیش کرے ۔ دال و ذال کے فرق کا قاعدہ جو محقق طوسی ، شرف الدین علی یزدی اور ابن یمین وغیرہ نے لکھا ہے اکابر عرب کا کیوں بتایا جائے ۔ اس موضوع کی باقی تحقیق لفظ پذیرفتن ، کے تحت آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ مولوی احمد علی نے

'پذیرفتن' کے تحت جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے (موید برہان صفحہ ۱۷٦) :

کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

مان لیا کہ 'پذیرفتن' سے متعلق مصدر اور اس کے مشتقات اور مرکبات میں سے بارہ لفظ لکھنا اختصار کی روش سے دور ہے ، (لیکن میں پوچھتا ہوں کہ) 'آذر' بمعنی اتش میں اور مہینے اور دن کے نام میں ، 'پذیرفتن' 'گذشتن' اور گذاشتن میں جمہور کے خلاف زای ہوز کا عقیدی رکھنا کونسی عقل و شعور کی بات ہے ؟ اہل لغت کے درمیان اس طرح کے الفاظ کے بارے میں اگر کوئی اختلاف ہے تو دال کے منقوط یا غیر منقوط ہونے کے بارے میں ہے اوبس چنانچہ اس موضوع پر کچھ باتیں میں نے دیباچے میں لکھی ہیں اور کچھ لفظ آذر وغیرہ کی بحث میں ۔ یہاں بھی جو باتیں ہیں وہ لکھتا ہوں ۔ رشیدی کے مولف اور صاحب بہار عجم نے لکھا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ان دو مقامات پر یعنی حرف صحیح متحرک کے بعد اور حرف علت کے بعد دال کو معجمہ اور مہملہ دونوں طرح پڑھتے ہیں ، بلکہ زیاد فصیح قدماے فارس کے نزدیک دال مہملہ ہے۔ شرف الدین علی یزدی نے حلل مطرز میں لکھا ہے کہ ان دو مواقع پر اہل فارس یعنی ایرانی ذال معجمہ اور اہل ماوراء النہر یعنی تورانی دال مہملہ استعمال کرتے

ہیں ، یہاں تک کہ 'گذشت' اور 'گذرد' کا تلفظ بھی دال مہملہ سے کرتے ہیں ۔ حوالہ ختم ہوا ۔ صاحب **فرہنگ جہانگیری** نے **دوازدہ آئین** میں کہا ہے ایسے الفاظ جن میں دوسرا حرف ذال معجمہ ہے مجھے ان پانچ لفظوں کے سوا نہیں ملے : 'بذیون' 'پذیرفتن، 'تذرو، 'گذاشتن' 'گذشتن' ۔

مخزن الفوائد کا مؤلف جس کا ماخذ اہل زبان کے رسائل ہیں لکھتا ہے کہ **ماوراء النہر کابلستان** ، **غزنین** اور **بلخ** کے باشندوں کے ہاں ذالِ معجمہ نہیں ہے ، یہاں تک کہ گذشتن ، گذاشتن اور پذیرفتن کا تلفظ دال مہملہ سے کرتے ہیں اور کسی فارسی لفظ کے شروع یا آخر میں ذال معجمہ نہیں آئی ہے ۔ مولوی عبدالرحیم **دہری** نے بھی **فرہنگ دبستان** میں کہا ہے کہ اس زمانے میں **ایران** ، **افغانستان** اور **ہندوستان** کے اکثر صحیح فارسی جاننے والے سوائے چند لفظوں کے جن میں ذال معجمہ بولتے ہیں ہر جگہ دال مہملہ استعمال کرتے ہیں ۔ **رشیدی** نے لکھا ہے کہ "حق یہ ہے کہ ذال معجمہ بھی اصل فارسی زبان میں نہیں آئی ہے ، دال مہملہ ہے اور متاخرین عجم جو عربوں کے ساتھ مخلوط ہو گئے ہیں ذال معجمہ بولتے ہیں ۔ حوالہ ختم ہوا ۔ اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ **غالب** کے استاد ہرمزد عبدالصمد کا قول کہ ذال معجمہ فارسی میں نہیں ہے اسی بنیاد پر ہو ، یعنی یہ کہ ذال منقوطہ نہیں ہے

غیر منقوطہ ہے ، جیسا کہ قدمائے فرس کے ہاں تھا اور اب اہل توران کے لہجے میں ہے ، نہ یہ کہ ذال تخذ کے بجائے زای ہوز ہے ۔

جناب غالب ! اگر استاد ہرمزد کا مقصد یہ نہ ہو بلکہ صاحب کی تحریر کے مطابق متاخرین کی ذال معجمہ کے بجائے دال ِ مہملہ نہیں رہی ہے بلکہ ہر جگہ زای ہوز چاہیے تو :

زین درس غلط بحث براستاد ِ تو دارم

یارو غالب کی اس اختراع کو بزرگان ہند نے بھی پسند نہیں کیا ۔ اب سے تقریباً دس سال پہلے جناب غالب کے قلم ِ حرف آفرین سے نکلے ہوئے چند رقعات فقیر کی نظر سے گذرے تھے ۔ ان میں سے ایک رقعے کی نقل یہ ہے: جناب مرزا صاحب والا مناقب ستودہ شیم مجمعۂ لطف و کرم زاد عنایتہ ۔ پس از اعلان ِ التزام شیوۂ تسلیم معروض اینکہ مجموعۂ نثرے کہ فرستادہ بودند از نظر گذشت و تا دیدہ بہ سواد ِ آن بیاض آشنا گشت حیرتے چند روی داد کہ توضیح ِ آن ضرور افتاد ۔ ہم درآن صحیفہ مندرجہ بودہ است کہ گذشتن و گذاشتن و پذیرفتن بہ زای ِ ہوز نوشتن غلطی املاست ۔ نکتہ شناسا غلطی ِ املا وقتے میتوان گفت کہ کاتب دانا بدان نباشد و سہو در تحریر افتد ۔ حال آنکہ تحقیق ِ مابرای ِ ما کافی و در نفس ِ خویش تمام است فقط ۔"

اس با صرار دعوے میں آسکی دلیل وہی ہے جو اس کتاب میں لفظ 'آدر' کے بارے میں بیان ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ فارسی زبان میں دومتحد المخرج حروف بلکہ قریب المخرج حروف بھی نہیں آئے ہیں۔ زای ہوز ہے، ض اور ظ نہیں ہیں دال کیوں ہو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل اپنی جگہ کامل کیا ہوگی کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ چاروں شفوی حرف یعنی ب، ف، م، و فارسی میں موجود ہیں اور اسی طرح ر، ل، خ، ک وغیرہ اور فارسی زبان میں حروف کا آپس میں تبادل اکثر صورتوں میں اسی اتحاد و قربِ مخرج کی بنیاد پر ہے اور غالب کی یہ دلیل تسلیم بھی کر لیں تب بھی پذیرفتن اور آذر وغیرہ میں زای معجمہ کا وجود لازم قرار نہیں پاتا اور دلیل دال مہملہ کے وجود کی بھی مالغ نہیں ہے۔ جو کچھ ان مذکورہ اقوال سے اور پیرزر دشتی اور استاد مسلم الثبوت شیخ آذری قدس سرہ کے قول سے جو لفظ 'آذر' کی بحث میں ہم فرہنگ جہانگیری سے نقل کر چکے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ آذر، پذیرفتن، گذشتن اور گذاشتن وغیرہ دال منقوطہ اور غیر منقوطہ دونوں سے صحیح ہیں اور زای ہوز سے مہمل اور قبیح، اور چونکہ غالب نے اس کتاب (قاطع برہان) میں بھی گاف کی فصل میں لکھا ہے کہ گذشتن، گذاشتن اور گذاردن سب زای ہوز سے ہیں۔

مناسب تر معلوم ہوا کہ ان الفاظ کی تحقیق بھی اسی جگہ بیان کر دوں ۔

یاد رکھنا چاہیے کہ 'گذشتن' بمعنی تجاوز کرنا ، عبور کرنا اور مرنا وغیرہ اور گذشتن و گزاردن ، بمعنی چھوڑنا اور گذرنے اور گذارنے کے معنی میں مصدر لازم اور مصدر متعدی دونوں صورتوں میں ذال ثخذ سے ہے۔ **جہانگیری، مجمع الفرس** سروری ، **برہان** ، **رشیدی** ، **بہار عجم** اور **نوادرالمصادر** میں یہی ہے ۔ گزاریدن ، قرض ادا کرنے وغیرہ کے معنی میں اور خواب کی تعبیر بیان کرنا ، کلام کی شرح کرنا ، بات کرنا ، تحریر و تصویر کے معنی میں زای ہوز سے ہے ، جیسا کہ **مویدالفضلا** ، مدار **الا فاضل** ، **جہانگیری** ، سروری ، **برہان** اور **رشیدی** میں ہے ۔ **رشیدی** ہانسوی نے **بوستان** کے اس شعر پر

خدا ترس باید امانت گذار

امین کز تو ترسد امینش مدار

لکھا ہے کہ 'گذار ، عام نسخوں میں ذال معجمہ سے دیکھا گیا ۔ یہ غلط ہے ۔ زای معجمہ سے ہونا چاہیے ، اس لیے کہ گذاردن ، بہ معنی ترک کرنا ذال سے ہے اور بہ معنی ادا کرنا زے سے ہے ۔ **مولوی عبدالرحیم** نے بھی **فرہنگ دبستان** میں یہی تحقیق درج کی ہے ، چنانچہ کہا ہے کہ ان دو لفظوں

'گذاشتن ، بہ‌معنی ترک کرنا اور گزاردن ، بمعنی ادا کرنا اور دوسرے الفاظ میں جو ان سے نکلے ہیں کتابت میں اکثر خلط ہوا ہے ، لیکن اچھی طرح یاد رکھنا چاہیےکہ 'گذارش' 'گذارہ' اور 'گذرنامہ' اور 'گذرندہ' اور 'گذارندہ' بمعنی راستے سے گذرنا اور پروانہ عبور او راستہ طے کرنے والا اور ترک کرنے والا یہ سب الفاظ ذال معجمہ سے ہیں اور 'گذشتن' یا 'گذاشتن' سے مشتق ہیں ، لیکن 'گزارش' 'گزار' گزر نامہ اور 'گزارندہ' ادا کرنے ، خواب کی تعبیر دینے ، تعبیر نامے اور جائے عبور کے معنی میں یہ عام الفاظ زای معجمہ سے 'گزاردن' سے ہیں - قول ختم ہوا - لیکن حکیم برہان نے ادا کرنے کے معنی میں گذاردن بذال معجمہ بھی لکھا ہے اور مولوی انور علی نے کہا ہے کہ 'گذاردن' بمعنی ادا کرنا غلط العام کی قبیل سے ہے جو ذال معجمہ سے بھی صحیح ہو سکتا ہے - اگرچہ اس کا ترک بہتر ہے مگر زای معجمہ سے زیادہ صحیح ہے - مؤلف غیاث اللغات نے سراج اللغات سے نقل کیا ہے کہ 'گذاردن' اور گذارش ، بہ معنی ادا کرنا زای معجمہ اور ذال معجمہ دونوں سے صحیح ہیں - حوالہ ختم ہوا - بہار عجم میں یہ الفاظ ادا کرنے کے معنی میں صرف ذال مخذ سے صحیح ہیں - خان آرزو نے سراج اللغات میں اور ٹیک چند بہار نے لوادرِ المصادر میں یہ بتایا ہے کہ' گزاردن ،

زای معجمہ سے 'ادا کرنا' کے معنی میں ہے، لیکن بعض اساتذہ کے کلام سے جنھوں نے اس لفظ کو ادا کرنا اور ترک کرنا بیک وقت دونوں معنی میں بطورِ ایہام استعمال کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس معنی میں بھی ذال معجمہ سے ہے نہ کہ زے سے واللہ اعلم۔ حوالہ ختم ہوا۔ مؤلف مجمع الصنائع نے صنعت محمل الضدین کی مثال میں یہ شعر لکھا ہے:

دید چون محرابِ ابروی بتانِ عشوہ ساز
جایِ آن دارد کہ شیخ شہر بگذارد نماز

اور شارح یمینی نے اس پر لکھا ہے کہ لفظ 'بگذارد' دو معنی دیتا ہے، اس لیے کہ 'گزاردن' بمعنی ادا کرنا نیز بمعنی۔ ترک کرنا استعمال ہوا ہے اور لفظ 'بتان' اس بات کی تائید کرتا ہے الفاظ 'جایِ آن دارد' کے بھی دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ محراب ابروی بتان وہ جگہ ہے جو نماز ادا کرنے کے قابل ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مقام ہے جہاں نماز ترک کر دیتے ہیں۔ حوالہ ختم ہوا۔ ان اقوال سے ثابت ہوا کہ 'گذشتن' ہر معنی میں اور گذاشتن، اور 'گذاردن' اور 'گذاریدن' بمعنی ترک کرنا متفق علیہ طور پر ذال ثخذ سے ہیں اور 'گذاردن' بہ معنی ادا کرنا مختلف فیہ ہے، بعض کے نزدیک فقط زای ہوز سے صحیح ہے اور بعض کے نزدیک زے اور ذال دونوں سے درست ہے اور بعض کی رائے میں صرف ذال ثخذ سے صحیح

ہے - لیجئے یہ ہے حقیقت غالب پر حیرت ہوتی ہے کہ ان ہی چار پانچ مشہور لفظوں میں یعنی آذر ، پذیرفتن ، گذشتن ، اور گذاردن میں زای معجمہ لکھتا ہے اور اس پر اسے اصرار ہے اور دوسرے الفاظ کی صورت میں جیسے 'آدرم' وغیرہ جنھیں اہل لغت نے دال مہملہ اور ذال معجمہ دونوں سے لکھا ہے اپنے اس عقیدے سے کہ ہر ذال مخذ کے بجائے زای ہوز سے پھر جاتا ہے اور ہماری راے اور تحقیق کی رو سے ایک بیان کردہ صورت کے مطابق دال مہملہ سے صحیح جانتا ہے۔
یہ سب اس وجہ سے ہے کہ حضرت غالب پر نفس غالب آگیا اور اس نے ابھارا کہ اپنی شہرت کے لیے علمِ لغت میں کچھ اختراع کرکے دکھائے ، چنانچہ کثیر الاستعمال الفاظ میں جیسے 'آذر' 'پذیرفتن' 'گذشتن' اور 'گذاشتن' جو ذالِ معجمہ سے مشہور ہیں ایک اور ہی حرف نکال لیا اور لوگوں کی سماعت اور طبیعت پر بار گذرنے اور کریہ محسوس ہونے کے خوف سے زای معجمہ کو ذال کا قریب المخرج قرار دیا، لیکن اور دوسرے لفظوں میں جو زیادہ عام نہیں ، قلیل استعمال ہیں اور ان میں (دال لانے سے) کراہت و نفرت کا چنداں خوف نہیں ، دو صحیح شقوں میں سے ایک کو صحیح مان لیا یعنی دال مہملہ کو ، حالانکہ یہ اس کے عقیدے کے خلاف تھا۔
پھر اپنے قول کی پاسداری کے لیے دوسری صحیح صورت یعنی

ذال معجمہ کو ناروا ٹھہرایا ۔ اس شخص کی بدلفسیاں دیکھو
کہ اپنے ظالم نفس کی آسودگی کی خاطر طالبانِ تحقیق کی راہ
میں کیسے کانٹے بچھا دیے ۔ اور حق کی باتوں کو باطل کے
پردے میں چھپا دیا **لا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔**
یارو معلوم نہیں غالب لفظ 'گنبد' کے بارے میں جو ذال
معجمہ سے مشہور ہے کیا فرماتے ہیں ؟ اگر دال مہملہ کی
طرف آتے ہیں تو فہوالمراد اور اگر اپنے زعم باطل کی پیروی
میں زای معجمہ تجویز کریں گے تو لفظ کا خون کرینگے اور
جاننا چاہیے کہ اس کا عذاب اُس کی گردن پر رہے گا کہ لفظ
کاغذ بھی 'گنبد' وغیرہ کی طرح اصل فارسی زبان میں دال
مہملہ سے ہے ۔ اور کاغذ ذال منقوطہ سے معرب ہے ۔ نظامی
ہفت پیکر میں فرماتے ہیں :

شعر :

زر فشان سوئِ زرد گنبد شد
از یکے خوشدلیش تا صد شد

شیریں و خسرو میں بھی ہے :

شعر :

میان دربست شیرین پیشِ موبد
به فراشی درون آمد به گنبد

سعدی رحمۃاللہ شعر :

پرتوِ نیکان نگیرد ہر کہ بنیادش بداست
تربیت نا اہل را چونِ گرد گان برگنبد است

نظامی علیہ الرحمہ : شعر :

بہ شاپور آن ظن او را بد نیفتاد
نقطہ زد گرچہ برکاغد نیفتاد

مولوی روم قدس سرہ : شعر :

گر نویسم شرح این بیحد شود
مثنوی ہفتاد(۱) تا کاغد شود

صحیفہ شاہی میں ہے : قطعہ :

اگر آہے بر آرم از فراقت
جہاں از آتش بیحد بسوزد

وگر حرفے نویسم از غم ہجر
قلم در گیرد و کاغد بوزد

دال و ذال کے مسئلے پر متعلق مولوی احمد علی نے مویدبرہان کے دیباچے میں جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے :

قاعدہ تفرقہ دال و ذال مولف شرف نامہ نے کتاب کے دیباچے میں ایک فصل میں جس کا عنوان ہے فی الفرق

---

۱ ۔ موید برہان میں یونہی ہے بجائے ہفتاد من ،

بین الدال و الذال فی کلام الفرس لکھا ہے کہ صدر الحکماء
حکیم کرمانی کی مجلس فیض سے اس خوشہ چین معانی اور
زلہ بردار خوان فضائل کو ایک دن یہ قطعہ عطا ہوا :

در کلام (۱) فارسی فرقے میان دال و ذال
بشنود اسپ فصاحت را بدین منوال ران

ہر کجا ماقبل او ساکن بہ حرف علتے ست
ہمچو باد و بود و بیدو دید آنرا ذال‌خوان

لہذا اساتذہ نے جو ارباب فضائل و معانی ہیں عود و
وجود ، عید و جید ، بود و دود ، اور دید و شنید کو ہم‌قافیہ
استعمال نہیں کیا ہے ، بلکہ رسید و کشید اور نیند و اریذ باندھا
ہے ۔ ابراہیم قوام فاروقی نے جو حاکمان معانی و فضائل کا خادم
ہے ۔ اس کتاب شرفنامے میں اساتذہ علم لغت کی پیروی اور
پابندی کو ترک نہیں کیا ہے اور شعر و غزل میں اسلاف کی
روشن روایت سے ذرا منحرف نہیں ہوا ہے اور تجاوز نہیں کیا
ہے ، اگرچہ بعض اساتذہ اس بات سے ہٹ گئے ہیں ۔ حوالہ
ختم ہوا ، مولف شرفنامہ نے یہ جو کہا ہے لہذا اساتذہ نے
جو ارباب فضائل و معانی ہیں الخ تو

۱ ۔ موید میں یہ لفظ 'اسپ' لکھا ہے ۔

میں کہتا ہوں کہ اکثر شعرائے متقدمین کے کلام میں مثلاً
فردوسی ، **نظامی** ، **انوری** ، **خاقانی** اور **سعدی** رحمۃ اللہ علیہم
کے ہاں میں نے اس بات کی پوری پوری رعایت دیکھی ہے ۔
ہاں بعض قدما کے کلام میں جیسے **خسرو** ، **جامی** اور جامی
کے بعد شعرا کے ہاں بود و دود ، باد و داد ، رسید و کشید ،
یہ قافیے مقصود و محمود ، عماد و مراد ، حمید و سعید کے ساتھ
میں نے بہت دیکھے ہیں ۔ پھر مؤلف **شرفنامہ** کا یہ کہنا ہے کہ
"ابراہیم **فاروقی** نے... ہٹ گئے ہیں" میں کہتا ہوں کہ
شرفنامے میں اور **مجمع الفرس سروری** میں باد و بود اور دید
وغیرہ الفاظ کے لیے اور برد و بند وغیرہ الفاظ کے لیے ہر باب
میں دو فصلیں دال مہملہ اور ذال معجمہ کی الگ الگ قائم
کی گئی ہیں ۔ **شرح سروری** میں ہے کہ با مداد ذال‌معجمہ سے
فصیح ہے ۔ **ابن یمین** کہتا ہے :

در زبانِ فارسی فرقے میانِ دال و ذال
یادگیر از من کہ این نزد افاضل مبہم است
پیش‌ازو در لفظ مفرد گر صحیحِ ساکن است
دال خوان آنراو باقی جملہ ذالِ معجم است

حوالہ ختم ہوا **تحفۃ العراقین** **خاقانی** کے حاشیے میں اس قطعے
کا مصرع ثانی یوں لکھا ہے :

باتو گویم روشن ارچہ پیش تو بس مبہم است

رشیدی نے یہ قطعہ شرف الدین علی کا بتایا ہے ۔ مولف جہانگیری نے لکھا ہے کہ دال و ذال کا فرق اس طرح کرنا چاہیے جیسے خواجہ طوسی نے نظم کیا :

آنانکہ بہ فارسی سخن می رانند
در معرض دال ذال را بنشانند

ما قبل وے ار ساکنِ جزوای بود
دال است وگرنہ ذالِ معجم خوانند

ابن یمین نے کہا ہے :

تعیین دال و ذال کہ در مفردے فتد
ز الفاظِ پارسی بشنو زانکہ مبہم است

حرفِ صحیحِ ساکن اگر پیش ازو بود
دال است و ہرچہ ہست جز این ذالِ معجم است

انوری کی یہ رباعی بھی یہی اصول بتاتی ہے :

دستت بہ سخا چون ید بیضا بنموذ
از جودِ تو بر جہان جہانے افزوذ

کس چون توسخی نہ ہست ونہ خواہد بوذ
گو قافیہ دال شوز ہے عالم جود

لیکن بہت مطالعے اور تلاش کے بعد پتہ چلا کہ یہ حکم کلیہ نہیں ہے ہاں اکثر ایسا ہوتا ہے ، حوالہ ختم ہوا ۔ یہی رشیدی وغیرہ میں بھی ہے ۔ اس قاعدے کے مطابق آذر ، با مداد اور

'ذود، 'دید، وغیرہ اور 'پذیرفتن، 'گذشتن، 'تذرو، وغیرہ صرف ذال معجمہ سے صحیح ہونگے ۔ ملک‌الشعرآ انوری کی اس رباعی میں 'دستت بہ سخا، الی آخرہ ظاہر ہے کہ لفظ جود عربی ہے اور اس فارسی قاعدے کا ساتھ نہیں دیتا ۔ اس لیے یہ لفظ بوذ ، بنوذ اور افروذ کا جو ذال معجمہ سے ہیں ہم قافیہ نہیں ہو سکتا تھا اور قافیے کا عیب 'اکفا، اس میں لازم آتا تھا لیکن چونکہ شاعر نے استعمال کیا ہے اس لیےعیب ہنر میں بدل گیا ۔

یہ خیال کرنا صحیح نہین کہ لفظ 'نمود، 'افزود، 'بود، اس رباعی میں دال مہملہ ہے ، اس لیے کہ اس صورت میں شاعر کا قول گو قافیہ دال شو ، مہمل ہو جاتا ہے ۔ یاد رکھنا غلطی نہ کرنا ۔ اس قاعدے پر ان اشعار کی بنیاد ہے :

سلیمانِ ساوجی : شعر :

از اثرِ بویِ کشِ طبعِ تو
بادِ صبا نافۂ بستان کشاد

اس میں رقطا ہے

اسی طرح لطف اللہ نیشاپوری کا یہ شعر ہے :

اثرِ وصفِ غمِ عشقِ خطت
ندہذ خط کسے جز بہ ضلال

اس میں صنعت جامع الحروف ہے ۔ پہلے شعر میں 'باد، و 'کشاد، اور لفظ 'ندہذ، دوسرے شعر میں ذالِ مخذ سے ہے ۔

ورنہ صنعت نہیں رہے گی ۔ جیسا کہ اہل علمِ بدیع کی نظر پر
پوشیدہ نہیں ۔ اکثر اہلِ لغت اور اہلِ نحو اس فرق کو مانتے ہیں
اور رشیدی نے اور مولف بہار عجم نے لکھا ہے صحیح تر یہ ہے
کہ ان دو مقامات پر یعنی حرفِ صحیحِ متحرک کے بعد اور
حرفِ علت کے بعد معجمہ اور مہملہ دونوں پڑھتے ہیں بلکہ
زیادہ قدمائے فارس کے نزدیک دال مہملہ ہے ۔ شرف الدین علی
یزدی نے حلل مطرز میں لکھا ہے کہ ان دو موقعوں پر اہل
فارس یعنی ایرانی ذال معجمہ سے اور اہل ماوراء النہر یعنی تورانی
دال مہملہ استعمال کرتے ہیں ، یہاں تک کہ 'گذشت' اور
'گذرد' کو بھی دال مہملہ سے ادا کرتے ہیں ۔ رشیدی نے یہ
بھی لکھا ہے کہ بعض اہل تحقیق و تتبع کے نزدیک ذال
معجمہ فارسی زبان میں نہیں آئی ہے اور جہاں پائی جائے وہ
دراصل دال مہملہ ہے ، چنانچہ آذر جو ذال معجمہ سے مشہور
ہے دراصل دال مہملہ سے ہے اور قدما کے ہاں یہی زیادہ فصیح
ہے اور ایک دوسری جگہ یہ بھی کہا ہے کہ حقیقت یہ ہے
کہ ذال معجمہ بھی اصل فارسی زبان میں نہیں آئی ہے بلکہ یہ
دال مہملہ تھی اور متاخرین عجم جو عربوں کے ساتھ مخلوط
ہو گئے ہیں معجمہ بولتے ہیں ۔ حوالہ ختم ہوا ۔ چونکہ یہاں
قدما سے وہ سلف مراد ہیں جو عرب اور عجم کے اختلاط سے
پہلے تھے جیسے زردشت ، ساسان پنجم اور اس سے پہلے کے لوگ

کیونکہ اس زمانے تک فارسی زبان خالص تھی ۔ متاخرین سے
مراد بعد کے اہل عجم ہیں جو اہل عجم پر عرب کے تسلط اور دونوں
زبانوں (عربی اور فارسی) کے اختلاط سے پہلے ہوتے ہیں، جیسے
رودکی، عنصری، فردوسی اور اس کے بعد کے اہل سخن، کیونکہ
اس عہد میں فارسی زبان عربی کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہے ۔
جیسا کہ ان دونوں زمانوں کے بزرگوں کے کلام سے ظاہر
ہے ۔ عرب و عجم کے اختلاط کے بعد عربی زبان کے خاص
حروف صاد ، طوئے ، ذال وغیرہ فارسی زبان میں داخل
ہوگئے ۔ اس طرح الوری وغیرہ بھی جنھوں نے دال و ذال
کا فرق ملحوظ رکھا ہے ، جیسا کہ بیان ہوا، متاخرین میں سے
ہیں ۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر میں نے اپنے رسالے فوائدِ
احمدیہ میں جو رسالہ عبدالواسع ہانسوی کا حاشیہ ہے تفصیل
سے بحث کی ہے ۔

آرا

مولوی احمد علی : آرا—وزن : خارا ، معنی : آرایش
(مؤید الفضلاء و مدار الافاضل وغیرہ)

نیز :

(ملا سروری کاشانی ۔ سند :

نمی باید بر افزودن اگر مشاطۂ فطرت
جمالے را بزیبائی نگارے کرد و آرائے

نیز رشیدی— ع

جمالے را بزیبائی نگارے کرد و آرائے

اس لفظ کی بحث میں ضمناً مولوی احمد علی نے امر کے اسم فاعل (سماعی) ، اسم مفعول (سماعی) اور حاصل مصدر کے طور پر استعمال ہونے کی حسب ذیل مثالیں دی ہیں :

اسم فاعل : (۱) دزد از دزدیدن

(۲) زار بمعنی گریہ کنندہ از زاریدن (سند :

ہر طرف بانگ بلبلان برخاست
مرغ در مرغزار زار آمد)

اسم مفعول : (۱) گزین بمعنی گزیدہ

(۲) ساز بمعنی چیزے کہ بہ ہندی باجہ گویند ، مشتق از ساختن بمعنی لواختن

حاصل بالمصدر : (۱) آرای بمعنی آرایش

(۲) سوز بمعنی سوزش

(۳) فروز بمعنی روشنی کہ فروغ مبدّل آنست ۔

آخر میں مولوی احمد علی نے لکھا ہے : 'آرا' ب کے بغیر مصدر ، فاعل اور امر تینوں معنی میں ہے اور 'بیارا' شروع میں ب کے اضافے کے ساتھ صرف امر ہی کے معنی میں ہے اور اس سے زیادہ مشہور ہے اور زیادہ مشہور لفظ کے ذریعے کسی لفظ کی تشریح کرنا [اہل لغت کا] معمول ہے ۔ اس لیے یہ تشریح تعریف الشی بنفسہ کی نوعیت کی ہے اور چونکہ آرایش کن میں فاعلیت کا احتمال تھا اور یہاں مقصود امر تھا اس بنا پر جامع لغات [مؤلف برہان قاطع] نے اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے 'بیارا' بطور عطف تفسیری بڑھایا جس کے معنی امر کے سوا کچھ اور نہیں ہیں ۔ پھر چونکہ فاعل اور مصدر والے معنی امر کے سوا ہیں اس لیے یہ سوال کہ آیا آرا کے معنی امر کے سوا بھی کچھ ہو سکتے تھے محض بیجا ہے ۔

آرازش

برہان : "آرازش' زای ہوز کے زیر سے "آرایش" کے وزن پر خیر و خیرات کرنے اور راہِ خدا میں کسی کو کچھ دینے کے معنی میں ہے -

غالب : خیرات و ایثار کے معنی میں 'ارزانش' ہے 'پردانش' کے وزن پر جیسا کہ خود (مؤلف برہان قاطع) الفِ مقصورہ با رایِ قرشت کی فصل میں لکھتا ہے : 'آرازش' لفظ دکن کی فکر بکر کا مولود ہے -

مولوی احمد علی : قدیم فرہنگوں کے نقاد سراج المحققین فرماتے ہیں کہ "آرازش رای مہملہ اور زای معجمہ سے آسایش کے وزن پر بمعنی خیر و خیرات مذکور ہے (حوالہ ختم ہوا) تو پھر برہان کا طبع زاد نہیں اور 'آرازش، اور 'آذرم، قاطعِ برہان میں (سہواً) تقدیم و تاخیر سے چھپا ہے -

اروند–ت : بالقصر و بالمد ، - ل/ر ، مث الوند/اروند :

الوند/آلوند' (جو) ، نیز :

"ا/آ مث اداک/آداک بمعنی جزیرہ وغیرہ"

بع ، ر) ∴ آروند -

"اراوند/اروند" (ج ، ش ، مد ، مو وغیرہ) ۔
"دروند مضموم الاول بمعنی بدمذہب و فاسق ، مث درود از ما بہ بہدین خردمند کہ دورست از و آئینِ دروند۔ از زراتشت بہرام" (ج) ۔
"اروند مضموم الاول" (فد) ۔

م : "عین" (ب) مث "ہستی و یکتائی و کسی و سراسر فروزہہا اروندِ گوہر اوست و ازو بیرون نیست" (ترجمہ فقرہ پنجم از دساتیر مہ آباد) یعنی وجود و احدیت و ہویت ودیگر صفتہا عینِ ذاتِ اوست و غیرِ او نیست ''' اروند کے معنی بسیط کے ثابت ہوتے ہیں یا غالب جہلِ مرکب ثابت ہوتا ہے ؟ اُس کی عبارت فہمی اور دساتیردانی ظاہر ہوتی ہے یا بزعم خود ادعا اور نادانی ۔ اس کے علاوہ یہ بھی محل نظر ہے کہ 'اروند، کے معنی حمد کے ہیں ۔ صراح اور منتخب وغیرہ میں حمد کے معنی ہیں وہ ذات جس کی طرف مہمات میں رجوع کریں اور یہ لفظ بے نیاز کے معنی میں بھی آیا

ہے نہ کہ 'اروند' کے معنی میں ۔

آوند—د/گ ، مث اورند/اورنگ بمعنی اریکہ ، آوند/
آونگ(ر ،س اوندبفتحتین و،فر، مد) بمعنی رسنِ
رخت و انگور ؛ ت : آوندبالمد (مد،مو) بمعنی
اوانیِ خانہ و تخت و شطرنج (قن ، قد ، مو)
ت اوِند و آوِند بکسرِ واو بمعنی نخست
(مد ، مو) "ت : آوند با واوِ مفتوح ،
(۱) م : دلیل و برہان ، س :

چنین گفت با پہلوان زالِ زر
چو آوند خواہی بہ تیغم نگر

(۲) م : ریسانی کہ خوشہ ہایِ
انگور ازان بیاویزند و جامہ بر زیرِ آن
بیندا زند ، آوند/آونگ ،

بر بسترِ غم خفت حسودِ تو چنان زار
کش تن شود از تار

قزاگندِ شکستہ (سوزنیِ سمرقندی) ، (۳)
م : طرف وانا ، اوند بکسرِ واو/اوند بفتحِ
واو، (۴) م : تخت و مسند ، (۵) م : شطرنج
(٦) م : نخست و اول" (جہ) ،
"ت : بر وزنِ آگند ، (۱) م : کوزۂ آب ، (۲)

م : برہان مث چنین گفت با پہلوان الخ (فردوسی)" "م : سائر ظروف و اوانی ، مث شود ہر سفالے کہ آوند ِ مے بروما بہتر از تاج کے" (سو) ۔ "م(۱) : تختوشطرنج ،(۲) م : ریسمانے کہ ازان رخت و انگور وغیرہا آویزند ، مث : بر بستر ِ غم الخ (سوزنی)" (جہ) "م : آزمایش، (بعضے از قول ر) ۔ "آورند نہ آوند ، م : تخت و مسند ، آوند بمعنی شطرنج سند میخواہد ، م : ظرف آب و جز آن مرکب = آب + وندکہ کلمہٗ نسبت است کہ گاہی افادۂ ظرفیت کند ، آوِند بکسر ِ واو چنانکہ در برہانست حساب ندارد" (سر) ۔ اوِند بکسر واو ، م : اوانی" (مد ، مو) ، نسبت ِ کسرہ بہ برہان یعنی چہ ؟ آوندی بروزن ِ راوندی بمعنی مطلق ِ ظرف مثل ارمغان و ارمغانی = آوند + ی بیک فرد ِ آن کہ ظرف ِ شراب باشد خاص کردہ اندث تاسند ِ معتمد بدست نیاید مسلّم نمیتوان داشت و من این لفظ راجز درہفت اقلیم ندیدہ ام ۔

آواز گشتن آوازہ گشتن

برہان :

'آواز گشتن، 'شہرہ شدن، اور 'مشہور گردیدن، کے معنی میں ہے - (برہان قاطع میں آگے جا کر یہی معنی 'آوازہ گشتن، کے لکھے ہیں -)

غالب :

'بلند آواز گشتن' بمعنی شہرت مسلّم - صرف 'آواز یا آوازہ گشتن، بمعنی شہرت مشہور نہیں - نہ میں نے سنا ہے نہ کسی نے سنا ہوگا -

مولوی احمد علی :

دوستو آپ کے خادم احمد نے اور دوسرے مطالعہ کرنے والوں نے 'آواز گشتن، بمعنی مشہور گردیدن سنا ہے اور فخرالدین گرگانی کی مثنوی 'ویس و رامین' میں دیکھا ہے - [فرہنگ] جہانگیری کے خاتمے میں مرقوم ہے : ""آواز گشتن، بمعنی شہرہ و سمر گشتن باشد - فخر گرگانی - شعر :

اگر نومید ازین در باز گردم
بزشتی در جہان آواز گردم

ہم او گوید ۔ شعر :

گہے گفتے ہم اکنون باز گردم
بہل تا در جہان آواز گردم"

حوالہ ختم ہوا ۔ سراج [اللغات] میں ہے : "آوازہ گشتن، بمعنی مشہور شدن" اور صاحبِ بہارِ عجم نے لکھا ہے : ""آواز' مطلقِ صوت است و بمجاز صوتِ بلند را گویند و بمعنی مشہور و متعارف نیز مجاز ۔ فخر گرگانی ۔ شعر :

اگر نومید ازین درالخ

و 'آوازہ' صیت و شہرت و (آوازہ شدن) بمعنی مشہور و متعارف شدن ۔ خاقانی در مدحِ سلطان محمد ابن محمود فرماید ۔

شعر :

چترش فلک المحیط خوانند
تختش بہ محّل عرش دانند

آوازہ شد اندرین کہن فرش
کا لسلطان استوی علی العرش"

اس لیے غالب جھوٹ بولتا ہے کہ 'آواز گشتن' بمعنی مشہور گردیدن کسی نے نہ سنا ہوگا ۔ ہاں اتنی بات ٹھیک

ہے کہ خود اُس نے نہیں سنا ہے ۔ یہاں بھی برھان کے بیان میں غالب نے اپنی عبارت کو دخل دیا ہے[۱] ۔

۱ ۔ یہ اشارہ اُس جملے کی طرف ہے جو اوپر برہان کے قول کے تحت آیا ہے ، یعنی جملہ جسے ہم نے ترجمے کی صورت میں قوسین میں درج کیا ہے ۔

آینہ دار

برہان :

'آینہ دار و آئینہ دار' سرتراش اور حجام کو کہتے ہیں ۔

غالب :

کہاں آینہ دار کہاں حجام ۔ آئنہ دار اُسے کہتے ہیں جس کی تحویل میں آینہ اور شانہ [کنگھی یا کنگھا] ہوتا ہے ۔ جب آقا ہاتھ منہ دھوتا ہے تو شانہ و آینہ پیش کرتا ہے کہ آئینے میں منہ دیکھے اور بالوں میں کنگھی کرے ۔ اس کو بھی چھوڑو یہ دیکھو کہ حجام کو سرتراش کہنا ہے ۔ حق بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور جو کئی سال تک سامنے آتا رہا ہو خواہ مخواہ اُس کے پیچھے نہیں پڑ سکتے ۔ جو سر کے بال مونڈتا ہے اُسے حجام نہیں کہتے ، البتہ صرف عرفِ عام میں ایسا ہے ۔ میں نے مانا کہ جمہور کے اجماع کو مسلّم قرار دیا جا سکتا ہے ، لیکن سرتراش کے بارے میں کیا حکم ہے ؟ حجام غریب سر کے بال مونڈتا ہے سر تو نہیں کاٹتا ۔ سر تراش جلاد کی صفت ہو سکتی ہے نہ کہ

حجام کی - اربابِ بلاغت کی تحریروں میں بھی ایک دو جگہ میں نے دیکھا ہے کہ سرتراش مزین کے ترجمے کے طور پر آیا ہے اور یہ نہایت قلیل الاستعمال ہے - گویا لفظ 'موی' حذف کر دیا ہے اور 'سر' سے مراد 'موی سر' ہے - بہر حال حجام کو 'گرا' کے معنی میں ہم نے مان لیا اور اسے 'سرتراش' کہنا بھی جائز جان لیا - یعنی حجام اور سرتراش اور مزیّن اور گرا ایک ہیں ، مگر یہ چاروں نام پیشے کے لحاظ سے ہیں اور آینہ داری ایک منصب اور خدمت کے - ہرگز حجام کو آینہ‌دار اور آئینہ دار کو حجام نہیں کہہ سکتے - منصب کو پیشے سے کیا تعلق ہے ؟

مولوی احمد علی :

متقدمین کے معانی اور متأخرین کے محاورات سے باخبر ہونا ہمہ‌دانی کی شرط ہے ورنہ زہے دعوایِ زباندانی - **جہانگیری** ، **رشیدی** اور **سراج** وغیرہ میں مرقوم ہے : "آئینہ دار کنایہ از سرتراش و حجام" اور صاحب **بہارِ عجم** اور صاحبِ مصطلحات الشعرأ نے کہا ہے کہ "آئینہ دار دراصل بمعنیِ سرتراش و حجام است امّا در عرفِ حال کسی کہ آئینہ پیش رو گذارد" حوالہ ختم ہوا -

سرتراش کے معنی میں آئینہ دار کی مثال - **کمال خجندی** نے کہا ہے :

ع موی کسان چو آینہ‌داران بہ جد گرفت

لفظ حجام جو عربی میں فصد کھولنے کے معنی میں ہے فارسی میں حلاق اور موتراش کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ صاحب غیاث کہتا ہے کہ حلاق کو حجام اس لیے کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں یہ لوگ فصد بھی کھولتے تھے۔ حضرت نظامی قدس سرّہ السامی نے مخزن اسرار میں خلیفہ اور حجام کی حکایت میں کہا ہے جس کا پہلا شعر ہے:

موی تراشے کہ سرش می سترد
موی بہ مویش نعمے می سپرد

فرماتے ہیں:

چون قدم از منزل اول برید
گونۂ حجام دگرگونہ دید

چون قدم از کنج تہی ساز کرد
کابۂ حجامیِ خود باز کرد

ایک دوسرے شاعر کا شعر ہے:

حجام قطعِ دستِ تو امروز لازم است
اصلاح دادۂ خطِ پروردگار را

لفظ 'سرتراش، مجازاً 'موتراش، کے معنی میں کثیرالاستعمال ہے اور اسی لیے 'سر تراشیدن، بمعنی 'سرستردن، اور 'تیغ سر

تراشی، بمعنیِ موسی واسترہ مستعمل ہے۔ کذا فی بہار عجم و نفایس اللغات۔ **سعدی**۔ شعر :

ز شوخی و مردم خراشیدنش
فرح دید در سر تراشیدنش

حافظ شعر :

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

غنی کشمیری شعر :

صدایِ استرۂ اوست بسکہ شعر انگیز
ز سر تراشیِ او پای می جہد از خواب

محسن تاثیر ع :

شمشیر را نسازد کس تیغِ سرتراش

شفائی - ع :

بینیت بہ تیغِ سر تراشی ماند

جب کسی معنی کو چاہے وہ مجازی ہو کثرت استعمال حاصل ہو جاتی ہے تو اس میں کوئی غرابت نہیں رہتی۔ **غنی کشمیری** کی ایک مختصر مثنوی ہے حجام کی تعریف میں۔ جس میں اس لفظ کے دونوں معنی کی رعایت رکھی گئی ہے۔ چونکہ لطف سے خالی نہیں اس کے چند شعر لکھتا ہوں۔

مثنوی :

مرابرتن زبانے گشت ہر مو
شدم در وصفِ حجامے سخن گو

کلاہ از نخوتِ شاہان ربودہ
سران را زیر دستِ خود نمودہ

بہ او آئینہ بستہ چشم امید
ز پہلویش زدہ پہلو بہ خورشید

نشان دادہ ز خورشیدآن پری رو
شدہ خطِ شعاعی نشترِ او

چو گردد نشترش از دور پیدا
پیِ تعظیم او خیزد رگ از جا

شدہ از سر تراشی سرورِ خلق
روان چون آب حکمش بر سرِ خلق

بہ سرہا گو نریزد آب و دیگر
کہ مو پیشِ میانِ او شدہ تر

بہ فصادیش نقشِ خوش نشستہ
بود کارش ہمیشہ دست بستہ

بجز قتلم نباشد مطلب او
ولے می آزماید تیغ بر سو

نہاد آئینہ‌ام آن ماہ درپیش
ولے آندم کہ بیرون رفتم از خویش

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ موتراش بھی جس کے بال کاٹتے ہیں یا جس کی حجامت بناتے ہیں اُس کے سامنے آئینہ رکھتے ہیں اور آئینہ‌داری اگر خدمت و منصب ہے تو عرف حال کے مطابق ہے جیسا کہ شروع میں بیان ہوا ۔

آهنگ

'آہنگ' اور اُس کے بعد 'آہنگیدن' کے جو معنی برہانِ قاطع میں بتائے گئے ہیں اُن پر غالب نے قاطع برہان میں تنبیہ کے عنوان سے یہ اعتراض کیا تھا :

'آہنگ' کو ایسے معانی درج کرنے کے بعد جن میں سے اکثر سند کے محتاج ہیں کشیدن کا ماضی قرار دیا ہے اور توضیح کے لیے 'یعنی کشید' الفاظ بڑھائے ہیں اور پھر ایک دوسری لغوی فصل میں جو 'آہنگ' کی بحث کے بعد ہے لفظ آہنگیدن درج کیا ہے اور اُس کے معنی بتاتے ہوئے کہا ہے کہ یہ 'آہنگ' کا مصدر ہے ، جس کے معنی 'کشیدن' ہیں۔ قاعدہ دان حضرات سے کہتا ہوں کہ حسبۃً للہ بتائیں! چونکہ صیغۂ ماضی مصدر کا نون گرا کر حاصل ہوتا ہے اور یہ شخص خود کہتا ہے کہ 'آہنگیدن" مصدر ہے تو لامحالہ ماضی "آہنگید" ہوگا نہ کہ "آہنگ"۔

مولوی احمد علی : برہان قاطع میں اس لفظ کے معانی تمام کے تمام فرہنگِ جہانگیری سے منقول ہیں اور جہانگیری کی عبارت جس میں اکثر معانی کی سندیں درج ہیں یہ ہے کہ

"آہنگ" کے آٹھ معنی ہیں :

اول موزونیِ آواز و ساز

سیف اسفرنگی نے کہا ہے :

شعر :

ہر شبے زاویۂ مدحِ گہربارِ تو باد
روشن از شمعِ رخِ مطربِ ناہید آہنگ

دوم قصد

شیخ سعدی شعر :

چو آہنگ رفتن کند جان پاک
چہ بر تخت مردن چہ بر رویِ خاک

سوم : خمیدگیِ طاق و ایوان وغیرہ جسے معماروں کی اصطلاح میں لنگہ کہتے ہیں - رفیع الدین لنبانی کہتا ہے :

شعر :

جلالت ار بہ فلک بر بصدر بنشیند
شکستہ گردد طاقِ سپہر را آہنگ

چہارم صفہ اور حوض وغیرہ کے کنارے کو کہتے ہیں :

شعر :

ز بینوائی جائے رسیدہ ام کہ مرا
مسافتیے است ز آہنگ صفہ تا پردہ

پنجم طرز و روش و صفت کے معنی ہیں ۔ حکاک کہتا ہے :

شعر :

چہ بد کردم بہ تو ای شوخِ بے مہر
کہ محزونم بدین آہنگ داری

ششم لوگوں کی صف اور جانوروں کی قطار کو کہتے ہیں ۔ حکیم ازرقی نے کہا ہے :

زمین پیکر از یکدگر بکسلاند
بہ روزِ نبردِ تو آہنگِ لشکر

ہفتم کشندہ یعنی کھینچنے والے کے معنی میں ہے اور آہنگیدن بمعنی کشیدن ہے ۔ ہشتم طویلے اور آختہ خانے کو کہتے ہیں ۔ حوالہ ختم ہوا ۔ اور یہ فقرہ "ماضی کشیدن یعنی کشید" اگر واقعی جامع برہان کا ہی ہے تو اس سے غلطی ہوئی ہے کہ "کشندہ" کو جو جہانگیری کے درج کردہ ساتویں معنی ہیں 'کشیدہ' بہ یای تحتانی پڑھا ہے ۔ حق بات کہنی پڑتی ہے کہ صیغہ امر یعنی آہنگ موقع و محل کے

لحاظ سے مصدر ، اسم فاعل اور اسم مفعول کے معنی دیتا ہے
نہ کہ ماضی کے معنی ۔ رشیدی نے لکھا ہے آہنگ : کشش
و مقصد و کشندہ و امر بہ کشیدن مرادفِ آہنج اور الاپ کے
معنی میں بھی ہے اور یہ الاپ کے معنی قصد سے پیدا ہوئے ہیں،
اس لیے کہ نغموں کے بارے میں کہتے ہیں "چہ آہنگ است"
یعنی کس راگ کا قصد ہے اور مقصود کیا ہے ۔ اس کے
علاوہ صفے کے اور حوض کے کنارے اور طاق ایوان کے خم
کے معنی ہیں ۔ کمال اسمعیل : شعر :

زیبنوانی　الخ　،

رفیع لبنانی جلالت الخ

اور بعض کا قول ہے کہ پوشش یعنی پٹاؤ اور
چھت کے معنی میں بھی ہے جو خرپشتے کی طرح کی ہو
یعنی ابھری ہوئی اور اس معنی کی سند میں کمال اسمعیل اور
رفیع لبنانی کے مذکورہ شعر پیش کیے ہیں ۔ اس کے علاوہ طرز
و طریق کے معنی بھی ہیں حکاک کہتا ہے :

شعر :　چہ بد کردم الخ

رستے اور صف کے معنی غلط ہیں اور اسی طرح طویلے
کے معنی بھی محلِ نظر ہیں ۔ حوالہ ختم ہوا ۔ سراج اللغات
میں بھی یونہی ہے ۔

ارتنگ

برہان : ارتنگ بروزن فرہنگ نگارخانۂ مانی نقاش کا نام ہے اور بتخانۂ چین کا نام بھی ہے اور ایک کتاب کا نام ہے جس میں مانی کی بنائی ہوئی تمام تصویریں تھیں ۔ بعض لوگوں نے یہ لفظ تیسرے حرف ت کے بجائے ث سے لکھا ہے ۔

غالب : کیا نگارخانۂ مانی اور ہے اور وہ کتاب اور ہے جس میں مانی کی بنائی ہوئی تصویریں ہیں ۔ قربان جائیے اس حسن بیان کے پھر ایک دوسری فصل میں اسی لفظ ارثنگ کو ثای خبث سے لکھا ۔ پھر ایک اور فصل میں ارجنگ جیم جنون سے لکھا ۔ پھر ایک اور فصل میں "ارژنگ" ژای ژاژ سے لکھا ۔ پھر اس کے بعد ایک اور فصل میں "ارسنگ" سین سودا سے رقم فرمایا ۔ پھر آگے جا کر ایک اور فصل میں 'ارغنگ" چغد کی غین سے تحریر کیا ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

"ارتنگ" مرقع تصویر کے معنی میں ہے مطلق طور پر

لیکن جب اس لفظ کو مانی سے مضاف کرتے ہیں تو "ارتنگ مانی" اور "ارتنگ مانوی" کہتے ہیں یعنی کافِ فارسی پر کسرۂ اضافت لا کر۔

رہے یہ الفاظ ارثنگ ، ارجنگ ، ارسنگ اور ارغنگ ان چاروں لفظوں کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے۔ ہاں ارژنگ ژای فارسی سے ایک اسم ہے جس کے تین مسمی ہیں اور یہ تینوں مختلف زمانوں میں ایک دوسرے کے مترادف رہے ہیں : اول وہ دیو جسے رستم نے ہلاک کیا تھا دوسرے وہ پہلوان جسے طوس نے مار ڈالا تھا تیسرے وہ مصور جو اپنے فن میں مانی اور بہزاد کی طرح ماہر اور نامور تھا ، جیسا کہ مولانا نظامی علیہ الرحمہ نے مثنوی شیرین و خسرو میں شیریں کی زبان سے کہا ہے :

به قصرِ دولتم مانی و ارژنگ
طرازِ سحر می بستند بر سنگ

اور اس شعر میں صنعت ذوقافیتین ہے۔

مولوی احمد علی نے اس لفظ کے سلسلے میں طویل بحث کی ہے۔ ہم اس بحث کی تلخیص جدول کی صورت میں درج کرتے ہیں :

مآخذ	لفظ	معنی	توضیحات
۱ - مؤید الفضلاء	ارتنگ ارژنگ	۱ - نگار خانۂ مانی در صورتگری	
۲ - مدار الافاضل	ایضاً	ایضاً	اس فرہنگ میں یہ توضیح ہے اکثر فضلا ارتنگ کہتے ہیں اور بعض ارژنگ فرہنگ شمارہ ۲۰۱ نے اس کا حوالہ دیا ہے۔
۳ - زفان گویا	ایضاً	چادری کہ درو ہمہ نقشہا نگاشتہ شود	
۴ - شرح عربی برگستان تالیف ملا سروری -	ارژنگ	کتاب مانی	
۵ - فرہنگ جہانگیری	ارتنگ	نگار خانۂ مانی	اس فرہنگ میں لفظ کی دوسری صورتیں بھی ہیں: ارچنگ، اژرنگ، ارسنگ
۶ - فرہنگ رشیدی	ایضاً	ایضاً	اس فرہنگ میں ہے کہ ارژنگ تختہ اور کتاب ہے جس پر عجیب عجیب تصویریں اور شکلیں بنی ہوں اور وہ فن کا

نمونہ ہو۔ روم کے مصور اسے آتنگ اور چین کے مصور ارتنگ کہتے ہیں۔ ارثنگ کو رشیدی نے غلط بتایا ہے۔

۷۔ فرہنگ ہندوشاہ۔	ایضاً	ایک بتخانے کا نام	فرہنگ ۵ اور ۶ نے اس کا حوالہ دیا ہے۔
۸۔ حل لغات	ایضاً	۱۔ کتاب مانی ۲۔ مانی کی بنائی ہوئی تصویریں جو اس نے چین میں بنائی تھیں۔ ۳۔ ایک بتخانہ کا نام	اس کا حوالہ فرہنگ۲ میں آیا ہے۔
۹۔ بہار عجم ۱۰۔ اداۃ الفضلاء	ارتنگ ارژنگ	۱۔ نگار خانہ ۲۔ نگار نامہ	بہار عجم نے ارژنگ کو ارتنگ کی تصحیف بتایا ہے۔

۱۱ - فرہنگ سکندری			(اس فرہنگ میں ہے کہ اکثر فضلا ارتنگ کہتے ہیں اور بعض ارژنگ ۔ اس فرہنگ کا یہ حوالہ مدارالافاضل میں آیا ہے ۔) مدار الافاضل نے اس فرہنگ کا حوالہ دیکر لفظ کی چار صورتیں درج کی ہیں ، جن میں سے پہلی صورت چار قلمی نسخے مدار کے دیکھنے کے باوجود مولوی احمد علی سے پڑھی نہیں گئی باقی تین صورتیں یہ ہیں: ارژنگ ، ارتنگ ارسنگ ۔ مدار ہی میں فرہنگ تبختری کے حوالے سے 'ارثنگ' بھی مذکور ہے ۔
۱۲ - مجمع الفرس ملا سروری اصفہانی	ارتنگ بروزن فرہنگ	خانہ ایست کرمانی درچین او را نقش کردہ	اس فرہنگ میں یہ شعر سند کے طور پر درج ہے : ز بس جادوئی ہای نیرنگ او بدو بگرویدند و ارتنگ او

۱۳ - رسالۂ حسین وفائی	ارژنگ	۱ - مانی کی بنائی ہوئی تصویریں ۲ - ایک بتخانے کا نام ۳ - ایک کتاب جس میں مانی کی بنائی ہوئی شکلیں ہیں -	اس معنی کو وفائی نے صحیح ترین قرار دیا ہے - (حسین وفائی نے اسدی طوسی کا قول نقل کیا ہے کہ دری زبان میں میں نے اس کتاب کا صرف ایک نام دیکھا ہے اور یہ کہ اسدی نے یہ بھی بتایا ہے کہ فارسی زبان میں ث "ارثنگ" اور ثغ کے سوا کسی لفظ میں نہیں آیا ہے اور اس سبب سے ارثنگ کی ث کو ژ سے بدل لیا

			ہے۔ فخری نے کہا ہے کہ ارژلگ ایک دیو کا نام ہے۔
۱۴۔ نسخہ میرزا	ارژنگ ارغنگ	۱ - نگار خانۂ مانی ۲ - نگار خانہ	اس فرہنگ میں مطلق نگار خانے کے معنی کے لیے سند کے طور پر نظامی کا شعر درج ہے: عجب ماندزان کار نظارگی بہ حیرت فرو ماند یکبارگی کہ چون کردہ اندراین دو صورت نگار دوارژنگ ابر یکی سان نگار نسخہ میرزا کا یہ حوالہ سروری نے دیا ہے۔
۱۵۔ سراج اللغات خان آرزو:	ارتنگ (خان آرزو نے ارژنگ کو محل نظر اور ارسنگ کو تصحیف ارتنگ	۱ - صفحہ یا تختہ کہ نقاشان اشکال غریبہ درآن نقش کردہ دستاویز ہنر ساختہ باشند	خان آرزو نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے اور دوسرے اور تیسرے معنی فرہنگ قدسی سے نقل کیے ہیں جس نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔

	قرار دیا ہے اور اسی طرح ارغنگ کو بھی)	۲ - نام کتابی وضع کردہ مانی ۳ - نام بتخانہ
۱۶- جواہرالحروف	ارتنگ ارچنگ ارژنگ ارسنگ تنگ مخفف ارتنگ ژنگ مخفف ارژنگ	لالہ ٹیک چند نے خیال ظاہر کیا ہے کہ شاید یہ الفاظ چینی زبان کے ہوں - (ارجنگ کے بارے میں مولوی، احمد علی نے اعتراف کیا ہے کہ یہ لفظ کہیں نہیں ملا اور کہا ہے کہ برہان میں اس کی تصریح نہیں کی گئی ہے کہ اس لفظ میں جیم تازی ہے اگرچہ لکھی ہوئی صورت ارجنگ ہی ہے - یہ ضرور ہے کہ اس لفظ سے پہلے لفظ ارجن آیا ہے اور ارجنگ کے بعد ارجنہ درج ہوا ہے) -

ارتنگ اور ارژنگ کے معانی کی سند نظم و نثر سے

شاعر	سند
۱- والہ ہروی	بنطق باد بہاری بچہرہ فروردین بود چو خانۂ ارتنگ از تو خانۂ زین (مولوی احمد علی نے کہا ہے کہ اس شعر سے واضح ہو جاتا ہے کہ نگار خانہ اور نگار نامہ ایک چیز نہیں ہیں ۔
۲- (انوار سہیلی)	شہ در آن غار حکمت آئین شد غار ازو نقش خانۂ چین شد (مولوی احمد علی نے یہ شعر ملا حسین واعظ کاشفی کی کتاب انوارِ سہیلی سے نقل کیا ہے اور اس سے وہی نتیجہ نکالا ہے جو مندرجہ بالا پہلے شعر سے) ۔

ارتنگ کی دوسری لفظی صورتوں کی سندیں

شاعر	استعمال کرده لفظ	سند
فرخی سیستانی	ارسنگ	همی تافت از پرنیان روی خویش نگاریست گوئی بر ارسنگ مانی
صاحب مقیان	ارژنگ ارژنگ	گر ببیند نگار خانهٔ عشق مانی از خود نهان کند ارژنگ
رودکی سمرقندی	ژنگ مخفف	آن صحن چمن که از دم دے گیتی دم گرگ یا پلنگ است اکنون ز بهار مانوی طبع پر نقش و نگار همچو ژنگ است
مختاری غزنوی	تنگ	گرفت آن ارج و آن قیمت زبان ما ز مدح تو که تنگ از خانهٔ مانی و چوب از رلدهٔ آزر

اور دوسرے مختلف معانی کی سندیں

فرہنگ	لفظ	معنی	حوالہ یا سند
۱۔ مؤید الفضلاء	ارتنگ ارژنگ	نقاش	اداۃ الفضلاء کے حوالے سے یہ معنی لکھے ہیں ۔
۲۔ مجمع الفرس سروری	ارژنگ	نقاشِ کامل	گرالتفات خداوندیش بیارایذ نگار خانۂ مانی و نقش اژرنگی است (شاعر کا نام درج نہیں) روان کرد کلک سیہ رنگ را ببرد آبِ مانی و ارژنگ را (نظامی)
۳۔ فرہنگ جہانگیری و برہان قاطع و فرہنگ رشیدی و سراج اللغات	ارتنگ ارژنگ ارچنگ	مانی کے علاوہ چین کا ایک مصور	سند نظامی کا مندرجہ بالا شعر (مدارالافاضل کے مؤلف نے اس شعر میں ارژنگ کے معنی اشکال مانوی کے لیے ہیں)

۴۔ فرہنگ جہانگیری و فرہنگ سروری و بہار عجم	ارتنگ	مانی	
۵ - برہان قاطع و سراج اللغات و غیاث اللغات و ہفت قلزم	ارتنگ ارژنگ	در اصل مانی کا نام تھا ۔ مانی لقب ہے جس کی بنیاد دعائیہ لفظ ہے یعنی ہمیشہ بمانی	کہ در چین دیدم از ارژنگ پرکار کہ کر دے دائرہ بے دور و پرکار (امیر خسرو) با کلک تو چون قلم زند ارتنگ چہ سادہ نگار تر کہ ارتنگ است (شرف شفروہ)
۶ - بہار عجم	ارتنگ	مانی کا نام	ینطق باد بہاری الخ (شعر اوپر آچکا ہے)

۷ ۔ مؤید الفضلاء	ارژنگ	۱ ۔ ایک تورانی پہلوان کا نام جو رزہ کا بیٹا تھا اور طوس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا ۔ ۲ ۔ ایک دیو کا نام جسے رستم نے ہلاک کیا تھا ۔	مجمع الفرس اور فرہنگ جہانگیری اور برہان میں بھی یہ بات کہی گئی ہے ۔

بسمل

برہان :

"بسمل" پہلے حرف اور میم (دونوں کے) کسرے اور دوسرے حرف (س) اور لام کے سکون کے ساتھ ، ہر وہ چیز ہے جسے ذبح کیا ہو یعنی اُس کا سر کٹا ہو ، اور تلوار سے قتل کیے ہوئے کو بھی کہتے ہیں اور اس (لفظ) کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہتے ہیں اور (اس کے علاوہ) صاحبِ حلم اور بُردبار آدمی کو بھی کہتے ہیں ۔

غالب :

کاش **برہان قاطع** کا مؤلف کسی رات کو خواب میں نظر آئے تاکہ پوچھوں کہ "ہر وہ چیز جسے ذبح کیا ہو" کے کیا معنی ہیں ! ذبح جانداروں کے لیے ہے نہ کہ اشیاء کے لیے ، اور دوسرے یہ پوچھوں کہ ذبح سے مراد گلا کاٹنا ہے ، 'سر بریدن' کہہ کر جو توضیح کی ہے اس کا کیا مطلب ہے! پھر یہ کہوں کہ تو نے کشتۂ شمشیر کو جو 'بسمل' بتایا ہے اور 'بسمل' کی وجہ تسمیہ یہ قرار دی ہے کہ ذبح

کرتے وقت 'بسمل اللہ' کہتے ہیں تو خدا کے لیے یہ بتا کہ تلوار کا وار کرتے وقت 'بسم اللہ' کون کہتا ہے اور ذبح کرتے وقت سوائے اہل اسلام کے تکبیر کون کہتا ہے۔ چونکہ تو خود کہتا ہے کہ 'بسمل' اسے کہتے ہیں جس کے ذبح کرتے وقت 'بسم اللہ' کہیں، تو پھر لازم آتا ہے کہ جسے تلوار سے ماریں وہ 'بسمل' نہ ہوا اور مسلمانوں کے سوا دوسری قوموں کا ذبیحہ بسمل نہیں اور یہ بھی کہ جس پر تلوار کے سوا دوسرے اسلحہ سے ضرب لگائی جائے اور اسے مارا جائے وہ بسمل نہیں۔ یہ سب پوچھنے کے بعد اسے بتاؤں کہ اے بے عقل لفظِ 'بسمل' فقہای اہل اسلام کا اختراع کردہ نہیں ہے جسے اس معنی کے لیے خاص کر دیا گیا ہو۔ ایک قدیم لفظ ہے اور عقل گواہی دیتی ہے کہ لفظِ بسمل ظہور جلوۂ بسم اللہ سے پہلے کا وضع شدہ ہے۔ اہلِ **فارس کیومرث** کے عہد سے **یزدجرد** کے زمانے تک جب کہ ذبح کی رسم اور بسم اللہ کہنے کا طریقہ نہ تھا زخمی اور گلوبریدہ جانور کو آخر کیا کہتے ہوں گے۔ اگر کہا جائے کہ بسمل مستحدث یا نوزائیدہ لفظ ہے تو ہم کہیں گے کہ مانا مگر لفظ وضع کرنے والوں کے تصور میں بھی یہ وجہ تسمیہ نہ آئی ہوگی۔ یہ بحث ختم ہو تو پوچھوں کہ **رودکی** اور **فردوسی** کے زمانے سے اس زمانے تک جس میں تو ہے 'بسمل' بمعنی صاحبِ

حلم و بردبار کس سخنور کے کلام میں تو نے دیکھا ہے۔ سبحان اللہ اے دکنیِ گردن زدنی ، تو قسمت کا بڑا دھنی ہے کہ زیرکان ہند تیرے قول کو مانتے اور سند جانتے ہیں ۔

مولوی احمد علی :

میری آرزو ہے کہ کسی دن قاطع برہان کے مؤلف سے ملاقات ہو تو پوچھوں کہ جاندار (جو جانور ہے) آیا اس کا شمار اشیاء میں نہیں ہے اور لفظ شے جس کے لغوی معنی موجود کے ہیں خود انسان کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہوں کہ یہ جو تو نے پوچھا ہے کہ ذبح 'گلوبریدن' ہے اُس کی توضیح 'سربریدن' کرنا کیا معنی رکھتا ہے ۔ کیا مجاز کو تو نے یک قلم بھلا دیا ہے ۔ زبانوں پر یہ شعر ہے :

بريد و دريد و شکست و ببست
يلان را سر و سینہ و پا و دست

اور یہ بھی مشہور ہے : ع

ورنہ بہ ذوالفقار علی سر بریدمت

پھر یہ جو تو نے پوچھا ہے کہ تلوار کا وار کرتے وقت بسم اللہ کون کہتا ہے تو اے کم عقل تجھے اتنا معلوم نہیں کہ یہ لفظ در اصل اہلِ اسلام کا وضع کردہ ہے ۔ اسی لیے

ذبح شدہ جانور کو پھر انسان کو جسے تلوار وغیرہ سے قتل کیا گیا ہو اس مذبوحی حالت میں دیکھا گیا تو اس کے لیے بھی یہی لفظ استعمال کیا گیا اور اسی طرح دوسری قوموں کے ذبیحے کے لیے بھی ، اور یہ صورت لفظ کی وضعِ خاص اور استعمال عام کی ہے ، جیسا کہ لفظ 'آوند' وغیرہ کے بارے میں کہا گیا ہے۔ پھر میں یہ کہوں گا کہ اے بیخرد چونکہ پہلے تو نے یہ کہا ہے کہ "لفظ بسمل مخترع، وضعِ لفظ بسمل پیش از ظہورِ جلوۂ بسم اللہ است" تو آخر میں کیوں لکھا ہے "کہ 'بسمل' لفظ مستحدث است مسلم میدارم" اگر تو یہ کہے کہ بہار عجم میں جو ساری دنیا کے لیے مستند ہے میں نے دیکھا ہے کہ لفظ 'بسمل، مستحدث ہے ، تو میں کہوں گا کہ مانا ، لیکن پھر ایسا ہے تو اپنے پہلے ہذیان تو نے اپنی کتاب میں سے کیوں نہیں مٹائے ، کہ یہ کلام کا تناقض ہے اور اے قلیل‌المطالعہ انسان یہ جو تو نے بوچھا ہے کہ اہلِ فارس عہدِ کیومرث سے یزد جرد کے زمانے تک 'جاندار گلوبریدہ، کو کیا کہتے ہوں گے تو میں کہتا ہوں کہ تجھے زباندانی کا دعویٰ ہے اور ایسے قدیم الفاظ کا تجھے پتہ نہیں۔ اب اپنا تکبّر چھوڑ کر سن کہ قدیم ایرانی اس معنی میں لفظ 'کشتار، کافِ تازی کے ضمہ سے استعمال کرتے تھے۔ فرہنگ وغیرہ میں یہ لفظ موجود ہے۔ استاد

فرّخی کا شعر ہے :

ہنوز ہیچ یکے پیشِ میر بردہ نبود
از آن شکار کہ از تیرِ میر شد کشتار

اثیرالدین اخسیکتی :

من آبِ پاکم و آن نظم ریزہ مردار است
جدا بآب توان کرد مردہ از کشتار

ناصر خسرو :

باید خوردنت ز کشتارِ خویش

اور یہ جو تو نے کہا ہے کہ 'بسمل' وضع کرنے والوں کے تصور میں بھی یہ وجہ تسمیہ نہ ہوگی ۔ اے بکواسی یہ کیوں کہا ؟ جب اہلِ اسلام لفظ کے وضع کنندہ ہیں ، اور وہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہتے ہیں تو مذبوح کے لیے لفظ بسمل استعمال کرتے وقت یہ وجہِ تسمیہ اُن کے ذہن میں کیوں نہ آئی ہوگی ؟ کون سی چیز مانع ہے ؟ اب سن کہ دوسرے لوگوں نے اس مقام پر کیا کہا ہے ۔ **خان آرزو سراج اللغات** میں کہتے ہیں کہ ''بسمل بکسر با و میم ، ہر جانورے کہ آنرا ذبح کردہ باشند و ذبح کردن را نیز گویند ۔"

آصفی گوید :

شعر :

قاتلِ من چشم می بندد دمِ بسمل مرا
تا بماند حسرتِ دیدارِ او در دل مرا

و نظیر این لفظ نخچیراست کہ ہم بمعنی شکار است وہم بمعنی شکار کردن آمدہ و صاحبِ برہان گوید وجہ تسمیہاش آنست کہ وقت ذبح کردن بسم اللہ گویند و این تصرفِ خوبی است اگر بہ ثبوت رسد و نیز معلوم می شود کہ لفظ مستحدث است و فارسی الاصل نیست ــ حوالہ ختم ہوا ۔ میں برہان سے پہلے کے حوالے سے اس کا ثبوت دیتا ہوں ۔ صاحبِ مؤیدالفضلاء نے جو ۹۲۵ھ میں ہوا ہے لکھا ہے "بسمل بالکسر معروف یعنی ذبح و این رابسمل بدان گفتہ اند کہ وقتِ ذبح بسم اللہ میگویند" حوالہ ختم ہوا ۔ محقق اعظم صاحبِ بہارِ عجم کہتے ہیں : "بسمل بکسر اول و سوم ذبح کردن و ذبح و در وجہِ تسمیۂ آن گفتہ اند کہ وقت ذبح کردن بسم اللہ میخوانند ۔ بہر تقدیر لفظ مستحدث است فارسی الاصل نیست و چراغ بسمل استعارہ ۔" حوالہ ختم ہوا ۔ توائے بوجہلِ ہندی اگر تو ان اقوال کو جن کا حوالہ دیا گیا ہے نہیں مانتا اور لفظ بسمل کو قدیم لفظ کہتا ہے تو بسم اللہ کی کوئی قدیم سند پیش کر اور جو لوگ اختلاط عرب و عجم سے پہلے ہوئے ہیں جیسے زر دشت

اور ساسانِ پنجم وغیرہ ان کے ہاں سے کوئی حوالہ دے اور یہ لفظ مردِ صاحبِ حلم کے معنی میں مجوزے ہفت قلزم کے سوائے کہیں نہیں ملا(۱) ۔

۱ ۔ مولوی احمد علی کا یہ آخری جملہ غالب کی تائید کر رہا ہے۔ اس سے پہلے بھی مولوی احمد علی کے بیان میں کئی جگہ ایسے مقامات آئے ہیں جو غالب کے حق میں ہیں ، خاص طور پر وہ جن کا تعلق لفظ کے معنی صحیح انداز سے بیان کرنے سے ہے ، البتہ غالب کا یہ کہنا کہ یہ ایران کی قدیم زبان کا لفظ ہے درست نہیں ۔ اوستائی ، فرس قدیم ، پہلوی قدیم ، سغدی ، پہلوی ساسانی وغیرہ کے اس ذخیرۂ الفاظ میں جو محفوظ ہے اس کا وجود نہیں ، بلکہ مجعول دساتیری زبان میں بھی یہ لفظ نہیں آیا ۔

پاچایہ

برہان :

پاچایہ بائے مفتوح کے ساتھ مقامِ بول یا مقامِ براز سے
خارج ہونے والی گندگی کو کہتے ہیں یعنی پیشاب پاخانہ

غالب :

کوئی نہیں دیکھتا کہ اس آدمی کے منہ سے کیا نکل رہا
ہے - پاچایہ جیم فارسی (چ) سے ! ع

زہے تصورِ باطل زہے خیالِ محال

پھر پیشاب پاخانے کے معنی میں ! حاشا ثم حاشا !
اے دانشورو اور فرہنگ نویسو ، پاجایہ جیمِ تازی (ج) سے
(بیت الخلاء) کا نام ہےاور یہ جو عام محاورے میں بیت الخلاء
کو پاخانہ کہتے ہیں اسی پاجایہ کی تصحیف ہے جسے رواج
حاصل ہو گیا ۔

مولوی احمد علی :

بس اے بیہودہ گو کہاں تک بکواس کرے گا ۔

شعر :

بس است غالب ازین ہرزہ چانگی تا کے

خوش است شرم مزن چون کلاغ این ہمہ قاق

پاجایہ بیت الخلاء کے معنی میں کہاں دیکھا ہے ، بس قیاس آرائی کی ہے ۔ زہے تصورِ باطل زہے خیالِ محال ۔ تجھے یہ نہیں معلوم کہ 'پاجای' اور 'قدم جای' بیت الخلاء کے معنی میں ہے اور 'پاجای' پر ہائے نسبت بڑھا کر پیشاب پاخانے کے معنی لیتے ہیں ۔ **برہان** نے جیمِ فارسی کی قید نہیں لگائی ہے جس کا تجھے گمان ہے ۔ پھر 'پاخانہ' کو 'پاجایہ' کی تصحیف کیوں کہتا ہے ؟ پاخانہ بے معنی لفظ نہیں ہے ۔ 'جای' اور 'خانہ' دونوں لفظ ایک معنی دیتے ہیں ۔ **محقّق وارستہ** نے اور صاحب **بہار عجم** نے لکھا ہے کہ 'آبخانہ' مستراح ہے اور اسے 'قدم جای' اور 'قدم خانہ' بھی کہتے ہیں اور حضرت **عرش آشیانی (اکبر بادشاہ)** نے اس کا نام 'صحت خانہ' رکھا ہے یہ بات **آئین اکبری** سے معلوم ہوئی ۔ **ایرانی** 'ضروری' کہتے ہیں اور 'جای ضرور' **ہندوستان** کی فارسی ہے ۔ حوالہ ختم ہوا ۔ **لفائس اللغات** میں جس میں وہ الفاظ جو اردوی ہندی میں مستعمل ہیں بیان کیے گئے ہیں لکھا ہے: 'پاخانہ' بیت الخلاء اورفارسی میں 'ادب خانہ' 'آبخانہ'

'بیت الفراغ، اور 'آفتابہ خانہ، اور 'خلا جای' کہتے ہیں - حوالہ ختم ہوا - اگر اس سے تسکین نہیں ہوتی تو کان کھولکے سن اور جو تیرے استاد ساسانِ پنجم نے شت وخشورساسان کے اکسٹھویں فقرے کے ترجمے کی شرح کرتے ہوئے (دساتیر میں) لکھا ہے اور تو اسے بھول گیا ہے اسے سمجھ لے - ترجمہ یہ ہے - "چہار گوہر را بزرگ دارید با این کار بر خود تنگ مکنید" -

شرح :

"باید دانست کہ ہمی پرماید ہر گاہ آتش و آب و زمین خرم بینید سرخم کنید و چنین باد بشوز و کموز را و خاک را پلید مسازید - با این کار بر خود تنگ مکنید ، چہ ہر آینہ آتش کہ فروغمندِ سترگ است از و باید زبر کاوید افروخت و در انجمن ہموخ زو روشن گردانید و پیش پیش در شب تار برد و ہمچنین بگاہِ ناچاری او را باید فرو نشاند و آن باید بآب باشد و تا تواند در آتش ہیمہ و خار وخاشاک خود خشک شدہ و چیز ہای چنان بوزاند - دوم گوہرِ آب است - کنار رود خانہ را نباید آلود و آب را زشت جاہا نباید افکند - با این تن شستن زو نا گزیرست و در جرمز ہای دور درآب پاجایہ کردن الخ -" ساسان پنجم کے قول کا حوالہ ختم ہوا -

جناب ملا فیروز بن کاؤس نے اس مقام پر 'پاجایہ' کو بول و براز کے معنی میں لکھا ہے۔ خان آرزو اور صاحب ہفت قلزم نے اس معنی میں 'پاچایہ' بتایا ہے جیم فارسی (چ) سے اور جیم فارسی (چ) کا ہونا سند کا محتاج ہے(۱) ۔

---

۱ ۔ مولوی احمد علی کا یہ آخری جملہ غالب کے حق میں جاتا ہے ۔ اس کے علاوہ برہان نے جس انداز سے لفظ کے معنی بتائے ہیں مولوی احمد علی کے بیان سے اُس کی خامیاں اور زیادہ واضح ہوتی ہیں ، البتہ غالب کا یہ کہنا کہ 'پاخانہ' تصحیف ہے 'پاجایہ' کی درست نہیں ۔ 'پائیں' اور پائین خانہ' آج بھی ایران کے بعض علاقوں میں بیت الخلاء کے معنی میں ہے اور 'پای خانہ' بھی 'پاجایہ' کا 'پاچایہ' ہو جانا بھی فارسی لسانی تغیرات کا ساتھ دیتا ہے ۔ اردو میں 'قدمچہ' 'قدم جای' کی بدلی ہوئی صورت ہے ۔

پازاچ

برہان :

پازاچ زای ہوز اور جیم فارسی سے بروزنِ تاراج دودھ پلانے والی دایہ اور ماما کو کہتے ہیں جس کے لیے عربی میں قابلہ اور مرضعہ ہے -

غالب :

واہ واہ پازاچ دودھ پلانے والی دایہ کو کب کہتے ہیں - پازاچ تو اُس عورت کو کہتے ہیں جو حاملہ عورتوں کی خدمت کرتی ہے اور بچہ جناتی ہے عربی میں اُسے قابلہ کہتے ہیں اور ہندی میں دائی اور دھائی (ہای مخلوط التلفظ سے) اُردو روزمرہ میں اتنا بروزن بِنا (بمعنی معمار) -

مولوی احمد علی :

شرفنامے میں جس سے غالب بھی استناد کرتے ہیں لکھا ہے : پازاج دایۂ ناف کہ تعہدِ زچہ کند و قبل ہا جیمِ فارسی و مؤیدِ جیمِ تازی این بیت است منصور شیرازی :

شعر :

بناز ، مادرِ ایّام طفلِ بختِ ترا
بزرگ میکند اندر کنار چون پازاج"

حوالہ ختم ہوا - یہی **مؤید الفضلاء** اور مدار میں بھی ہے - **سروری صفاہانی** فرماتے ہیں پازاج بزای معجمہ بروزن تاراج ہے اس کی مثال **منصور شیرازی** کا شعر ہے :

بناز ، مادرِ ایام الخ

فرہنگ میں بمعنی قابلہ ہے جسے مام ناف اور ماماچہ بھی کہتے ہیں -

سوزنی کے اس شعر کا حوالہ دیا ہے :

شعر :

گفتہٴ من حلال‌زادہ بطبع
نبود مر خشوک را پازاج

مؤلف **فرہنگ** فرماتے ہیں کہ **منصور شیرازی** سے سہو ہوا ہے کہ اس نے دایہ کے معنی میں نظم کیا - اس حقیر کا خیال ہے کہ چونکہ "زاج" کے معنی "زن زایندہ" زچہ کے ہیں اور پازاج وہ عورت جو اُس کی خدمت کرتی ہے اس لیے دایہ کو بھی پا زاج کہہ سکتے ہیں اس لیے کہ وہ بھی

زچہ کی خدمت کرتی ہے **سروری صفاہانی** کا حوالہ (بصورت ترجمہ) ختم ہوا ۔ **رشیدی** نے بھی کہا ہے "حق آنست کہ 'پازاج' ہمپائی کنندہ بازن نوزای اعم ازانکہ مرضعہ باشد یا قابلہ ، پس تخطئۂ **جہانگیری** خطاست ۔" حوالہ ختم ہوا ۔ **خان آرزو** نے بھی **قوسی** وغیرہ سے دونوں معنی نقل کیے ہیں اور کہا ہے کہ دودھ پلانے والی کے معنی کو غلط بتانا غلطی ہے ۔ حوالہ ختم ہوا ۔ تو **غالب** جو اس معنی کو غلط بتاتا ہے وہ بھی غلطی پر ہوا(۱) ۔

۱ ۔ **مولوی احمد علی** کے پورے بیان سے دراصل **غالب** کی تائید ہوتی ہے ۔ جو بات مولوی صاحب نے 'دودھ پلانے والی' کے معنی کی تائید میں کہی ہے اُس کی تردید خود ان کے پیش کردہ مولف فرہنگ **جہانگیری** کے حوالے سے ہوجاتی ہے ۔ **انجوی شیرازی** کو وہ خود سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں ۔

پادیاب

غالب : تنبیہ : ایک فصل میں 'پادیاب' دال ابجد اور
بای ابجد سے لکھا اور دوسری فصل میں بای موحدہ کے بجائے
واو سے لکھا ۔ چونکہ فارسی الفاظ میں ب اور و کا ابدال ہوتا
ہے اس لیے ہم کہیں گے کہ سوائے اس کے کوئی غلطی نہیں
ہے کہ ایک لفظ دو جگہ لکھ دیا ہے مگر اس کے بعد تیسری
فصل میں 'پاد'، کو جو دال سے ہے واو سے 'پاو' بتایا ہے اور
فرمایا ہے کہ ہندی میں فارسی کے 'پای' کے معنی میں ہے
جیسے عرب 'رجل' کہتے ہیں الٰہی یہ کس ویرانے کا آلو اور
کس بیابان کا غول ہے ! 'پای' کو ہندی میں 'پانو' کہتے ہیں
جو 'گانو' کا ہم قافیہ ہے نہ کہ 'پاو'، 'گاو' کا ہم قافیہ ۔ ہاں
پاو بروزنِ گاو 'ربع' کا ترجمہ ہے (یعنی چوتھائی)، ۔ اس لفظ
کی حقیقت یہ ہے ۔ 'پادیاب' اور 'پادیاو' کہ دونوں لفظوں
میں دال ہے اور پہلے لفظ کے آخر میں بای موحدہ اور دوسرے
کے آخر میں واو ۔ قدیم فارسی زبان میں شست و شو کو
کہتے ہیں اور بس ۔

مولوی احمد علی : حکیم (محمد حسین برہان تبریزی) نے

بای فارسی اور اس کے بعد الف [یعنی پا سے شروع ہونے والے الفاظ] کے بیان میں 'پادیاب' اور 'پادیاو' الفاظ ایک دوسرے کے بعد لکھے ہیں۔ اُن کے بیچ میں کوئی دوسرا لفظ نہیں آیا ہے اور اس بوالفضول نے دونوں لفظوں کو دو فصلیں سمجھ لیا جیسا کہ وہ اکثر کرتا ہے اور کہہ دیا کہ مؤلف نے دو جگہ الگ الگ یہ الفاظ لکھے ہیں اور معترض نے یہ جو کہا ہے کہ 'پاد' کو جو دال سے ہے تیسری فصل میں واو سے 'پاو' لکھ دیا۔ میں کہتا ہوں کہ 'پادیاب' اور 'پاو' کے درمیان ایک سو سے زیادہ لفظ آئے ہیں۔ مجھے تعجب ہے کہ (اس شخص نے) اپنے معمول کے مطابق سوویں فصل بلکہ اس کے اوپر کی کوئی فصل کیوں نہ کہہ دیا صرف تیسری فصل کہا۔ دوسرے یہ کہنا کہ 'پاد' دال سے ہے یہاں کیا معنی رکھتا ہے۔ آیا یہ وہی 'پاد' ہے جو 'پادیاب' اور 'پاد یاو' میں ہے اور کوئی مستقل لفظ نہیں ہے یا کوئی اور لفظ جس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جامع (برہان) نے یہاں یہی لکھا ہے کہ 'پاو' واو سے دھونے اور پاک صاف کرنے کے معنی میں آتا ہے اور ہندی میں فارسی کے 'پای' کا ہم معنی ہے، جیسے عرب 'رجل' کہتے ہیں۔ لفظ 'پاد' کو جو دال سے ہے پاس اور پاسباں وغیرہ کے معنی میں لکھا ہے نہ کہ دھونے کے معنی ہیں۔ 'پادیاب' جو اس معنی میں ژنداور پاژند کا لفظ ہے، جیسا کہ

فرہنگ میں کہا گیا ہے ، اس کا مخفف 'پاد' بروزن شاد نہیں آیا ہے اور 'پاو' واو سے دھونے کے معنی میں اور لفظ ہے ۔ رشیدی نے بھی 'پاو' واو سے دھونے کے معنی میں لکھا ہے ۔ صاحب فرہنگ جہانگیری نے جو شیرازی ہے کہا ہے کہ 'پاو' واو سے دھونے اور پاک کرنے کے معنی میں ہے اور ہندی زبان میں "پای" کا ہم معنی ہے ۔ حوالہ ختم ہوا ۔

'پانو' کو جو بروزن 'گاو' بتایا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ فارسی زبان میں کوئی لفظ 'گانو' کے وزن پر نہیں آیا ہے اور ایرانی جب ایسے ہندی الفاظ ادا کرتے ہیں تو لامحالہ اپنے دوسرے الفاظ کے وزن پر ادا کرتے ہیں جیسے گاو ، آو وغیرہ اور غیر زبان میں جس میں بولنے والے کو مہارت نہ ہو غلطیاں اکثر ہوتی ہی ہیں ، چنانچہ صاحبِ بہارِ عجم نے نوادرالمصادر میں لکھا ہے :

"اینکہ بعضی گفتہ اند ماریدن فارسی است بلے اگر فارسی می بود مثل ابونصرِ فراہی در ترجمۂ زدن غلط نمی کرد و بجای مارنا کہ مصدرِ ہندی است ماری نمی آورد جائی کہ گفتہ ۔

شعر :

ضرب و جلد است و عصو و پرو زدن

ترکی اورماق و ہندوی ماری

قافیہ تاتاری و زاری و بیکاری و امثالِ آنست"

اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بعض ہندی الفاظ اس طرح کے ہیں کہ نونِ غنّہ کے ساتھ بھی صحیح ہیں اور اس کے بغیر بھی جیسے چانول اور چاول ، پونچھنا اور پوچھنا وغیرہ ۔ اس لیے 'پانو' اور 'پاو' بمعنی رِجل دونوں صحیح ہیں اور اس توجیہ کی تائید خالق باری کے ، جسے غالب نے لفظ 'گلہری' کی بحث میں حضرت امیر خسرو سے منسوب کیا ہے ، اس شعر سے ہوتی ہے :

چراغ است دیّا فتیلہ است باتی
بود جدّ دادا نبیرہ است ناتی

اس زمانے میں 'پاو' اور 'باتی' متروک ہیں ۔

مخفی نہ رہے کہ 'پازہر' بمعنی تریاک صاحبِ جہانگیری کے نزدیک پاوزہر (واو کے ساتھ) کا مخفف ہے یعنی زہر کو دور کرنے اور دھو دینے والا اور بعض کے نزدیک یہ لفظ 'پادزہر' ہے دال سے ، 'پاد' بمعنی پاسبان سے مرکب اور تریاک (تریاق) پاسبانِ زہر (زہر سے محافظت کرنے والا) ہے ۔ رشیدی نے اسی آخری توجیہ کو قابلِ قبول قرار دیا ہے ۔ اس دلیل سے کہ "فاد زہر" دال سے ہے جو اس کا معرّب ہے ۔

یہ بات جاننے کی ہے کہ قاطع برہان میں اس کے بعد لفظ 'پیریشد' کی بحث ہے، جس میں دو دفعہ پ ہے اور مجھے

چونکہ اُس کی سند نہیں ملی ہے ، اس لیے اس بارے میں کچھ نہیں کہتا ۔ صاحبِ بہارِ عجم نے بھی کہا ہے کہ برہان میں 'پپریشد' دونوں جگہ پ کے ساتھ لکھا ہے اور قوی احتمال ہے کہ اس لفظ میں پہلا حرف ب ہو(۱) ۔ حوالہ بصورتِ ترجمہ ختم ہوا ۔ غالب کی کتاب میں 'پازاج' 'پاسبانِ طارم نہم ، اور 'پادیاب' الفاظ ترتیب سے نہیں آئے ہیں ۔ برہان قاطع میں یہ الفاظ تیسرے حرف تک کی ترتیب سے آئے ہیں ۔

---

۱ ۔ یہ شہادت غالب کے حق میں ہوئی ۔ اس کے علاوہ 'بانؤ' کی بحث میں بھی مولوی احمد علی نے برہان کی حمایت میں جو کچھ کہا ہے وہ اعتزار ہے استدلال نہیں ۔

پاسبان طارم نہم

برہان : پاسبانِ طارم نہم کنایہ ہے زحل ستارے سے -

غالب : زحل فلک ہفتم پر ہے نہ کہ فلک نہم پر اور طارم نہم عرش کو کہتے ہیں - عرش پر ثوابت و سیار میں سے کسی کا وجود نہیں - زحل نے اپنے طارم کو کس طرح چھوڑا اور طارم ہشتم سے جسے کرسی کہتے ہیں کیسے گذر گیا کہ جا کر طارم نہم کی پاسبانی پر فائز ہوا - دکنی نے دیباچے میں کہا ہے کہ میں ناقل ہوں نہ واضع - ہم بھی سنیں کہ سوائے اس بزرگ کے بول و براز کو پاچایہ اور دودھ پلانے والی کو پازاج اور زحل کو پاسبانِ طارم نہم کس نے کہا ہے اور یہ جو صرف تین لفظ (اس طرح کے) ہم نے بتائے ہیں بطور اختصار ہیں ورنہ بات اسی پر منحصر نہیں ہے -

مولوی احمد علی : مؤیدالفضلا اور مدارالافاضل میں لکھا ہے کہ 'پاسبانِ طارمِ نہم' کنایہ ہے زحل سے ، لیکن(1) مؤلف جہانگیری اور مولف رشیدی نے 'پاسبان طارمِ ہفتم' اور 'پاسبانِ فلک ' کو زحل کے لیے کنایہ بتایا ہے - بہر حال تینوں لفظوں

یعنی پاجایہ ، پازاج اور پاسبانِ طارمِ نہم کے بارے میں **برہان** کا مأخذ موجود ہے اور اسی طرح دوسرے لفظوں کے لیے بھی -

۱ - اس استدراک سے واضح ہے کہ **غالب** کا اعتراض صحیح تھا اور **مولوی** صاحب کا یہ کہنا کہ **برہان** کا ماخذ موجود ہے - **برہان** کو علمی ذمہ داری سے بری ثابت نہیں کرسکتا -

پالوایہ

برہان : پالوایہ 'چارخایہ' کے وزن پر 'پرستوک' کے معنی میں ہے ۔

غالب : کیا ہموزن لفظ 'چارپایہ' نہیں ہو سکتا تھا جو 'چارخایہ' لانے کی ضرورت ہوئی ۔ غریب کیا کرے جو چیز نظر میں تھی وہی لکھی ۔ ہاں ایک فرہنگ میں 'پالوان' اور 'پالوانہ' دونوں نون سے ایک کالے رنگ کے پرندے کا نام لکھا ہے جو 'پرستوک' کے علاوہ ہے ۔

مولوی احمد علی : جامعِ لغات (برہان) نے اس سے پہلے دوسرے الفاظ درج کیے بغیر لکھا ہے :

''پالوانہ' بانون بروزنِ کارخانہ مرغے است سیاہ و کوچک کہ پیوستہ در پرواز باشد و چون بنشیند نتواند برخاست و آنرا باد خورک ہم گویند و با چانہ و زمانہ قافیہ کردہ اند ۔ بعضی گویند ابابیل ہمانست" ۔ حوالہ ختم ہوا ۔

شرفنامے میں لکھا ہے :

''بالوایہ بالام موقوف و قیل مکسور مرغکے ست کہ آنرا 'پرستو' و'فراستک' و 'فرشتو' نیزگویند بتازیش خطّاف خوانند و

قیل پالوایہ با بای فارسی" حوالہ ختم ہوا۔ صاحب **مؤیدالفضلا** نے بھی **ادات (الفضلا)** اور **لسان الشعراء** سے یہی بات نقل کی ہے اور فرہنگ **قواس** سے نون کے ساتھ اور **زفان گویا** سے بای فارسی اور یای حطی کے ساتھ 'فراشتک" کے معنی میں لکھا ہے۔ صاحب مدار **(الا فاضل)** کہتے ہیں۔ 'بالوایہ' بخاطر می رسد بہان 'بالوانہ' است۔"

سروری صفاہانی نے **مجمع الفرس** میں لکھا ہے:

'پالوانہ' بروزن 'شادمانہ' مرغکے سیاہ باشد کہ دائم در ہوا پرد و چون بنشیند نتواند کہ برخیزد و گویند غذای او باد ست۔ مثالش شمس **فخری** گوید۔

شعر:

شہنشاہا تو عنقائی برتست
عدوِ درگہِ تو پالوانہ

تحفہ (المومنین) میں 'پالوایہ' یای حطی سے ہے اور کہا ہے کہ اسے 'پیلوایہ' بھی کہتے ہیں۔ لیکن **شمس فخری** نے اس لفظ کو زمانہ اور پیمانہ کے ساتھ ہم قافیہ کیا ہے۔ **رسالۂ میرزا** میں نون اور یای حطّی دونوں سے ملتا ہے اور فرہنگ میں بای تازی اور یای حطی سے آیا ہے۔ حوالہ بصورت ترجمہ ختم ہوا۔ **رشیدی** میں بھی یونہی ہے۔ **خان آرزو** نے فرہنگ

قوسی وغیرہ سے 'پالوانہ' بای فارسی سے بروزن کاشانہ بمعنی ابابیل لکھا ہے ۔ یای تازی سے تصحیف ہے۔ صحیح لفظ ابابیل کے معنی میں 'بالوایہ' ہے یای مفتوح کے ساتھ اور نون پر پورا اعتماد نہیں کیا جا سکتا ۔ حوالہ بصورت ترجمہ ختم ہوا(۱) ۔

۱ ۔ مولوی احمد علی کی پیش کردہ مختلف شہادتیں مجموعی طور پر غالب کے حق میں ہیں ۔ فارسی فرہنگوں میں لفظوں کی تصحیح شدہ صورتیں کثرت سے ملتی ہیں ، اور اس حقیقت کی طرف ڈاکٹر محمد معین مرحوم نے بھی اپنے مقدمۂ برہان قاطع میں اشارہ کیا ہے ۔

پنده

غالب :

تنبیہ : 'پنده' بای فارسیِ مکسور سے بمعنیِ قطرۂ آب لکھا ہے۔ غلط لکھا ہے۔ یہ لفظ بایِ فارسیِ مکسور سے نہیں ، بلکہ بایِ موحدۂ مضموم سے ہے ، بنده بروزنِ کنده اور بند بروزنِ تند ، جس کے مقابل ہندی میں بوند ہے ، تھوڑے سے تغیر کے ساتھ توافق لسانین کی ایک صورت ہے۔

مولوی احمد علی :

حیرت ہے! 'پنده' لفظ میں بھی جو دساتیر کے ترجمے کے خاص الفاظ میں سے ہے تحریف اور قیاس اور تصرف کو دخل دیا جا رہا ہے۔ واہ رے علم اور واہ ری دانائی۔ **عجم** کا آخری پیغمبر ساسان پنجم دساتیر کے نامہ شت و خشورساسان کے تئیسویں فقرے (مولوی احمد علی نے یہاں آیت لکھا ہے) میں فرماتا ہے۔ "خرد پنده و چکله و چکہ و چکیدہ وکات آبی است از کاتان و چکیدگان دریا ہای روان گردت۔" اور ملا فیروز بن کاؤس نے یہاں لفظ ، پنده اپنے

دو مطبوعہ نسخوں میں تصحیح کے بعد لکھا ہے اور فرہنگ دساتیر میں بای فارسی (پ) کی فصل میں درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ "پندہ" قطرہ ہے خواہ پانی کا ہو خواہ بارش کا اور نقطے اور ذرے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ حوالہ ترجمے کی صورت میں ختم ہوا۔ خان آرزو کہتے ہیں "پندہ بکسر بای فارسی و سکونِ نون مطلق قطرہ و بمعنی نقطہ و ذرہ نیز نوشتہ اند۔" حوالہ ختم ہوا۔ یہی ہفت قلزم میں ہے۔ اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ دساتیر کے خاص الفاظ کے بارے میں برہان کا قول قابل اعتماد ہے اور جو اس کے خلاف کوئی دعویٰ کرے چاہیے سند پیش کرے۔ 'بند' بھی بای موحدۂ مضموم سے بروزن 'تند' اس معنی میں سند چاہتا ہے(۱)۔

۱۔ مولوی احمد علی کی ساری بحث دساتیر کے گرد گھومتی ہے اور دساتیر کی حقیقت معلوم۔ سراج اللغات اور ہفت قلزم زمانی تقدم کی حامل نہیں۔ یہ بھی دساتیر کے زیر اثر ہیں۔

پولہ

غالب : تنبیہ : 'پولہ' بروزن لولہ جس میں دوسرا حرف (یعنی واو) مجہول ہے 'خربوزۂ مضمحل' کے معنی میں لکھا ہے چونکہ ہندی زبان میں بھی یہ لفظ اس معنی میں مشہور ہے ، تعجب ہے کہ مؤلف نے توافقِ لسانین کی طرف کوئی اشارہ کیا نہیں[۱] -

مولوی احمد علی :

ہندی اردو کی فرہنگوں میں جیسے دلیل ساطع اور لغالس اللغات 'پولا' واو مجہول اور الف سے نرم اور کھوکھلے کے معنی میں نظر سے گذرا ہے نہ کہ نرم کے معنی میں ، خاص طور سے میوہ ، اور مانا کہ توافق ہے تو اس کی طرف ایک غیر ہندی شخص کے اشارہ نہ کرنے کو اور وہ بھی فارسی کی فرہنگ میں ہرگز غلطی تصور نہیں کیا جا سکتا جس پر گرفت اور حیرت کا اظہار کیا جائے -

---

۱ - غالب نے جو سوال اٹھایا ہے بیجا نہیں -

گلہری

غالب : تنبیہ : مخفی نہ رہے کہ یہ جانور جو چوہے کی شکل کا ہے اور دیوار پر چڑھتا ہے اس کا نام گلہری کافِ فارسی مکسور سے ہے ۔ ایران میں یہ جانور نہیں ہوتا ۔ اسی لیے اس زبان میں اس کا نام بھی نہیں ہے۔ دکنی پر قربان جائیے کہ اس جانور کا نام اُس نے کافِ عربی مفتوح سے فارسی الفاظ کے ذیل میں لکھا ہے اور اُس کا ہموزن لفظ 'ابہری' بتایا ہے ۔ 'ابہری' اول تو خود نامانوس لفظ ہے اس کے علاوہ 'گلہری' جس وزن پر ہوئی ہو فارسی لفظ نہیں ہے ۔ اگر فارسی ہوتا تو **خالق باری** کا مصنف جو بعض لوگوں کے نزدیک امیر خسرو دہلوی ہے **خالق باری** میں یہی لفظ کیوں نہ لکھتا اور "موشِ پران" اور "موشک پران" صفات اپنی طرف سے کیوں تراشتا ۔ میں کہتا ہوں کہ ہندوستان کی پوری سر زمین میں اس جانور کو گلہری کہتے ہیں کافِ فارسی سے یعنی گ سے ، نہ کہ "کلہری" کافِ عربی مفتوح سے ، یہاں بھی وہی مثل ہے کہ نہ فالودہ دیکھا ہے نہ انار ۔

مولوی احمد علی : برہان میں "کلہری" پہلے اور دوسرے

حرف کے فتحہ سے ہیں ۔

خان آرزو : کہتے ہیں " "کلہری" بوزنِ ابھری در **برہان** نوعے از موشِ دوندہ و در ہندوستان بسیارست و با کافِ فارسی ہم میگویند ۔ مؤلف گوید این لفظ ہندی الاصل است بکسرِ اول و فتح دوم و کافِ فارسی و آنرا در فارسی موشِ خرما و موشِ پرندہ و موش پران گویند و فارسی پنداشتن و بکافِ تازی گفتن و اعراب چنین نوشتن کمال بے تحقیقی است" ۔ حوالہ ختم ہوا ۔

میں کہتا ہوں کہ یہ لفظ ہندی الاصل ہے لیکن متاخرین شعرای فارس نے یہ لفظ استعمال کیا ہے اور اہل فارس کا ہندی لفظ کے حروف میں غلطی کرنا زبان سے ناواقفیت کی بنا پر ہے ۔ صاحبِ **نفائس اللغات** کہتے ہیں ۔ " 'گلہری' جانورے ست مانند موش میوہ ہای درختان میخورد ۔ بعربی در محاورۂحال آنرا فارۃالتمر و فارۃالنخل گویند و بفارسی موشکِ پران و موشِ خرما و مسیحی کاشی 'گلہری' را در شعر خود آوردہ ۔ شاید کہ فارسی باشد یا لفظ ہندی را آوردہ و آن این است ۔

شعر :

ہر چہ افتد بدستِ آن طرار

بہ دودستش خورد گلہری وار ۔"

مخفی نہ رہے کہ غالب نے اس کے بعد صاحب مطبع کی ہدایت پر لفظ ''کوارہ'' کی بحث پر اعتراض کیا ہے اور صاحبِ مطبع نے خود کہا ہے کہ یہ مؤلف کی غلطی ہے یا کاتبوں کی تحریف۔

'گلہری' کی بحث میں غالب کا بیان ناقابل تردید ہے اتنا ضرور ہے کہ غالب کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ایران میں اس طرح کا جانور یا گلہری کے خاندان کا ایک جانور ہوتا ہے جسے 'موش خرما' کہتے ہیں یہ اصطلاح عصر حاضر میں بھی ایران میں رائج ہے۔ اس کے علاوہ 'موش صحرائی' اور 'سنجاب' بھی کہتے ہیں۔